یا اللہ مدد

وھو المستعان

حق چار یارؓ

خلافتِ راشدہ

تحقیقِ فدک

تالیف

رئیس المحققین استاذ المناظرین

سید السالکین بحر العلوم امام پاکستان

حضرت مولانا

سید احمد شاہ بخاری

اجنالوی چوکیروی

ناشر شعبہ

امام پاکستان اکیڈمی دار المبلغین

جامعہ فاروق اعظمؓ بشیر کالونی سرگودھا

یا اللہ مدد

وھو المستعان

خلافت راشدہ

حق چار یار

تحقیقِ فدک

تالیف

رئیس المحققین استاذ المناظرین
سید السالکین بحر العلوم امام پاکستان
حضرت مولانا
سید احمد شاہ بخاری
اجنالوی چوکیروی

ناشر شعبہ
امام پاکستان اکیڈمی دار المبلغین
جامعہ فاروق اعظم بشیر کالونی سرگودھا

تحقیق فدک (طبع چہارم)
امام پاکستان حضرت سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

یا اللہ مدد

وھو المستعان

خلافت راشدہ — حق چار یارؓ

تحقیقِ فدک

تالیف

رئیس المحققین استاذ المناظرین سید السالکین بحر العلوم امام پاکستان حضرت مولینا

سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

اجنالوی چوکیروی

○

الناشر

خادم اہلسنت ابن امام پاکستان سید محمد قاسم شاہ بخاری

نام کتاب ـــــــ تحقیق فدک (طبع چہارم)

مصنف ـــــــ امامِ پاکستان حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری

تعداد اشاعت ـــــــ ۱۰۰۰ (ایک ہزار)

قیمت ـــــــ 150/- (ایک صد پچاس روپے)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں ۔

ناشر ـــــــ (مولانا) سید محمد قاسم شاہ بخاری

طبع ـــــــ ثنائی پریس سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

زیرِ نظر کتاب لاجواب تحقیق فدک طبع چہارم کو دراصل بہت پہلے منظرِ عام پر آجانا چاہیئے تھا لیکن تاخیر ہوئی تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا۔ موجودہ دور میں طباعت کے لوازمات کی نزاکت کے باعث اشاعتی کام کس قدر مشکل ہو چکا ہے اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ والد مرحوم امامِ پاکستانؒ کی کتاب تحقیقِ فدک کی سابقہ کتابت کی غلطیاں درست کرنا اور ساتھ آج کچھ نئی کتب شیعہ کے جو طبع جدید ہیں حوالہ جات کے صفحات لگانا اور ساتھ چند نئے حوالہ جات درج کرنا بڑی ذمہ داری کا کام تھا زیادہ عرصہ اسی میں صرف ہوا۔ بہرحال احقر نے ان تمام مشکلوں پر عبور حاصل کر کے اس کتاب کی اشاعت کا حق ادا کرنے میں اپنی پوری کوشش کی ہے۔ کاوش) قارئین کے سامنے ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور حضرت والد ماجد مرحوم کی تمام کتابیں اور "سوانح حیات امامِ پاکستان" کو آئندہ شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جناب خان شجاع خان صاحب چک ۳۶ شمالی ضلع سرگودھا والوں کو اجرِ عظیم عطا فرمائے جنہوں نے اس عظیم مرحلہ میں احقر کا ساتھ دیا ہے۔

فقط والسلام:

سید محمد قاسم شاہ بخاری حسینی

بشیر کالونی سرگودھا

مورخہ ۱۲، دسمبر ۱۹۹۵ء بروز منگل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ الذی ھدانا الی طریق اھل السنۃ والجماعۃ بفضلہ العظیم والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمدن الذی کان خلق عظیم وعلی آلہ واصحابہ الداعین الی الصراط المستقیم   امابعد:

اہل سنت والجماعت قرآن مجید کی آیت استخلاف وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کا مصداق باجماع امت ابوبکر صدیق فاروق اعظمؓ عثمان ذوالنورینؓ اور علی المرتضیٰؓ کو مانتے ہیں اور دلائل قطعیہ سے روزِ روشن کی طرح چاروں خلفاء کی خلافت ثابت ہے کوئی بھی سلیم الفطرت انسان اس کا انکار نہیں کر سکتا. مگر وہ لوگ جو ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ کا مصداق بن گئے ہیں وہ یارِ غار والمزار خلیفہ رسول اللہ بلافصل سیدنا ابوبکر صدیق کی خلافت کے انکار کے ساتھ ساتھ بڑی مکاری اور چرب زبانی سے عوام الناس کو دھوکہ دیتے ہیں کہ دیکھو ابوبکر صدیق نے بی بی فاطمہؓ کا باغ فدک بھی چھین لیا. بی بی پاک صدیق کے پاس حق لینے گئیں لیکن ناکام اور رنجیدہ ہوکر واپس آئیں وغیرہ ذالک من الخرافات

اس اہم مسئلہ فدک پر جامع المعقول والمنقول محقق اہل سنت استاذ العلماء امام پاکستان حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری نور اللہ مرقدہٗ نے

ایک عظیم اور لاجواب کتاب "تحقیق فدک" تصنیف فرما کر امت محمدیہ کو گمراہی سے بچانے کے لئے سعی بلیغ فرمائی. فجزاکم اللہ عن سائر المسلمین احسن الجزاء

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایشیا کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد اپنی زندگی درس وتدریس. تعلیم وتربیت افتاء اور مذہب اہل سنت والجماعت کی حقانیت، صحابہ کرامؓ کا تقریراً وتحریراً دفاع کرتے ہوئے گزاری ہے، آپ صحابہؓ کرام خصوصاً حضرات شیخین میں سے خلیفہ رسول اللہ بلافصل سیدنا ابوبکر صدیقؓ پر فدا تھے.

ہمارے گاؤں بھیں تحصیل وضلع چکوال کے سالانہ جلسے منعقدہ ۲۰-۲۱ اپریل ۱۹۶۸ء بمطابق ۲۱-۲۲ محرم ۱۳۸۸ھ بروز ہفتہ. اتوار، پہلی مرتبہ تشریف لائے تو دوسرے دن نماز ظہر کے بعد آخری اجلاس سے "ثانی اثنین" کے عنوان پر بڑا مدلل اور مفصل ومؤثر خطاب فرمایا.

پھر اگلے سال کے سالانہ جلسے کے لئے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہٗ نے دعوت نامہ بھیجا تو جواب لکھا!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی ومحترمی حضرت قاضی صاحب زید مجدہٗ. وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ مزاج شریف آپ نے ۲۰، اور ۲۱، محرم کے دو دنوں میں سے ایک کے انتخاب کا مجھے اختیار دیا ہے سو میں پہلے یوم کو پسند کرتا ہوں. اور ۱۹ محرم بروز سوموار یہاں سے سفر کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ اور غالباً ظہر کی نماز تک آپ کے مدرسے میں پہونچوں گا پھر وہاں سے آگے آپ کا انتظام ہوگا. پہلے دن تقریر کر کے دوسرے دن سفر کرنے کا پروگرام ہوگا. ماشاء اللہ کان ومالم یشاء لم یکن واپسی ڈاک سے مطلع کریں کیا مجوزہ پروگرام پسند ہے؟ یا ترمیم کے قابل ہے

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۹	مطالبۂ میراث کی تحقیقی وجہ	۶۸
۲۰	حضرت صدیق اکبرؓ سے حضرت سیدہؓ کی رضامندی	۷۱
۲۱	شیعہ کے یہاں صیغۂ مجہول ضعیف روایت کا ثبوت نہیں ہے	۷۵
۲۲	رضامندی کی روایت کیوں مشہور نہیں ہے	۸۶
۲۳	صحیح بخاری کی روایت کے جوابات	۸۷
۲۴	کتب شیعہ میں ناراضگی سیدہؓ کی روایات	۹۶
۲۵	**باب سوم ہبہ فدک کے بیان میں**	۱۱۱
۲۶	ہبہ فدک کی روایت موضوع ہے۔	۱۱۲
۲۷	ہبہ فدک کی روایت سُنّی کتابوں میں	۱۲۳
۲۸	اس رُوایت کا جواب	۱۲۳
۲۹	جواب اول	″
۳۰	جواب دوم	۱۲۵
۳۱	معیشت حضرت فاطمہؓ زمانہ نبوی میں	۱۲۹
۳۲	معیشتِ فاطمہؓ صدیقیؓ دَور میں	۱۳۵
۳۳	صاحب فلک نجات کی بوکھلاہٹ	۱۴۰
۳۴	قاسم خمس خود علی المرتضیٰؓ تھے	۱۴۱
۳۵	جواب چہارم	۱۴۳
۳۶	حضرت علی المرتضیٰؓ کی حدیث کو ترجیح	۱۴۵
۳۷	**باب چہارم طریق مرتضیٰؓ دوبارہ زمین فدک**	۱۴۷
۳۸	اِمام کے فرائض شیعہ کے نزدیک	۱۵۲

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۳۹	علی المرتضیٰؓ نے اپنے عاشقوں کو آگ میں جھونک دیا	۱۵۳
۴۰	تقیہ کے شرائط کا بیان	۱۵۵
۴۱	حضرت علی المرتضیٰؓ اور تصدیق صدیقؓ	۱۵۸
۴۲	جدال وقتال نفاذ شریعت کو روک نہیں سکتا	۱۵۹
۴۳	تنخواہوں کے دستور کو مرتضیٰؓ نے تبدیل کر دیا اور کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کی	۱۶۲
۴۴	فدک مروان کے قبضہ میں کب آیا	۱۶۴
۴۵	زمین فدک حضرت علی المرتضیٰؓ کے تصرف میں تھی	۱۶۹
۴۶	اِقْضُوْا كَمَا كُنْتُمْ تَقْضُوْنَ کی تحقیق	۱۷۱
۴۷	فدک کے بارے میں عمر ابن عبدالعزیزؒ کی کارروائی	۱۷۴
۴۸	اس امت کے صدر کون ہیں؟	۱۷۸
۴۹	**باب پنجم اہل بیت کے اوقاف**	۱۸۰
۵۰	حضرت علیؓ کے اوقاف	۱۸۳
۵۱	حضرت فاطمہؓ کے اوقاف	۱۸۵
۵۲	امام موسیٰ کاظمؒ کے اوقاف	۱۸۹
۵۳	**باب ششم تصدیقات میں**	۱۹۳
۵۴		
۵۵	ضمیمہ جات	۲۰۵
۵۶	ضمیمہ تحقیق فدک حصہ ۱	۲۰۶
۵۷	صاحب توثیق نے آیت قرآن کی تحریف کر ڈالی	۲۰۶
۵۸	ضمیمہ تحقیق فدک بابت حصہ ۲	۲۰۹

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۵۹	ضمیمہ تحقیق فدک بابت صہ ۱۲	
۶۰	ضمیمہ تحقیق فدک بابت صہ ۱۷	۲۱۲
۶۱	ضمیمہ تحقیق فدک بابت صہ ۱۹	۲۱۳
۶۲	ضمیمہ تحقیق فدک بابت صہ ۲۵	
۶۳	ضمیمہ تحقیق فدک بابت صہ ۲۶	۲۱۴
۶۴	آل واصحابؓ کے اقوال ہمارے یہاں حجت ہیں	۲۱۵
۶۵	ضمیمہ تحقیق فدک صہ ۳۳	۲۱۶
۶۶	ضمیمہ تحقیق فدک صہ ۳۴	"
۶۷	ضمیمہ تحقیق فدک بابت صہ ۳۵	۲۱۷
۶۸	ضمیمہ تحقیق فدک بابت صہ ۳۲	۲۱۸
۶۹	جناب ناشر صاحب کی فریب دہی	۲۱۹
۷۰	ضمیمہ تحقیق فدک بابت صہ ۳۴ تا ۳۶	"
۷۱	ضمیمہ تحقیق فدک صہ ۳۶	۲۲۲
۷۲	ضمیمہ تحقیق فدک بابت صہ ۲۹	۲۲۳
۷۳	ضمیمہ تحقیق فدک صہ ۴۰	۲۲۴
۷۴	ضمیمہ تحقیق فدک صہ ۴۳	۲۲۵
۷۵	احتجاج حضرت سیدہؓ کی حقیقت	۲۳۰
۷۶	احتجاج حضرت علی المرتضیٰؓ کی حقیقت	۲۳۱
۷۷	سیوطی کے سکوت کا جواب	۲۳۲
۷۸	ضمیمہ تحقیق فدک بابت صہ ۶۰	۲۳۲

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۷۹	حضرت صدیقؓ نے حضرت فاطمہؓ کی کوئی تکذیب نہیں کی	۲۳۲
۸۰	ضمیمہ تحقیق فدک صہ ۶۰	"
۸۱	ضمیمہ تحقیق فدک صہ ۶۲-۶۳	۲۳۴
۸۲	ضمیمہ تحقیق فدک صہ ۶۵	۲۳۶
۸۳	صحیح بخاری میں یہ فقرہ نہیں ہے	"
۸۴	مخبوط الحواس کون ہے	"
۸۵	ضمیمہ تحقیق فدک صہ ۶۸	۲۳۷
۸۶	حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کو متولی فدک بنادیا گیا	۲۳۸
۸۷	آثم ۔ غادر ۔ خائن ۔ کاذب مسلم کے اصل نسخہ میں نہیں ہیں	
۸۸	ضمیمہ تحقیق فدک بابت صہ ۷۱	۲۴۰
۸۹	ابن ابی الحدید شیعی تھا	۲۴۲
۹۰	امام ہشتم علی رضا کے ارشاد کی حقیقت	۲۴۴
۹۱	ضمیمہ تحقیق فدک صہ ۸۶	۲۴۷
۹۲	رضامندی بمعنے قناعت کی حقیقت	"
۹۳	شیعہ و سُنی میں کیا فرق ہے	۲۵۲
۹۴	ضمیمہ تحقیق فدک متعلقہ صہ ۸۳	۲۵۴
۹۵	ضمیمہ تحقیق فدک صہ ۸۱	۲۵۶
۹۶	اختراعی وصیت کا جواب	۲۵۸
۹۷	حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی رضامندی کی تشریح	۲۶۱
۹۸	رضامندی کی روایات کی تصحیح	۲۶۶

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۹۹	مرسل روایت بھی حجت ہوتی ہے	۲۶۷
۱۰۰	رضامندی سیدہؓ کی روایت کے راویوں کا حال	۲۷۱
۱۰۱	شیعی نقطہ نظر سے مرسل کی بحث	۲۷۵
۱۰۲	حدیث رضامندی کے علوم و معارف	۲۷۶
۱۰۳	ضمیمہ تحقیق فدک بابت صہ ۸۷	۲۸۱
۱۰۴	بخاری شریف کی روایت کی تفسیر و تشریح	۲۸۲
۱۰۵	تادمِ مرگ ناراضگی بخاری شریف کی روایت میں نہیں ہے	۲۸۳
۱۰۶	جواب چہارم متعلق حدیث بخاری	۲۸۶
۱۰۷	پیغمبروں کی قائم مقامی کس کے نصیب میں آئی	۲۸۸
۱۰۸	ضمیمہ تحقیق فدک صہ ۹۶	۲۸۹
۱۰۹	اَلْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ کے معنی کی تشریح	۲۹۲
۱۱۰	صدیق اکبرؓ اور نماز جنازہ حضرت سیدہؓ	۲۹۳
۱۱۱	نماز جنازہ کا شرعی دستور	۲۹۵
۱۱۲	بہتانات	۲۹۷
۱۱۳	صدیق اکبرؓ اور جنازہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم	۳۰۰
۱۱۴	ضمیمہ تحقیق فدک صہ ۱۱۱	۳۰۲
۱۱۵	کنز العمال کی ہبہ فدک کی روایت کا جواب	۳۰۴
۱۱۶	معارج النبوۃ کی روایت کا جواب	۳۰۶
۱۱۷	عجالہ نافعہ کے حوالہ کا جواب	۳۰۷
۱۱۸	قاعدہ معرفتِ وضع	۳۱۲

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۱۹	قاعدہ معرفتِ وضع	۳۱۴
۲۲۰	عمر بن عبدالعزیز و مامون رشید	۳۱۵
۲۲۱	زید شہیدؒ کا جواب	۳۱۸
۲۲۲	ضمیمہ تحقیق فدک صہ ۱۱۵	۳۲۱
۲۲۳	وثیقۂ فدک	۳۲۲
۲۲۴	عجیب فریب کاری	۳۲۵
۲۲۵	ضمیمہ تحقیق فدک صہ ۱۱۱	۳۲۶
۲۲۶	تقریظات علمائے کرام	۳۲۷

مقدمہ

خداوند تبارک وتعالیٰ کی صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ ہی ہے جو کہ ذرات کائنات کو تفصیلی طور پر جانتا ہے۔ اور وہ ہی ہے جو کہ جزئیات عالم کی اول سے آخر تک خبر رکھتا ہے۔ اس کی نگاہ دقیقہ بین سے کوئی چیز اوجھل نہیں۔ اور اس کی قدرت شاملہ تمام ممکنات کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ وہ ایسا غیور ہے کہ مشرک کے لئے دائمی عذاب مہیا فرمایا ہے۔ اور وہ ایسا غفور ہے کہ توبہ کرنے والے کے گناہ معاف کر کے ان کے قائم مقام نیکیاں لکھ دینے کا حکم فرشتوں کو دیتا ہے۔ اور اپنی خوشی کا ملا اعلیٰ میں اعلان کرتا ہے۔ سب پیغمبروں کے آخر میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عالم کی ہدایت اور راہ نمائی کے لئے کھڑا کیا۔ اگر آنحضور کا وجود مسعود نہ ہوتا تو صفات باری تعالیٰ کی معرفت ناممکن تھی۔ آپ ہی نے ذات وصفات کی معرفت کے دروازے آدم اور جن کی اولاد پر کھول دئے۔ آپ ہی نجات بنی آدم کے ذریعہ قرار پائے۔ آپ ہی کی اتباع میں بہشت ہے اور آپ ہی کی بے فرمانی میں دوزخ مقرر ہے۔ بہت سے لوگوں نے آپ کو دیکھا تو خدا کو پا لیا اور بہت سے لوگوں نے آپ کو سنا تو خدا کو پالیا۔ خدا تعالےٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں نازل ہوں آپ کی ذات پر اور آپ کی اولاد وازواج مطہرات پر اور آپ کے ہمنشینوں اور جانشینوں پر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

اس کے بعد فقیر پر تقصیر مجسم سہو ونسیان بندہ پراگندہ احمد شاہ عفا اللہ عنہ خادم تدریس مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ چوکیرہ ضلع سرگودھا مغربی پاکستان خدمت میں خواص وعام اہل اسلام کی عرض کرتا ہے۔ کہ ساری دنیا میں بہ نسبت شیعہ کے اہل سنت بھاری اکثریت رکھتے ہیں۔ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے۔ لیکن اپنے مذہب کی تبلیغ اور اپنے اصول کی اشاعت میں یہ لوگ بہ نسبت شیعہ کے بہت پیچھے ہیں۔ شیعہ عوام کو دیکھو تو ہر ایک ان میں سے اپنے مذہب سے دلچسپی لیتا ہے۔ اور مذہب کے جاننے والوں سے ہر بات میں رجوع کرتا ہے۔ اور اس راہ میں کسی قسم کے خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ ان کے مقابلے میں اہل سنت عوام کو دیکھو تو مذہبی دلچسپی ان میں برائے نام بھی نہیں ملتی اور مذہب کے جاننے والوں سے نفرت ہے۔ پھر کسی بات میں اہل علم سے رجوع کریں تو کس طرح؟ اور اس راہ میں مال خرچ کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ خواص کا مقابلہ اس طرح پر ہے کہ شیعہ علماء اول سے لے کر آج تک اپنے خاص اصول کی اشاعت میں خوب حساس واقع ہوئے ہیں۔ ان میں کوئی اہل علم ایسا نہیں گزرا جو بہت سی تصنیفات چھوڑ کر اس دنیا سے روانہ نہ ہوا ہو۔ اگر فریقین کے علماء کی تحقیق کی جاوے تو یقیناً اہل سنت کے علماء بھاری اکثریت میں ہوں گے۔ لیکن اگر تصنیفات کی تعداد کی تحقیق کی جاوے تو یقیناً شیعہ علماء کی تصنیفات اکثریت میں ہوں گی۔ تصنیفات سے مراد وہ کتابیں ہیں جو فریقین کے علماء نے ایک دوسرے کے اعتراضات کے جواب میں لکھی [illegible] اس کی وجہ بھی معلوم ہوتی ہے

که اہل سنت کے علماء ہر زمانہ میں گوشہ نشینی اور ترک دنیا اور خاموشی کو پسند کرتے رہے ہیں۔ اور ذکر الٰہی سے سروکار رکھا ہے۔ نہ کسی مخالف کی کوئی کتاب دیکھی اور نہ ہی اس کی تردید کا خیال پیدا ہوا۔ نتیجہ اس کارروائی کا یہ ہوا کہ بہت سے بھولے بھالے لوگ کثرت تصنیف کو دیکھ کر شیعہ کی جانب مائل ہو گئے۔ دلائل کا امتحان کرنا تو ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ دنیا پروپیگنڈا سے ضرور متاثر ہوتی ہے۔ یہ بات بھی کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے۔ یہاں تک کہ راقم الحروف بھی شیعہ کے پروپیگنڈے سے اثر پذیر ہوا۔ مگر ذوق تحقیق نے فوری تبدیلی مذہب سے روک لیا۔ سُنی سے شیعہ ہونے کے لئے مطاعن فدک کو اگر دروازے کی حیثیت دے دی جائے تو میرے یہاں کچھ بعید نہیں ہے۔ مَیں نے سب سے پہلے مطاعن فدک کی تحقیق کی ہے۔ اور شیعہ اعتراضات کو غلط پایا ہے۔ جس قدر شیعہ اعتراضات کو غور سے دیکھا ہے اسی قدر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی پوزیشن کو اعلیٰ وارفع پایا ہے۔ جس قدر شیعہ نے آپ کے دامن کو ملوث کرنے کی کوشش کی ہے اسی قدر آپ کا دامن پاک اور صاف نظر آیا ہے۔ میرے ان تأثرات کو ناظرین کرام رسالہ ہذا نامی تحقیق فدک میں مطالعہ کر سکتے ہیں۔

چونکہ اس رسالہ میں تمام بحث فدک سے متعلق ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ناظرین کرام کے سامنے فدک کی حقیقت بیان کر دی جائے۔ نیز یہ بیان کر دیا جائے کہ فدک آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قبضہ میں کس طرح سے آیا تھا۔

فدک

فدک ایک شہر کا نام تھا جو مدینہ منورہ سے شمالی جانب سے تقریباً تین منزل کی مسافت پر واقع تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب فتح الباری مطبوعہ مطبع بہیہ مصر جلد ششم ص۱۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں وَاَمَّا فَدَكُ وَهِيَ بِفَتْحِ الْفَاءِ وَالْمُهْمَلَةِ بَعْدَهَا كَافٌ بَلَدٌ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْمَدِيْنَةِ ثَلَاثُ مَرَاحِلَ

ترجمہ:۔ اور فدک کی فا اور دال دونوں زبر سے ہیں اور آخر میں کاف ہے۔ یہ ایک شہر ہے جس کے درمیان اور مدینہ منورہ کے درمیان تین منزل کا فاصلہ ہے۔ ترجمہ ختم۔

سنہ ۷ ہجری میں جب خیبر فتح ہو گیا تو یہود فدک نے مرعوب ہو کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت قبول کر لی۔ اور پیداوار میں سے اہل خیبر کی طرح حصہ دینا منظور کر لیا۔ اراضی فدک کی آمدنی میں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے گھر کے اخراجات اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے گھر کے اخراجات الگ کر لیتے تھے۔ باقی ماندہ کو مساکین مدینہ اور یتامیٰ پر خرچ کرتے تھے۔ اسی فدک کی آمدنی میں سے جہاد فی سبیل اللہ اور آنے جانے والے مسافروں پر خرچ کیا کرتے تھے۔ نیز بنو ہاشم کے نکاحوں پر بھی اسی فدک کی آمدنی میں سے خرچ کرتے تھے۔ الغرض فدک کا علاقہ خاص آنحضور کی ملک میں تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس میں مالکانہ تصرف فرمایا کرتے تھے۔ پھر جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس جہان سے روانہ ہونے لگے تو خدا کی راہ میں وقف کر گئے۔

فرمایا نحن معاشر الانبیاء لا نورث ماترکناہ فھو صدقۃ: ترجمہ:- ہم پیغمبروں کی جماعت ہیں، کسی کو اپنا وارث بنا کے نہیں جاتے۔ جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ خدا کی راہ میں وقف ہوجاتا ہے۔ ترجمہ ختم۔

مراد دنیاوی میراث ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں واضح کیا جاوے گا۔

لطیفہ

اصول کافی میں ایک حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فدک کسی ملک کا نام ہے جو ہزاروں مربع میل رقبہ پر مشتمل ہے۔ ملاحظہ ہو صافی شرح اصول کافی کتاب الحجۃ جزو سوم حصہ دوم ص ۳۶،

فقال له المھدی یا ابا الحسن حدھا لی فقال حد منھا جبل احد وحد منھا عریش مصر وحد منھا سیف البحر وحد منھا دومۃ الجندل: ترجمہ:- مہدی عباسی نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ فدک کی حدود بیان فرمادیں۔ تو آپ نے فرمایا ایک حد اس کی احد پہاڑ ہے۔ دوسری حد اس کی عریش مصر ہے۔ تیسری حد اس کی سمندر کا کنارہ ہے۔ اور چوتھی حد اس کی دومۃ الجندل ہے۔ ترجمہ ختم۔

ناظرین کرام! قاضی نور اللہ شوستری نے تعیین حدود فدک میں اس حدیث کو اپنی کتاب مجالس المومنین میں ترجیح دی ہے۔ فرمایا کہ صاحب البیت ابصر بما فیہ۔ یعنی گھر کے مالک خوب جانتے ہیں۔ کہ اس میں کیا کیا رکھا ہے۔

راقم الحروف کے نزدیک یہ روایت موضوع ہے۔ مفتریات شیعہ میں سے ہے۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شان اس قسم کی روایتوں سے دور ہے۔ آپ اس قسم کی خلاف واقع بات کیسے ارشاد فرما سکتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فدک ایک شہر کا نام ہے نہ کسی ملک کا نام ہے اور نہ ہی کسی خاص باغیچہ کا نام ہے۔ اور جس طرح بڑے شہروں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے گاؤں متعلق ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس کے ساتھ بھی کچھ گاؤں ملحق ہوں تو کچھ بعید نہیں ہے۔

راقم الحروف کا ارادہ تھا کہ فدک کے محل وقوع پر تاریخ اور جغرافیہ کے معلومات جمع کئے جائیں۔ مگر تنگیٔ وقت کی وجہ سے سردست اختصار سے کام لینا پڑا۔ اگر زندگی باقی رہی تو دوسرے ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کر دیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز

دوسری عرض یہ ہے کہ اس رسالہ میں جو حوالہ بھی لکھا ہے۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر لکھا ہے۔ اس لئے ناظرین کرام نقل در نقل کا تصور ہرگز نہ کریں۔

تیسری عرض یہ ہے کہ شیعہ علماء میں سے جو صاحب اس رسالہ کی تردید لکھنا چاہیں وہ رسالہ کی عبارت پوری پوری نقل کر کے تردید کریں۔ قطع و برید سے کام نہ لیں۔ جس طرح پر کہ راقم الحروف نے فلک النجات کی عبارتیں پوری پوری نقل کی ہیں۔ اور پھر جواب لکھنے کی کوشش کی ہے۔

ع

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر !
میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہوسکا

محررہ :-

احمد شاہ بخاری عفا اللہ عنہ،
بتاریخ ہشتم اگست ۱۹۵۵ء بروز دوشنبہ
متوطن چوکیرہ
ضلع سرگودھا

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

اقبالؒ

ع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع چہارم

خداوند تبارک و تعالیٰ کا ہزار در ہزار شکر ہے کہ اس نے مجھے بصورت تصنیف خدمت اسلام کی توفیق ارزانی فرمائی۔ اور میں اپنے آپ کو بڑا ہی خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی آل پر اور صحابہؓ پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات کا انکشاف میرے حصے میں آیا۔ بلکہ مجھے فخر ہے کہ صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظام کی طرف سے مدافعت کرنے والے گروہ کی جوتیوں میں بیٹھنے کے قابل ہوگیا ہوں۔

الحمد للہ کہ زمین فدک کے قضیہ کو آڑ بنا کر شیعہ و رافضہ نے دامن صدیقؓ اور چادر زہراؓ اور عمامہ مرتضٰیؓ پر جو شبہات کے چھینٹے ڈالے تھے اور ان پاکیزہ ہستیوں کے پاکیزہ لباس کو داغ دار بنانے کی سعی کی تھی۔ "تحقیق فدک" کا مطالعہ کرنے والوں پر اس کی حقیقت منکشف ہوگئی اور جیسا کہ مذکورۃ الصدر تینوں ہستیوں کی سیرت مقدسہ بے داغ اور بے غبار ہو کر جلوہ گر ہونے لگی۔ ٹھیک اسی طرح چاند اور سورج کی روشنی کے منکر بھی اپنے اصلی روپ میں نمودار ہوگئے

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

بحمد اللہ تعالیٰ یہ ناچیز تصنیف نامی "تحقیق فدک" اپنی توقعات سے بڑھ

ہے اس رسالہ کے کسی مضمون پر کسی اہل علم بزرگ کو گرفت کی نوبت نہیں آئی۔ مگر ایک مضمون پر ناپسندی کا اظہار کیا گیا ہے۔ چنانچہ طبع دوم میں سے اس مضمون کو کاٹ دیا گیا ہے۔ میری مراد وہ مضمون ہے جو بخاری شریف کی حدیث کے جوابات کے سلسلہ کی تیسری کڑی ہے جو "تحقیق فدک" طبع اول کے صا۱۱ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ میں نے اس جواب سوم میں ابن شہاب زہری کے شیعہ ہونے کا اظہار کیا تھا اور کتب معتبرہ شیعہ کے حوالہ جات سے اس جواب کو مزین کیا تھا میرا مقصد اس سے محض الزام دینا تھا۔ اگر میرے نزدیک یہ جواب تحقیقی ہوتا تو میرا فرض تھا کہ اہل سنت کی مستند کتابوں سے اس چیز کو ثابت کرتا۔ مگر تحقیق فدک کا مطالعہ کرنے والے گواہ ہیں کہ میں نے اس جواب میں کسی سنی کتاب کا حوالہ پیش نہیں کیا۔ حق کے طالب کے لئے جواب سوم کے الزامی ہونے کے واسطے صرف یہی دلیل کافی ہے۔ جن دنوں میری کتاب "تحقیق فدک" زیور طباعت سے آراستہ ہو کر جلوہ گر ہوئی۔ بلا توقف صدیقوں کے دشمنوں بلکہ صداقت کے مخالفوں نے اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا۔ یہاں تک کہ اہل سنت والجماعت کے مسلم اور برگزیدہ علمائے کرام سے ابن شہاب زہری کے سنی ہونے کے فتوے حاصل کئے۔ اور اپنے اخبارات میں جلی سرخیوں کے ساتھ اور نمایاں عنوانات میں درج کئے۔ چنانچہ راقم الحروف نے ہفت روزہ "دعوت" لاہور میں اور پندرہ روزہ "الفاروق" چوکیرہ سرگودھا میں نام بردہ جواب سوم کے الزامی ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور ساتھ ہی دریافت کیا کہ آیا شیعہ کی کتابوں میں الزامی جوابات کا وجود ہے یا کوئی نہیں؟ پھر اس کے بعد میں نے کتب شیعہ سے الزامی جوابات کی نشاندہی بھی کر دی۔ آج سات برس ہونے

کسی نے ان کی زبان یا زبان قلم پر قبضہ کر رکھا ہے۔ ہاں گاہے گاہے از راہ شرارت اور دھوکا بازی اس چیز کو دہرا دیتے ہیں جس کے جواب باصواب نے انہیں مبتلائے عذاب کر دیا ہوا ہے۔ ماسٹر منظور حسین صاحب اجنالوی نے بھی اپنی برائے نام توثیق فدک" بہ جواب "تحقیق فدک" میں ابن شہاب زہری کے تشیع کی تردید پر بہت زور مارا ہے۔ اور ان کا سنی ہونا کتب رجال اہلسنت کی اور فتاوی علمائے اہل سنت سے ثابت کیا ہے۔ میں نے اعلان کر دیا تھا کہ شیعہ مبلغین کو ابن شہاب زہری کے سنی ثابت کرنے کے لئے دور جانے کی کوئی ضرورت نہیں وہ مجھ سے استفتا کریں۔ تو میں اپنی قلم سے ان کا سنی ہونا لکھ دوں گا۔ مگر شیعہ مبلغین کا مقصد اظہار حق نہ تھا۔ وہ تو صرف یہی چاہتے تھے کہ کسی طرح "تحقیق فدک" کے اثر اور رسوخ اور اس کے قبول عام کو روکنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اس لئے انہوں نے ہر ناجائز حربہ کو استعمال کرنے میں کوئی شرمندگی محسوس نہ کی اور باوجود اس کے کہ ان کا ضمیر انہیں ملامت کرتا رہا پوری ڈھٹائی سے میرے خلاف پروپیگنڈہ کرتے رہے جب کہ میں نے اس جواب کو الزامی قرار دیا تھا۔ تو فن مناظرہ کے اصول کے ماتحت شیعہ مبلغین کا فرض تھا کہ اپنی کتب معتبرہ سے ابن شہاب زہری کے تشیع کی تردید کرتے۔ یہ چیز تو ان کے بس کا روگ نہ تھی۔ اس واسطے اہل سنت کی کتابوں سے "ابن شہاب زہری" کے سنی ہونے کو ثابت کرنے لگ گئے۔

خدا کے بندو! جب تمہاری کتب سے نام بردہ بزرگ کا تشیع ثابت کیا گیا ہے تو تم اپنی معتبر کتابوں سے جواب پیش کرو۔ اس موقعہ پر تو تمہیں اہلسنت کی کتابوں کا نام لینا بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ الزام تمہاری کتابوں

کی حقیقت سے واقف نہیں وہ ابن شہاب زہری کو شیعہ خیال کرے گا اس واسطے میں نے اب کے طبع دوم میں سے جواب سوم نام بردہ کی بجائے اور جواب درج کر دیا ہے۔

طریق مطالعہ:

جو ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں اب کے پہنچ رہا ہے اس میں "تحقیق فدک" کے ساتھ ایک ضمیمہ شامل کر دیا گیا ہے۔ میں نے اختصار کے لئے بڑی جدوجہد کی، مگر پھر بھی یہ ضمیمہ قدرے طویل ہو ہی گیا۔ عبارت میں کوئی طول نہیں، مضامین ہی نہایت ضروری تھے۔ اس ضمیمہ کے مضامین میں کوئی مضمون بھی حذف داسقاط کے قابل نظر نہ آیا۔ پس کتاب ہذا کا مطالعہ کرنیوالے حضرات کا فرض ہے کہ وہ "تحقیق فدک" کے اس صفحہ کو دیکھ لیں جس سے ضمیمہ کا تعلق ہو۔ ہر ایک ضمیمہ کے آغاز میں صفحات متعلقہ کا نمبر دے دیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی ماسٹر منظور حسین صاحب اجنالوی کے اعتراضات کو ان کی عبارت میں درج کر دیا ہے تاکہ پڑھنے والے احباب کو ان کی کتاب کا مطالعہ ضروری نہ رہے۔ البتہ جو عزیز طبیعت میں خلش محسوس کریں وہ ضرور جناب ماسٹر صاحب کی کتاب کو بھی سامنے رکھ لیں۔

پہلے خیال تھا کہ تحقیق فدک کو دو حصوں میں شائع کروں گا۔ مگر اب تجربہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ مسلمانوں میں علم اور تحقیقات علمی کا اشتیاق کم ہوتا جا رہا ہے اور ناولیات اور غزلیات پر لٹو ہو رہے ہیں۔ اس لئے میں نے اپنے پروگرام میں اختصار مناسب جانا اور بجائے دوسری جلد کے مختصر سا ضمیمہ تحقیق فدک
[illegible]

اس اختصار کا موجب وہ تصنیف بھی ہے جو زیر ترتیب ہے اور جس میں شیعہ و سُنی تنازعات کے موٹے موٹے عنوانات پر تحقیقی بحث مقصود ہے۔ میرے تدریس کے مشاغل بھی مجوزہ تصنیف کی تیاری اور اشاعت میں رکاوٹ ثابت ہو رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ خداوند تبارک و تعالیٰ کوئی ایسی صورت پیدا کر دیں جو تدریس کے مشاغل میں تخفیف کا سبب بن جائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

مخالف کا اقرار:

ہر وہ شہادت جو مخالف حضرات ایک دوسرے کے حق میں ادا کریں۔ اس کی صداقت اقوام عالم کے مسلمات میں سے ہے اور جو گواہی ضرر رسانی اور نقصان دہی کا نتیجہ ساتھ لے آئے وہ بے اثر اور غیر معتبر ہوتی ہے۔ ماسٹر منظور حسین صاحب نے اپنی کتاب "توثیق فدک" میں سینکڑوں مقامات پر راقم الحروف کو جاہل اور بے علم اور نادان لکھا ہے۔ جیسا کہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱ سطر ۱۱ پر اس گنہگار کو "اَن پڑھ مُلّاں" لکھ کر اپنے دل کو مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے مگر تعجب ہے کہ صفحہ ۱۱ پر اس ہیچمدان کے حق میں مندرجہ ذیل فقرے کس طرح لکھ دئے گئے۔

"کسی قدر ہم کو بھی اعتراف ہے کہ کتاب واقعی ایک نئے ڈھنگ سے تحریر کی گئی ہے جو صرف اپنے مصنف کی جلالت علمی کی ہی مظہر ہے اور بس"

"تحقیق فدک" اور اس کے مؤلف کے خلاف لکھنے والے کی زبان قلم سے مندرجہ بالا فقرہ ایک ایسی تقریظ ہے جو اپنے بزرگوں کی تقریظات سے بے نیاز کر دینے والی ہے۔ میں حیران ہوں کہ جو شخص اپنی کتاب کی سطر سطر پر مجھے جاہل اور نادان
[illegible]

سے یہ اقرار کرایا ہے؟ بڑے غور و فکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وُہ وہی ہے جس نے شیعی مترجمین اور رافضی مفسرین کی قلم سے سورۂ توبہ کی آیت غار کے ماتحت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ کو ثَانِيَ اثْنَيْنِ کے مصداق میں لکھوادیا ہے۔

فدک میں شیعی منطق :

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غاصب فدک قرار دینے والے جب غصب فدک کی وجہ بیان کرنے لگتے ہیں تو ان کی حالت عجیب بلکہ تعجب خیز ہوتی ہے۔ نہ تو آپ نے اراضی فدک سے خود نفع اٹھایا اور نہ ہی اپنی اولاد کے حوالہ کیا۔ یہ بات شیعہ متکلمین کے یہاں بھی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ اس لئے اس گناہ عظیم کی علت کا دریافت کرنا ایک ایسا مرحلہ ہے جس نے اہل قلم حضرات کو سخت مصیبت میں ڈال دیا ہے ——— توثیق فدک بجواب "تحقیق فدک" میں جس منطق کو ہزار بار دہرایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ بنو ہاشم کی سیاسی پوزیشن کو کمزور کرنے کے لئے غصب فدک عمل میں آیا تھا۔ اگر فدک حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہتا تو مدینہ منورہ کے مساکین اور بیتامیٰ حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ کے دست نگر ہوتے اور ہر کام میں ان کے معاون مددگار ہوتے، فدک کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے مہاجرین اور انصار مدینہ نے ادھر سے منہ پھیر لیا اور سب کے سب ان کے یار و مددگار ہو گئے۔ جن کے قبضہ میں فدک کی آمدنی تھی اس منطق کا خلاصہ یہ ہو گا کہ تمام مہاجرین اور انصار مدینہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت اس لئے کی تھی کہ زمین فدک آپ کے قبضے میں تھی۔ اور سب دیکھ رہے تھے کہ بیعت کریں تو ...

اور کھجوروں سے لطف اندوز ہو جائیں گے۔ اس انوکھی منطق کے مصنف صاحبان کو اتنی بھی خبر نہیں ہوئی۔ کہ صدیقی بیعت کے وقت فدک کس کے قبضہ میں تھا؟ شیعہ و سنی اہل علم اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ زمین فدک سے متعلق جو سوال اٹھایا گیا تھا وہ خلافت صدیق اکبرؓ کے یوم انعقاد سے دسویں روز تھا۔ جیسا کہ شیعہ کی مشہور کتاب حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد دوم، جزو یازدہم کے صفحہ ۲۰۵ پر بصراحت موجود ہے جبکہ حسب مزعومات شیعہ بوقت وفات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین فدک حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبضہ میں تھی۔ صدیق اکبر حضرت ابوبکرؓ کے قبضہ میں نہ تھی۔ تو مہاجرین و انصار نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کیوں کر کی؟ اگر فدک سے سیاسی پوزیشن بنتی تھی تو لازم تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی جاتی۔ معلوم ہوا کہ زمین فدک کے ساتھ کوئی سیاسی معاملہ وابستہ نہ تھا۔ شیعہ متکلمین کی خام خیالی اور پریشان دماغی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔

زاہد ترین انسان :

شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ وہ آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم اور فتاویٰ کو کامل حجت مانتے ہیں۔ اس لئے ہم یہاں حضرت صدیق اکبر سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے متعلق امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ فتویٰ پیش کرتے ہیں جو شیعہ مجتہد محمد بن یعقوب کلینی نے اپنی فروع کافی میں سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر، حضرت ابوذر اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا مَنْ اَزْهَدُ مِنْ هٰؤُلَاءِ۔ یعنی ان تینوں سے زیادہ زاہد اور تارک دنیا کوئی نہیں ہے۔ (دیکھو ...

ناظرین کرام! امام جعفر صادق کے ارشاد میں غور کریں کیا مطاعن فدک کے لئے آپ نے کوئی گنجائش باقی رکھی ہے؟ ہرگز نہیں۔ زاہد ترین مردم یا زاہد ترین امت محمدیہ کون ہے؟ ائمہ اہل بیت سے پوچھو اگر ان بزرگوں پر ایمان ہے۔ اب ایک طرف شیعہ متکلمین کے بیانات رکھیے جو حضرت ابوبکر صدیق کو دنیادار اور فریب کار ثابت کر رہے ہیں، اور دوسری طرف امام جعفر صادق کا مذکورہ ارشاد رکھیے جو آپ کو زاہد ترین مردم اور تارک دنیا اور ورع ثابت کر رہا ہے۔ اور پھر انصاف سے کہیے کہ کون سا پلڑا بھاری ہے۔ اور حقانیت کون سے پلڑے میں ہے۔

شکست کا احساس؛

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گرامی شیعہ نظریات کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ اسی واسطے فروع کافی، مطبوعہ تہران میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی موجود نہیں ہے۔ یہ سہو کاتب نہیں بن سکتا بلکہ ایران کے مجتہدین کی دیدہ و دانستہ کارروائی ہے۔ ایرانی مجتہدین کی اس کارروائی کا علم ہمیں اس وقت ہوا جب لکھنؤ کی مطبوعہ "فروع کافی" سے حدیث کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ کیونکہ اس نسخہ میں سیدنا حضرت صدیق اکبر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی و اسم گرامی درج ہے۔ جو صاحب اشتیاق اس چیز کا تماشہ کرنا چاہے وہ دونوں نسخے سامنے رکھ کر یہ عجیب تماشا دیکھ سکتا ہے۔

چکیرہ ضلع سرگودھا،
جمعرات ۶ دسمبر ۱۹۶۲ء

احمد شاہ بخاری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد للہ رب العلمین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین وعلیٰ آلہ واصحابہ الطیبین الطاہرین۔ برادران اسلام کی خدمت میں بندہ پر تقصیر احمد شاہ خادم مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ چوکیرہ ضلع سرگودھا مغربی پاکستان ایک مقالہ پیش کرتا ہے۔ جس میں مسئلہ فدک کے بارے اپنے معلومات کو جمع کیا ہے۔ اور اہل اسلام کے اندر جو ایک پرانا تنازعہ ہے اس کے صاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ خداوندا میری اس خدمت کو قبول فرما اور اہل اسلام کے لئے نہایت مفید بنا، اور مجھے تعصب اور بے راہ روی سے بچا۔ آمین یارب العالمین، آمین یارب العالمین، آمین یارب العالمین۔

باب اوّل

میراث انبیاء کے بیان میں

جس طرح حضور پرنور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے چار سے زائد نکاح درست تھے اور یہ آنحضور کی خصوصیت تھی، اسی طرح آنحضور نے اس جہان فانی سے روانگی پر اپنے وارثوں کے لئے علم شریعت اور اسرار شریعت میراث میں چھوڑا، دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز آنحضور نے میراث میں نہیں چھوڑی، عقلی اور نقلی دلائل ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

پہلی دلیل

اصول کافی باب العالم والمتعلم ص۳۲ (اصول کافی جلد ۱ ص۶۵ طبع جدید تہران)
عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان العلماء ورثۃ الانبیاء ان الانبیاء لم یورثوا دینارا و لا درہما ولکن اورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافر۔

ترجمہ:۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے آپ نے فرمایا، کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علمائے دین اسلام پیغمبروں کے وارث ہوتے ہیں، اس لئے کہ خدا کے پیغمبر کسی شخص کو سونے چاندی کا وارث نہیں بناتے۔ لیکن وہ علم دین کا وارث بناتے ہیں۔ پس جس نے علم دین حاصل کیا وہ بڑا نیک بخت ہے، اس نے بہت کچھ حاصل کیا۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! یہ حدیث میراث انبیاء پر نص صریح ہے کہ انبیاء کی میراث دین ہے، دنیا نہیں ہے۔ اس حدیث شریف کو سرسری دیکھنے سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے، سوال مع جواب ملاحظہ ہو۔

سوال

اس حدیث شریف میں سونے چاندی کی میراث کی نفی تو موجود ہے زمین اور مکان کی نفی موجود نہیں ہے۔ پس یہ دلیل پورے دعوے کو ثابت نہیں کرتی بلکہ آدھے دعوے کو ثابت کرتی ہے۔ مناظرہ کی اصطلاح میں تقریب تام نہیں ہے

جواب

متکلم کے مقصود کو دریافت کرنا ہر عقلمند کے لئے ضروری ہے۔ اس حدیث شریف میں اگرچہ سونے چاندی کا مذکور ہے۔ مگر مقصود متکلم ہر دنیاوی چیز کی میراث کی نفی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ لفظ ولکن کے بعد علم دین کا مذکور ہے اور یہ مسلم ہے کہ لفظ لکن استدراک کے واسطے بنایا گیا ہے۔ استدراک وہم کے دفیعہ کو کہتے ہیں۔ تو یہاں سامع کے دل میں وہم یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب درہم و دینار کی میراث کی نفی ہو گئی تو سرے سے میراث ہی نہ رہا۔ یا کہ میراث کی کوئی قسم باقی رہ گئی؟ اس وہم کو متکلم نے دفع کر دیا کہ علم شریعت کی میراث باقی ہے۔ اس کے علاوہ سب قسم کے میراث ختم ہو گئے ہیں۔ اگر مقصود متکلم صرف سونے چاندی کی میراث کی نفی ہوتی۔ اور زمین اور مکانات کی میراث کو باقی رکھنا ہوتا تو یوں ارشاد ہوتا ولکن اورثوا العلم والدار والعقار۔ لفظ لکن کے بعد علم شریعت کو ذکر کرنا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ پیغمبروں کی میراث صرف علم شریعت ہے۔ کوئی دنیاوی چیز ان بزرگوں کی میراث میں نہیں ہوتی۔ چاہے منقولات میں سے ہو اور چاہے غیر منقولات میں سے ہو، اور سونے چاندی کا ذکر حصر کے لئے نہیں

دوسری دلیل

اصول کافی باب صفۃ العلم وفضلہ (اصول کافی جلد ۱ ص۴۲ طبع تہران جدید مع ترجمہ فارسی طبع رابع) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذالک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما اورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشیء منھا فقد اخذ حظا وافرا۔

ترجمہ :- حضرت امام عالی مقام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا، علمائے دین اسلام پیغمبروں کے وارث ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ پیغمبروں نے کسی کو سونے اور چاندی کا وارث نہیں بنایا۔ اور انہوں نے تو صرف شریعت کی باتوں کا وارث بنایا، پس جس کسی نے ان بزرگوں کی حدیثوں میں سے کچھ بھی حاصل کر لیا اس نے بڑا بھاری نصیبہ حاصل کیا۔ ترجمہ ختم،

ناظرین کرام :- گزشتہ سوال یہاں بھی پیدا ہوتا ہے جواب کے لئے اس حدیث شریف میں لفظ انما موجود ہے۔ کلام عرب کے اندر یہ لفظ حصر کے لئے بنایا گیا ہے۔ حصر کے معنے ہیں بندش کے ہے۔ پس اس حدیث شریف میں پیغمبروں کی میراث کو صرف ان کی حدیثوں میں بند کر دیا گیا ہے تو جس طرح ان بزرگوں کی میراث میں سونے چاندی کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اسی طرح زمین اور مکانات کے لئے بھی میراث انبیاء میں کوئی مقام نہیں ہے، درہم و دینار کا ذکر محض نمونہ کے لئے ہے۔ دنیاوی چیزوں میں سے بطور نمونہ چاندی سونے کا ذکر کر دیا۔ کوئی آدمی وہم نہ کرے کہ سونے چاندی کی میراث تو نہیں ہے۔ اور زمین جائداد کی میراث باقی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس حدیث شریف سے اہل سنت کا استدلال نہایت ہی مضبوط ہے۔ علمائے شیعہ نے اس استدلال کو کمزور کرنے اور توڑنے کی بہت کوشش کی ہے۔ مگر منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکے چنانچہ صاحب فلک النجات نے اپنی کتاب فلک النجات جلد اول صفحہ ۲۹۶ طبع اول پر لکھا ہے، کہ یہ حدیث ابو البختری کی روایت سے ہے۔ اور وہ سارے جہاں سے زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے۔ مراد آپ کی یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ جیسا کہ صفحہ ۲۹۷ پر مترجم نے واضح کر دیا ہے

جواب الجواب

صاحب فلک النجات نے کتاب حدیث اصول کافی کی پوزیشن کو نہیں پہچانا۔ اس لئے ضروری ہوگیا کہ کتاب اصول کافی کی پوزیشن کو واضح کر دیا جائے اور محققین علمائے شیعہ کے نظریات کتاب اصول کافی کے بارے یہاں درج کر دئیے جائیں، تاکہ ناظرین کرام کو معلوم ہو جائے کہ اصول کافی کی حدیث کو موضوع لکھنے والا شیعہ کے ہاں کس قدر فریب خوردہ ہے،

برادران اسلام! شیعہ کتب احادیث میں اصول کافی کو جو درجہ حاصل ہے وہ کسی دوسری کتاب حدیث کو حاصل نہیں ہوا۔ حضرت شہید اول فرماتے ہیں۔

کتاب الکافی فی الحدیث الذی لم یعمل مثلہ فی الامامیۃ،

ترجمہ :- علم حدیث میں کتاب کافی وہ کتاب ہے کہ فرقہ امامیہ میں اس کی مثل کوئی کتاب نہیں ہے وقال الشیخ علی سبط الشہید الثانی فی کتابہ الدر المنظوم فلعمری لم ینسج ناسج علی منوالہ ومنہ یعلم قدر منزلتہ وجلالۃ حالہ۔

ترجمہ :- شہید ثانی کے پوتے شیخ علی اپنی کتاب در منظوم میں لکھتے ہیں مجھے میری زندگی کی قسم کسی کاریگر نے اس طرز پر کپڑا نہیں بنایا، یعنی کسی محدث نے اس طرح کی کتاب حدیث نہیں لکھی۔ اور اس کتاب سے مصنف کی منزلت کی مقدار اور شان کی بلندی معلوم ہوتی ہے۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام :- جس کتاب حدیث میں موضوعات بھری پڑی ہوں اس

کی اس طرح مدح ہو سکتی ہے جس طرح کہ شیخ علی اور شہید اول کر رہے ہیں ؟ معلوم ہوا کہ ان محققین کے ذہن اس چیز سے خالی تھے، جو صاحب فلک النجات کے ذہن میں پیدا ہوئی ہے۔

نیز کتاب روضۃ المتقین شرح الفقیہ کے مصنف نے اصول کافی میں محاکمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سب مصنفین میں سے مولوی ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی پر زیادہ اعتماد ہے۔ اس لئے کہ مولوی کلینی نے اپنی کتاب کافی بیس برس میں تیار کی ہے، ظاہر ہے کہ اتنی لمبی مدت زیادہ احتیاط کی وجہ سے صرف ہوئی ہے۔ جس قدر احتیاط مولوی کلینی سے صادر ہوئی ہے۔ صدوق اور شیخ طوسی سے نہیں ہوئی۔ ان کتابوں میں سہو پایا گیا ہے۔ مگر مولوی کلینی کی کتاب کافی میں سہو نہیں پایا گیا، مصنف روضۃ المتقین کی تقریر ختم ہوئی۔

ناظرین کرام! صاحب روضۃ المتقین تو فرماتے ہیں کہ کتاب اصول کافی میں کوئی سہو بھی نہیں ہے۔ اور ہمارے مہربان صاحب فلک النجات ہیں کہ لکھتے ہیں یہ حدیث موضوع ہے۔ اگر حدیث میراث کو حدیث موضوع خیال کیا جائے تو لازم ہے کہ مولوی کلینی نے اپنی کتاب میں یہ حدیث سہواً درج کی ہو یا متعمداً جان بوجھ کر۔ دوسری شق کو تو کوئی شیعہ عقلمند قبول نہ کرے گا کیونکہ شیعہ مذہب کی مدار اسی کتاب پر ہے۔ پس ضرور پہلی شق قبول کرنا پڑے گی۔ اس صورت میں کافی میں سہو پایا گیا۔ حالانکہ صاحب روضہ فرماتے ہیں کہ کتاب کافی سہو سے منزہ ہے۔

نیز کتاب من لایحضرہ الفقیہ کی فارسی شرح کے مقدمہ میں گیارہویں فائدے کے ضمن میں ہے۔ وہم چنیں احادیث مرسلہ محمد بن یعقوب کلینی و محمد بن بابویہ قمی بلکہ جمیع احادیث الشاں کہ در کافی و من لایحضرہ ... [illegible]

زیرا کہ شہادت ایں دو شیخ بزرگوار کمتر از شہادات اصحاب رجال نیست یقیناً بلکہ بہتر است۔

ترجمہ :- اسی طرح مولوی کلینی اور ابن بابویہ قمی کی مرسل حدیثیں بلکہ ساری حدیثیں جو کہ کتاب کافی اور من لایحضر میں ہیں۔ سب کو صحیح کہنا چاہیئے۔ اس لئے کہ ان دو بزرگوں کی گواہی علمائے رجال کی گواہی سے کم نہیں، بلکہ بہتر ہے۔ ترجمہ ختم،

ناظرین کرام! شارح محقق کے بیان سے واضح ہو گیا کہ مولوی محمد بن یعقوب کلینی کا کسی حدیث کو اپنی کتاب میں درج کر دینا اس حدیث کے صحیح ہونے کی شہادت ہے۔ اگر علمائے رجال کوئی اعتراض کریں تو ان کی جرح پر مولوی کلینی کی تصدیق مقدم ہوگی۔ کیونکہ علمائے رجال میں سے کوئی بھی فاضل کلینی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔

ناظرین کرام! محققین علمائے شیعہ کے یہ چاروں قول میں نے عین الغزال فی فہرس اسماء الرجال ص۲ سے نقل کئے ہیں۔ یہ چاروں قول صاحب فلک النجات کی تردید کے لئے کافی ہیں۔ دین اسلام کے اندر چار گواہوں سے زیادہ گواہی کا کوئی نصاب نہیں ہے۔ گواہی کا آخری نصاب چار گواہ ہیں۔ اس لئے میں نے حدیث میراث کے صحیح ہونے پر چار گواہ پیش کر دئے ہیں۔ اب صاحب فلک النجات کا اس حدیث شریف کو موضوع کہنا غلط ہو گیا شیعہ اصول کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح ہے۔

اب حدیث میراث کی صحت ایک اور طریقے سے بیان کرتا ہوں سنیئے، سنیئے۔ مولوی محمد بن یعقوب کلینی نے وہ زمانہ پایا ہے جس کو شیعہ لوگ غیبت صغریٰ کا زمانہ کہتے ہیں۔ غیبت صغریٰ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے غائب ... [illegible]

مطابق کچھ ایسے لوگ تھے جو کہ حضرت امام غائب سے ملاقات کر لیتے تھے، اور امام غائب شیعوں کو ہدایت بھیجتے تھے۔ توقیعات شریفہ انہی مکتوبات کو کہا جاتا ہے۔ جو حضرت امام غائب علیہ السلام نے بعض شیعوں کے نام بھیجے ہیں۔ مولوی محمد بن یعقوب کلینی نے کتاب کافی اسی غیبت صغریٰ کے زمانہ میں تصنیف کی ہے۔ اگر اس کتاب میں وہ حدیثیں تھیں جو جھوٹے لوگوں کی گھڑی ہوئی ہیں۔ تو حضرت امام مہدی علیہ السلام ضرور ایک توقیع بھیج کر مولوی کلینی کو متنبہ فرما دیتے کہ مولوی صاحب اس کتاب میں سے فلاں حدیث نکال کر باہر کرو۔ کہ وہ حدیث موضوع ہے کیا مال لینے کے لئے توقیع جاری ہو سکتی ہے۔ اور کتاب کافی میں سے ایک حدیث موضوع باہر نکال دینے کے لئے توقیع برآمد نہیں ہو سکتی؟

حدیث میراث نبی کریم تو ضرور نکال دینے کے قابل تھی کیونکہ اس حدیث نے شیعہ مذہب کی بنیاد کو متزلزل کر دیا ہے، اس کے اخراج کے لئے توقیع شریف کا صادر نہ ہونا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ کہ یہ حدیث صحیح ہے موضوع نہیں ہے اور صاحب فلک النجات کا اس حدیث کو موضوع کہنا غلط ہے۔ اب میں فوراً ترقی کر کے ناظرین کرام کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ کتاب حضرت امام مہدی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں پیش ہو چکی ہے۔ آپ نے اس کتاب کو اوّل سے آخر تک دیکھا ہے۔ پھر اس کتاب کے بارے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے۔ آپ کے ملفوظ شریف یہ ہیں **هذا كافٍ لشيعتنا**۔[1]

یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب شیعہ روایات کے رو سے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی تصدیق شدہ ہے۔ ۔ ۔ میرے سامنے کافی کا وہ نسخہ ہے جو تہران سے طبع ہو کر آیا ہے۔ سب سے پہلے ورق کی داہنی جانب ترجمۃ المصنف لکھا ہوا ہے۔ جس میں یہ الفاظ موجود ہیں **الذي سماه حجة العصر صلوة**

[1] "اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۱۵ طبع تہران ، ترجمۃ المصنف۔"

الله عليه وسلامه بالكافي۔

ترجمہ:۔ یہ وہ کتاب ہے جس کو امام مہدی علیہ السلام نے کافی کے نام سے موسوم فرمایا۔ ترجمہ ختم۔

ناممکن ہے کہ یہ کتاب آپ کی نظر سے نہ گزری ہو۔ اور آپ نے بغیر دیکھے اس کا نام کافی رکھ دیا ہو۔ شیعہ روایات کے رو سے ضرور یہ کتاب آپ کی نظر کیمیا اثر سے گزری ہے۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ اس موضوع حدیث کو قلمزد نہ فرما دیں۔ بلکہ کافی کا عالی شان لقب دے کر تصویب اور تصحیح فرما دیں، اب واضح ہو گیا کہ صاحب فلک النجات کا فتوےٰ اس حدیث کے موضوع ہونے پر حضرت امام عالی مقام مہدی علیہ السلام کے فتوےٰ کو رد کرتا ہے ناظرین کرام ہی بتائیں کہ ہم اس حدیث کے بارے صاحب فلک النجات کی باتیں مانیں، یا امام مہدی علیہ السلام کی تحقیق کو تسلیم کریں۔ میرے نزدیک صاحب موصوف کی اس غلطی کی وجہ صرف آپ کا نوشیعہ ہونا ہے۔ اگر آپ اصلی شیعہ ہوتے تو حضرت امام علیہ السلام کے فتوےٰ کو ہرگز رد نہ کرتے، یا پھر آپ نے کتب شیعہ کا مطالعہ نہیں کیا۔ بہر حال آپ کا یہ فتوےٰ کہ یہ حدیث موضوع ہے ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ ملا خلیل قزوینی شارح اصول کافی اپنی کتاب صافی شرح اصول کافی کے صفحہ ۲ پر رقمطراز ہیں۔

الحق کتاب کافی کتاب عمدہ کتب احادیث اہل بیت علیہم السلام است ومصنف آں ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق رازی کلینی کہ مخالفاں نیز اعتراف بکمال فضیلت او نمودہ اند، از روئے احتیاط تمام آنرا در بست سال تصنیف کردہ در زمان غیبت صغریٰ حضرت صاحب الزمان علیہ وعلیٰ آلہ صلوٰت الرحمٰن کہ شمعہت و نہ سا ا . بودہ و درا ا زمان مومناں عرض مطلب مے کردند بتوسط

سفرائے یعنی خبر آورد گان از آنحضرت و ایشاں چہار کس بودہ اند، و بترغیب ایشاں وکلائے بسیار بودہ اند کہ اموال از شیعہ امامیہ مے گرفتند و مے رسانیدند و محمد بن یعقوب در بغداد نزدیک سفرا بودہ و در سال فوت آخر سفرا ابوالحسن علی بن محمد السمری کہ سال سہ صد و بست و نہ ہجری (۳۲۹) باشد فوت شدہ یا یک سال قبل از اں پس مے تواند بود کہ ایں کتاب مبارک بنظر اصلاح آں حجت خدائے تعالیٰ رسیدہ باشد۔

ترجمہ: حق بات یہ ہے کہ کتاب کافی احادیث اہل بیت کرام علیہم السلام کی ساری کتابوں میں سے عمدہ کتاب ہے اور اس کا مصنف ابوجعفر محمد بن یعقوب رازی کلینی ایسا عالم ہے کہ اس کی علمی فضیلت کا اقرار مخالفوں نے بھی کیا ہے۔ مصنف کی کامل احتیاط کا یہ نشان ہے کہ اس کتاب کو بیس (۲۰) سال میں تیار کیا ہے۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت صغریٰ کے زمانے میں جو ۶۹ انہتر سال ہوتے ہیں اور اس زمانہ میں شیعہ صاحبان اپنے مطلب سفیروں کے ذریعہ آپ کی خدمت اقدس میں پیش کرتے تھے۔ اور سفیر چار بزرگ ہوئے ہیں اور ان کی ترغیب کے سبب سے بہت لوگ ان کے وکیل بن گئے تھے، جو شیعوں سے مال لے کر ان سفیروں کو دیتے تھے اور یہ سفیر وہ مال حضرت امام غائب السلام کو دیتے تھے، اور محمد بن یعقوب بغداد میں سفیروں کے پاس رہتا تھا۔ جس سال آخری سفیر ابوالحسن علی بن محمد السمری فوت ہوا تھا اسی سال یا اس سے ایک سال پہلے محمد بن یعقوب کلینی فوت ہوا تھا، اور وہ تین سو انتیس ہجری تھا۔ پس ہو سکتا ہے کہ یہ مبارک کتاب اصلاح کے لئے خدا تعالیٰ کی حجت حضرت امام غائب علیہ السلام کی خدمت میں پہنچائی گئی ہو۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! ملا خلیل قزوینی کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی اہل علم نے اس کتاب کے امام غائب علیہ السلام کی خدمت میں پہنچنے کو عقل سے بعید

کہا ہے۔ ملا خلیل صاحب اس کے استبعاد کو رفع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مذکورہ بالا تقریر سے چار باتیں خوب واضح ہو رہی ہیں۔

۱- **اول:** یہ کہ یہ کتاب حضرت امام علیہ السلام کی غیبت صغریٰ کے زمانہ میں لکھی گئی ہے۔

۲- **دوم:** یہ کہ کتب احادیث اہل بیت کرام علیہم السلام میں یہ کتاب سب سے زیادہ معتمد علیہ ہے۔

۳- **سوم:** یہ کہ یہ کتاب مبارک امام غائب علیہ السلام کی نظر سے گزری ہے۔

۴- **چہارم:** یہ کہ یہ کتاب حضرت امام علیہ السلام کی تصدیق شدہ ہے۔ اب روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اس کتاب کی ساری حدیثیں صحیح ہیں۔ اس کتاب میں کوئی حدیث موضوع نہیں ہے اور صاحب فلک النجات کا دعوے کہ یہ حدیث میراث موضوع ہے۔ شیعہ روایات اور نظریات کے سخت خلاف ہے۔ اگر اس حدیث پر جرح کی گنجائش ہوتی تو ملا خلیل قزوینی بھی شیعہ تھے۔ وہ کب چوکنے والے تھے؟

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
ایں راہ کہ تو مے روی بترکستان است

اہل سنت کے استدلال پر صاحب فلک النجات نے ایک اور اعتراض کیا ہے۔ اب ہم اس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

صاحب فلک النجات اپنی کتاب فلک النجات طبع اول ص۳۹۷ پر لکھتے ہیں

ولو سلم فالجواب ان معنی الحدیث لیس کما زعم بل معناہ ان العلماء لیس ابو رثۃ الانبیاء فی الدراھم والدنانیر وغیرھما

بل ھم ورثتھم فی الاحادیث وانما ورثۃ مالھم ھم الوارثون من الاقربین کما لسائر الناس۔

مترجم نے ترجمہ یوں لکھا ہے۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے۔ کہ یہ حدیث موضوع نہیں۔ تو معنے حدیث کا وہ نہیں جو مخالف نے زعم کیا ہے۔ بلکہ معنے اس کا یہ ہے کہ علماء انبیاء کے دراہم و دنانیر وغیرہ میں وارث نہیں۔ بلکہ ان کی احادیث کے وارث ہیں۔ کیونکہ انبیاء کے مال کے وارث ان کے اقرباء ہیں۔ جیسا کہ باقی لوگوں کے ہیں۔ اور امام ؑ نے واسطے دفع شبہ کے فرمایا۔ جو شبہ لفظ ورثۃ الانبیاء سے پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح کہ علماء انبیاء کے وارث کس طرح ہو گئے تو امام ؑ نے فرمایا۔ ان کو ہمارے مال کی وراثت نہیں ملتی۔ بلکہ ہماری غرض اس سے یہ ہے کہ وہ ہماری احادیث کے وارث ہوتے ہیں۔ ترجمہ ختم

جوابُ الجوابُ

صاحب فلک النجات نے حدیث امام علیہ السلام کے معنے غلط لکھے ہیں۔ آپ کا قول کہ علماء انبیاء کے دراہم و دنانیر وغیرہ میں وارث نہیں ہوتے۔ حدیث شریف کے کون سے فقرہ کا ترجمہ ہے۔ حدیث شریف کا درمیانی فقرہ یہ ہے ان الانبیآء لم یورثوا درھما ولا دینارا۔ اس فقرے کا صحیح ترجمہ وہ ہے جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ یعنی خدا کے پیغمبر کسی کو سونے چاندی کا وارث نہیں بنا جاتے۔ عربی زبان سے اور اس کے قواعد سے جو شخص بھی واقف ہوگا وہ گواہی دے گا کہ صاحب فلک النجات نے جو ترجمہ اس حدیث کا لکھا ہے وہ غلط ہے۔ چاہے سنی ہو یا شیعہ۔ اس فقرے میں علماء کا مذکور تک نہیں۔ ہے۔ فصیح و بلیغ لوگ مفاعیل عامہ کو حذف کر جاتے ہیں۔ مفاعیل عامہ کو۔۔۔

نہیں کیا کرتے۔ دیکھو قرآن کریم میں ہے وَاللّٰہُ یَدْعُوْآ اِلٰی دَارِ السَّلَام ترجمہ:۔ اللہ تعالےٰ ہر کسی کو بہشت کی جانب بلاتے ہیں۔ اس آیت شریف میں یدعوا کا مفعول محذوف ہے۔ اور وہ لفظ کل واحد ہے جو مفاعیل عامہ میں سے ہے۔ اس حدیث میراث میں بھی لم یورثوا کا مفعول بہ عام ہے اور وہ لفظ احداً ہے۔ اس محذوف کو ظاہر کیا جائے تو عبارت حدیث کی یوں ہوگی۔ ان الانبیآء لم یورثوا احدا درھما ولا دینارا وانما اورثوا احادیث احادیثھم۔۔ ترجمہ:۔ ترجمہ یوں ہوگا۔ خدا کے پیغمبروں نے کسی کو سونے چاندی کا میراث نہیں دیا۔ وہ دین کی باتیں میراث میں دے گئے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پیغمبروں کی میراث دین ہے۔ دنیا نہیں ہے۔ اور ثابت ہو گیا کہ علمائے دین پیغمبروں کے وارث ہیں۔

ناظرین کرام:۔ صاحب فلک النجات نے اپنی طرف سے ایک بات بنائی ہے۔ اور اس کو اس حدیث شریف میں گھسیڑنے کی بے جا کوشش کی ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا۔ شیعہ مذہب میں ایک مشہور کتاب تنزیہ الانبیاء، نام علامہ زین العابدین خان کرمانی کی تصنیف ہے۔ ص۴۹ پر تحریر فرماتے ہیں۔ والبتہ میراث انبیاء درہم و دینار نبودہ بلکہ علوم و اخلاق و مقامات و صفات مرضیہ ایشاں بودہ است۔ علامہ موصوف کی یہ عبارت اسی حدیث شریف کا ترجمہ ہے۔ جس کے ترجمے میں صاحب فلک النجات نے ناجائز کاروائی کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ زین العابدین خان باوجود شیعہ ہونے کے * انصاف کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ اور حدیث امام عالی مقام علیہ السلام کے ترجمے کے اندر خیانت شروع کر دی ہے۔ اور غلط ترجمہ لکھ کر اہلسنت

* انصاف کی صفت سے محروم ہونا ہے اور ہمارے صاحب فلک النجات

مطالعہ کر لیتے تو بھی ایسی غلط کاروائی سے بچ جاتے اور ایسی فاش غلطی کے مرتکب نہ ہوتے۔

ناظرین کرام! میرے اس جواب کا مدار لم یورثوا کو فعل معروف ماننے پر ہے۔ اور اگر اس فعل کو فعل مجہول پڑھا جائے، اور حق بھی یہی ہے تو دونوں مفعول مذکور ہو گئے۔ حذف مفعول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس صورت میں حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہو گا کہ انبیاء کے اندر دنیاوی چیزوں کی رُو سے موروث بننے کی گنجائش ہی نہیں۔ وہ تو علم شریعت کی رو سے موروث ہوا کرتے ہیں۔

صحاح ستہ اہل سنت میں یہ حدیث میراث بلفظ مجہول روایت کی گئی ہے بخاری کے شارح لکھتے ہیں کہ اگرچہ لغت کے اعتبار سے لانورث فعل معروف درست ہے لیکن روایت استاذوں سے حدیث شریف کے فعل مجہول کی ہے دیکھو فتح الباری جلد دوازدہم ص۵ الراء من قوله لانورث بالفتح فی الروایة. یعنی استاذانِ حدیث سے روایت راء کی زبر سے ہے۔

ناظرین کرام! اگر لم یورثوا کو فعل معروف تسلیم کیا جاوے اور حسب زعم صاحب فلک النجات مفعول بہ العلماء کو مقرر کیا جاوے تو بھی شیعہ کا مدعا پورا نہیں ہو سکتا۔ وجہ اس کی یہ ہے اصل علماء اہل بیت نبوت ہیں۔ ملاحظہ ہو اصول کافی ص۵ مطبوعہ تہران طبع قدیم (اصول کافی مطبوعہ تہران طبع جدید ص۲۱۴ جلد۱ طبع رابع (قاسم شاہ)) قال ابو جعفر علیہ السلام فی هٰذہ الآیة بل هو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم ثم قال اما واللہ یا ابا محمد ما قال بین دفتی المصحف قلت من هم جعلت فداك قال من عسیٰ ان یکونوا غیرنا۔

ترجمہ:۔ ابو بصیر کہتا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے آیت مذکورہ بالا کے بارے گفتگو فرمائی۔ پھر فرمایا۔ خدا کی قسم نہیں فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے بین دفتی المصحف جس کا مطلب یہ ہوتا کہ قرآن کی آیتیں گتوں کے درمیان رہتی ہیں۔ بلکہ اس کی جگہ فرمایا فی صدور الذین اوتوا العلم. جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی آیتیں سینوں میں رہتی ہیں، ان لوگوں کے جو صاحب علم ہیں۔

ابو بصیر کہتا ہے میں نے عرض کیا۔ میں آپ کی ذات پر قربان ہو جاؤں کون ہیں وہ صاحب علم حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا۔ ہمارے بغیر کون ہو سکتا ہے۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ صاحب علم نبی کے گھرانے والے ہیں۔ صافی شرح اصول کافی ص۱۳ کتاب الحجۃ جزء سوم باب لسبت بگم گفت امام علیہ السلام جزایں نیست کہ ماآں جمیعم کہ میدانند۔ یعنی بات یہی ہے کہ ہم وہ ہیں جو جانتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صاحب علم آل نبیؐ ہیں۔

نیز ملاحظہ ہو۔ اصول کافی ص۵ مطبوعہ تہران۔ عن ابی جعفر علیہ السلام فی قول اللہ عز وجل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر اولوا الالباب. قال ابو جعفر علیہ السلام انما نحن الذین یعلمون والذین لا یعلمون عدونا وشیعتنا اولوا الالباب۔

ترجمہ:۔ آیت مذکورہ کے بارے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو لوگ جانتے ہیں وہ ہم ہیں اور جو لوگ نہیں جانتے وہ ہمارے دشمن ہیں۔ اور عقل

والے ہمارے شیعہ ہیں۔ ترجمہ ختم

اس تفسیر امام علیہ السلام سے بھی معلوم ہوا کہ صاحب علم اہل بیت نبوت ہیں۔ اور علماء عالم کی جمع ہے اور عالم صاحب علم کو کہتے ہیں۔ پس اگر صاحب فلک النجات کی تاویل کو صحیح تسلیم کر لیا جاوے تو حدیث میراث کا ترجمہ یوں ہوگا خدا کے پیغمبروں نے اپنی آل اولاد کو سونے چاندی یعنی دنیاوی مال ومتاع کا وارث نہیں بنایا۔ انہوں نے تو اپنی اولاد کو صرف علم شریعت کا وارث بنایا ہے۔

ناظرین کرام! دیکھو خدا کی قدرت، اگرچہ صاحب فلک النجات کا ترجمہ غلط تھا، مگر پھر بھی مقصود مصنف فلک پورا نہ ہوا۔ ہم نے لفظ علماء میں آل نبی ؐ کو شامل کر دیا۔ اور یہ کاروائی کسی طرح بھی ناجائز نہیں ہے۔ مذکورہ بالا احادیث ائمہ کو دیکھو تو اصل علم والے اہل بیت نبوت میں، اور اگر احادیث ائمہ سے کوئی شخص اس بات کو نہ سمجھ سکے تو بھی اہل بیت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو علم والوں سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانوں میں کون ایسا شخص ہے جو اہل بیت کرام علیہم السلام کو علم والوں سے خارج کرے؟ لفظ علماء میں پہلے درجہ پر آل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ اور دوسرے درجہ پر اور علم والے اہل اسلام۔ مصنف فلک النجات کی سینہ زوری ہے کہ لفظ علماء سے اہل بیت کرام کو خارج تصور کر لیا ہے۔ جب لفظ علماء میں اہل بیت کرام علیہم السلام شامل ہیں تو حدیث شریف کا معنی وہ ہی ہوگا۔ جو ابھی ہم ذکر کر آئے ہیں کہ خدا کے پیغمبر اپنی اولاد کو دنیاوی چیزوں کی میراث نہیں دے جاتے بلکہ وہ تو اپنی اولاد کو علم شریعت کی میراث دے جاتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ صاحب فلک النجات کے ترجمہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی اہل سنت والجماعت کا مدعا پورا ہو جاتا ہے۔

اور شیعیان زمانہ حال کو اس ترجمہ سے کچھ نفع نہیں پہنچ سکتا۔

؎ اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں،
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

صاحب فلک النجات نے ص۲۸۶ پر اپنی کتاب فلک النجات کے حدیث میراث مندرجہ اصول کافی کے چند جوابات اور ذکر کئے ہیں ضروری ہے کہ ان کے جوابات بھی درج کر دئے جائیں۔

جواب اول

از صاحب فلک النجات۔ حدیث میراث مذکور بہت سی آیات قرآنیہ کے مخالف ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) یوصیکم اللہ فی اولادکم۔ (سورہ نساء پ۴)

(۲) ولکل جعلنا موالی مما ترک الولدان والاقربون۔ (سورہ نساء پ۵)

(۳) وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ او کثر نصیبا مفروضا۔ (سورہ نساء پ۴)

(۴) وورث سلیمٰن داؤد۔ (سورۃ نمل پ۱۹)

(۵) ویرثنی ویرث من آل یعقوب۔ (سورہ مریم پ۱۶)

اور جو حدیث مخالف قرآن ہو وہ حسب تصریح ائمہ متروک العمل ہوتی ہے

جواب الجواب

یہ حدیث آیات قرآنیہ کی مخالف نہیں ہے۔ بلکہ یہ حدیث تو آیات قرآنیہ کی تفسیر کر رہی ہے۔ یوصیکم کے اندر جو ضمیر مفعول بہ ہے وہ مجمل ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خطاب امت کو ہے یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی، اس خطاب

میں داخل ہیں؟ حدیث میراث نے بتا دیا۔ کہ خطاب امت کو ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس خطاب میں داخل نہیں ہیں۔ یہ حدیث شریف آیات قرآنیہ کے خلاف جب ہوتی کہ قرآن حکیم کے اندر کسی آیت میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم یا کسی دوسرے پیغمبر علیہ السلام کا نام ذکر کرکے مالی میراث ثابت کی جاتی۔ سارے قرآن میں اس مضمون کی کوئی آیت نہیں ہے جو آیات خمسہ قرآنیہ صاحب موصوف نے ذکر کی ہیں۔ ان میں کوئی آیت دنیاوی میراث انبیاء کے لئے ثابت نہیں کرتی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ پہلی تین آیات میں مالی میراث کا ذکر ہے مگر انبیاء کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اور آخری ۲ دو آیات میں انبیاء کا ذکر ہے۔ مگر مالی میراث کا کوئی مذکور نہیں ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آخری دونوں آیتوں کی تفسیر استدلالات شیعہ کے جوابات میں ذکر کی جائے گی۔ انتظار فرمایئے گا۔

جواب دوم از صاحب فلک النجات

یہ حدیث مشہور مذہب اہل بیت علیہم السلام کے مخالف ہے اور سنیوں کے مذہب کے موافق ہے۔ اور ایسی حالت میں بقانون فرمودہ امام علیہ السلام عمل ان روایات پر ہوگا۔ جو سنیوں کے مذہب کے مخالف ہوں۔ اور اسی میں رشد و ہدایت ہے۔

جواب الجواب

مشہور مذہب اہل بیت علیہم السلام سے آپ کی کیا مراد ہے؟ کیا اہل اسلام کے اندر مشہور؟ تو جناب عالی ساری دنیا میں مسلم آبادی زیادہ تر اہل سنت ہی چلی آئی ہے۔ اور سارے اہل سنت یہی کہتے آئے ہیں کہ پیغمبروں

بتلاتے رہے ہیں۔ پس یہ حدیث اہل بیت علیہم السلام کے مشہور مذہب کے تو بالکل موافق ہوئی۔ اس حدیث میں اور اہل بیت علیہم السلام کے مشہور مذہب میں ذرہ بھر بھی مخالفت نہیں ہے۔ اور اگر مشہور مذہب اہل بیت علیہم السلام سے مراد آپ کی شیعہ کے ہاں مشہور ہے تو چونکہ شیعہ کے ہاں کتمان حق نہایت ضروری ہے اور اس کی اشاعت اور مشہور کرنا سخت ممنوع ہے۔ اس لئے شیعہ کے یہاں جو بات مشہور ہوگی وہ ضرور باطل ہوگی۔ اور جو بات غیر مشہور ہوگی وہ ہی حق ہوگی۔ پس شیعہ کے ہاں جو بات مشہور ہے وہ چونکہ باطل ہے۔ اس لئے اس بات کی موافقت باطل ہونے کی دلیل ہوگی۔ اور جو بات شیعہ کے ہاں غیر مشہور ہے وہ چونکہ حق ہے۔ اس لئے اس کی موافقت حقانیت کی دلیل ہوگی کتمان حق کی اہمیت کے لئے اصول کافی کی دو حدیثیں درج کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو اصول کافی مطبوعہ تہران ص۲۰۶ طبع قدیم۔

قال ابو عبد اللہ علیہ السلام یا سلیمان انکم علی دین من کتمہ اعزہ اللہ عز وجل ومن اذاعہ اذلہ اللہ عز وجل

(اصول کافی جلد ۳ طبع جدید تہران پر موجود ہے۔ طبع رابع)

ترجمہ:۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اے سلیمان تم ایک ایسے دین پر ہو کہ جو شخص اس کو چھپا رکھے گا۔ اُسے خدا تعالیٰ نے عزت بخشے گا۔ اور جو شخص اس دین کو شہرت دیوے گا اُسے خدا تعالیٰ ذلیل کر دے گا۔ ترجمہ ختم

دوسری حدیث اصول کافی ص۲۰ طبع قدیم پر (ص۲۲۳ طبع جدید جلد ۳ رابع تہران پر) موجود ہے۔ عن معلی بن خنیس قال قال ابو عبد اللہ علیہ

اعزہ اللہ بہ فی الدنیا وجعلہ نورا بین عینیہ فی الاخرۃ یقودہ الی الجنۃ یامعلی من اذاع امرنا ولم یکتمہ اذلہ اللہ بہ فی الدنیا ونزع النور من بین عینیہ فی الاخرۃ وجعل ظلمۃ تقودہٗ الی النار۔

ترجمہ:۔ معلی بن خنیس کہتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اے معلی ہماری باتوں کو چھپا رکھو مشہور نہ کرو۔ اس لئے کہ جس کسی نے ہماری باتوں کو چھپا رکھا اور مشہور نہ کیا خدا تعالےٰ اُسے عزت بخشے گا۔ دنیا میں اور اس کی آنکھوں کے درمیان نور پیدا کرے گا۔ آخرت میں وہ نور لے جائے گا اس کو جنت میں۔ اے معلی جس کسی نے مشہور کیا ہماری باتوں کو اور نہ چھپا رکھا ہمارے مذہب کو خدا تعالےٰ اسے ذلیل کر دے گا دنیا میں اور کھینچ لے گا نور اس کی آنکھوں کے درمیان میں سے اور اس کی جگہ رکھ دے گا سیاہی جو کہ لے جائے گی اس کو جہنم میں۔ ترجمہ ختم۔

ناظرین کرام! ان دونوں حدیثوں کو غور سے پڑھو۔ ان حدیثوں کے ہوتے ہوئے ائمہ کرام کے اس قسم کے احکام کے موجود ہوتے ان شاگردوں میں سے کسی صاحب کو ائمہ کرام کی باتوں کے مشہور کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ نہ اپنوں میں، اور نہ پرایوں میں۔ نہ شیعوں میں نہ بیگانوں میں۔ جب حال یہ ہے تو اہلبیت کرام علیہم السلام کا صحیح مذہب شیعوں میں مشہور نہیں ہو سکتا۔ ائمہ کرام کے صحابہٗ عظام کو ائمہ کی مخالفت اور حکم عدولی کر کے قیامت کے دن روسیاہ بننے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو ائمہ کرام کی حدیثوں کو خوب چھپا کر رکھیں گے تا کہ روشن چہروں کے ساتھ بہشت میں داخل ہوں۔ اور قیامت کی سرخروئی اور کامیابی سے مالامال ہوں۔ صاحب فلک کے اس جواب سے خوب واضح ہے

کہ میراث انبیاء کے بارے ائمہ اہلبیت کرام علیہم السلام کے دو مذہب ہیں ایک مشہور، دوسرا غیر مشہور اور احادیث ائمہ مندرجہ بالا سے معلوم ہوا کہ شیعہ کے لئے حق کو چھپائے رکھنا نہایت ضروری ہے اور مشہور کرنا سخت گناہ ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شیعوں میں ائمہ کی نسبت جو بات مشہور ہے وہ ائمہ کی بات نہیں ہے اور جو بات ائمہ کی نسبت غیر مشہور ہے وہ واقعی ائمہ کرام ہی کی بات ہے۔ اصول کافی کی حدیث مالی میراث کی بہ نسبت انبیاء کے نفی کرتی ہے۔ اور بقول صاحب فلک النجات ائمہ کرام کا مشہور مذہب اثبات میراث اموال ہے اور نفی میراث اموال غیر مشہور ہے۔ پس یہ حدیث چونکہ ائمہ کرام کے غیر مشہور مذہب کے مطابق ہے۔ اس واسطے یہی صحیح ہے۔

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زُلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

حقیقت یہ ہے کہ ائمہ کرام علیہم السلام اس قسم کے قاعدوں سے بہت دور ہیں۔ یہ قاعدے شیعہ علماء کے خود ساختہ ہیں اور نیک پاک ہستیوں کے ذمہ لگا کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

جوابِ سوم از صاحبِ فلک النجات

فلک النجات طبع اول ص۱۸۱ پر لکھتے ہیں۔ حدیث قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ اور حدیث بھی ایسی مشکوک جس کو محض مدعا علیہ یعنی ابوبکر مخالف اہل بیت بیان کرتا ہے۔ اس لئے یہ خبر واحد شاذ کے بے شمار احادیث کے مخالف عموم حکم قرآنی کو منسوخ نہیں کر سکتی، اور ظاہر ہے کہ حدیث ما تركنا صدقه اس پایۂ تواتر و مقبولیت کو نہیں پہنچی۔ جس سے ظاہر قرآن و احادیث کثیرہ شہیرہ صحیحہ کو چھوڑ

کہ اسی خبر واحد پر عمل کیا جاوے یا وہ مخصص ہونے کے قابل ہو۔

جواب الجواب

اہل سنت علماء کرام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث میراث کو ناسخ قرآن نہیں جانتے۔ اور اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث لا نورث کو کسی آیت قرآن کا ناسخ نہیں مانتے۔ چونکہ تہمت تراشی اور بہتان طرازی شیعہ علماء کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے۔ اس لئے وہ بہتان گھڑتے وقت گناہ کا تصور بھی نہیں کرتے۔

بروز حشر شود ہمچو روز معلومت
کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور

مہربان من۔ اہل سنت علماء تو حدیث میراث کو مفسر قرآن مانتے ہیں۔ جیسا کہ میں آپ کے جواب اول کے جواب الجواب میں لکھ آیا ہوں۔ ایک ورق الٹ کر دیکھ لو۔ تہمت تراشی کی سزا سے صاحب فلک النجات بچ نہیں سکتے۔ دیکھو اصول کافی کی حدیث میراث کے جوابات لکھنے بیٹھے تھے وہ تو حافظہ سے اتر گئی اور شروع ہو گئے بخاری کی حدیث لا نورث کے جواب میں۔ بخاری کی حدیث کو تو کوئی اہل سنت شیعہ کے مقابلے میں ذکر نہیں کرتا۔ اور نہ ہی شیعہ علماء کو جواب دینے کی ضرورت ہے۔ شیعہ علماء کے لئے جو حدیث سوہان روح بنی ہوئی ہے وہ تو اصول کافی کی حدیث ہے۔ جس کے راوی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔ صاحب فلک النجات نے یہاں سوال گندم جواب چینا، کی کہاوت کو خوب اپنایا ہے۔ اور اپنے دماغی توازن کا عجیب مظاہرہ کیا ہے۔ اہل سنت علماء بطور حجت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ اور آپ

ہیں کہ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ حدیث قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ اور حدیث بھی ایسی مشکوک کہ جس کو محض، مدعا علیہ یعنی ابو بکر مخالف اہل بیت بیان کرتا ہے۔ خدا کے بندے ابو بکر کی حدیث کا تمہارے سامنے کسی نے نام بھی لیا ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے

یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

تہمت تراشی کے گناہ کی سزا صاحب فلک النجات کو دست بدست مل گئی ہے۔ اصول کافی کی یہ حدیث پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہے۔ جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حضرت علی علیہ السلام اور حضور پُرنور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حقیقت ترجمان سے صادر ہوئی ہے۔ اگر یہ حدیث صاحب فلک النجات کے ہاں مقبول نہیں ہے تو دعوئے محبت پیغمبر و آل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حقیقت منکشف ہو گئی۔

بر افگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاراں دیگرے را مے پرستند

باقی رہا قصہ تخصیص کا تو شیعہ کے ہاں خبر واحد مخصص ہوا کرتی ہے۔ ہم اس چیز کو استدلالات شیعہ کے کھول کر بیان کریں گے۔ انتظار فرمائیے گا۔

جواب چہارم از صاحب فلک النجات

احادیث ائمہ علیہم السلام سے جو مخالف اس خبر واحد کے اور مثبت توریث انبیاء کی ہیں۔ وہ غیر محدود ہیں۔ بطور نمونہ کے ہم کتب ذیل کا پتہ دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر البرہان جلد اول صفحہ ۲۱۴ و فروع کافی جلد سوم صفحہ ۴۷ و روضہ کافی صفحہ ۱۱۵ و من لا یحضرہ الفقیہ جلد دوم صفحہ ۲۹ و تہذیب جلد دوم صفحہ ۳۵۶،

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال حمزۃ بن حمران قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام من ورث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال فاطمۃ علیہا السلام وفی روایۃ ابی جعفر علیہ السلام ورث علی علم رسول اللہ وورثت فاطمۃ ترکتہ۔

دیگر ہمچوں قسم کی احادیث بکثرت ہیں اور اصول اہلسنت میں بھی مذکور ہے کہ مثبت نافی پر مقدم ومرجح ہوتا ہے۔

جواب الجواب

اصول کافی کی حدیث میراث کے مقابلے میں جن احادیث ائمہ کو صاحب فلک النجات نے پیش کیا ہے وہ خود قرآن کے مخالف ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہیں۔ معارضہ تو جب متحقق ہوتا ہے کہ دونوں قسم کی حدیثیں صحت میں برابر ہوں۔ شرح اس معمہ کی یہ ہے کہ اصول کافی کی حدیث میراث کے مقابلے میں جن احادیث کو صاحب فلک النجات نے پیش کیا ہے وہ ایک ہی بات کو بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی وراثت صرف حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو ملی ہے۔ آنحضورؐ کے ترکے کا وارث ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوا من لایحضرہ الفقیہ جلد دوم ص۲۱۷ پر اسی حدیث کے الفاظ یوں مرقوم ہیں۔

عن الفضیل بن یسار قال سمعت ابا جعفر علیہ السلام یقول لا واللہ ما ورث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم العباس رض ولا علی رض ولا ورثتہ الا فاطمۃ علیہا السلام

ترجمہ:- فضیل بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے خدا کی قسم نہ وارث ہوئے رسول اللہ کے عباس رض

اور نہ علی رض اور نہ کوئی اور وارث سوائے حضرت فاطمہ کے سلام اللہ علیہا ترجمہ ختم

ناظرین کرام! یہ حدیث امام محمد باقر علیہ السلام قرآن کے برخلاف ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں ولہن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلہن الثمن مما ترکتم۔

ترجمہ:- اگر تمہارے ہاں اولاد نہ ہو، تو کچھ بھی تم چھوڑ جاؤ اس میں سے تمہاری جوروؤں کے لئے ایک چوتھائی ہے اور اگر تمہارے ہاں اولاد ہو تو جو کچھ بھی تم چھوڑ جاؤ اس میں سے تمہاری جوروؤں کے لئے آٹھواں حصہ ہے۔ ترجمہ ختم

یہ آیت پکار کر اعلان کر رہی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زوجات آپ کی وارث ہیں، اور حدیث امام محمد باقر علیہ السلام آپ کی زوجات کے میراث کی نفی کر رہی ہیں۔ اور خود صاحب موصوف جواب اول میں اقرار کر چکے ہیں کہ حدیث مخالف قرآن متروک ہوا کرتی ہے۔ اس لئے یہ حدیث بھی متروکہ ہوگی۔ معارضہ تو رہا در کنار۔ یہ حدیث تو سرے سے صحیح ہی نہیں بن سکتی۔ اب صاحب فلک النجات کو اختیار ہے کہ اس حدیث کو صحیح ماننے اور قرآن کو غلط یا قرآن کو صحیح جانے اور اس حدیث کو غلط۔ امید ہے کہ آپ قرآن کو غلط کہنے کی جرأت نہ کریں گے۔ تو ضرور یہ حدیث غلط ہوگی، اور جب یہ حدیث سرے سے صحیح ہی نہ نکلی تو اصول کافی کی اس حدیث سے معارضہ کس طرح کر سکتی ہے۔ جس میں پیغمبروں کی مالی میراث کی نفی موجود ہے اور جب معارضہ نہیں بن سکتا تو وجوہ ترجیح کی کہانی کی ضرورت نہ رہی اور مثبت ونافی کا قصہ خود بے محل ہوگیا

ع ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

سوال

من لایحضرہ الفقیہ کی حدیث مذکور قرآن کے برخلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ آیت مذکورہ قرآنیہ میں خطاب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو نہیں ہے۔ بلکہ صرف امت کو خطاب ہے۔ اور قرآن کریم امت کے مردوں کو خطاب کرتا ہے کہ تمہاری زوجات تمہارے بعد وارث ہونگی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس خطاب سے باہر ہیں۔ اس لئے آپ کی زوجات آپ کی وارث نہ ہوں گی۔ پس حدیث اور قرآن میں کوئی مخالفت باقی نہ رہی۔

جواب

یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ میں تم کہتے تھے کہ اس خطاب میں پیغمبر داخل ہے اور سخت اصرار کرتے تھے کہ پیغمبر ضرور داخل ہے۔ مگر خدا جانے اب کیا پیش آگئی کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آیات میراث کے خطاب سے خود ہی خارج کر دیا۔

تھیں بنات النعش گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں

آیات میراث کے نظم و نسق میں کوئی تفاوت نہیں ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ دونوں مقاموں پر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم خطاب کے اندر داخل ہوں گے۔ یا دونوں جگہوں پر آنحضور خطاب سے باہر ہوں گے۔ اگر علمائے شیعہ دونوں مقاموں پر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو داخل خطاب مانتے ہیں تو من لایحضرہ الفقیہ کی حدیث مخالف قرآن بن کر واجب الترک ہو جاتی ہے۔ اور اگر

دونوں جگہوں پر آنحضور کو خطاب سے خارج مانتے ہیں تو چشم ما روشن دل ما شاد ہماری تخصیص حق بجانب ثابت ہوگئی اور سارا جھگڑا میراث کے مسئلے میں ختم ہوگیا اور آپ اسی چیز کے قائل ہو گئے جس کو اپنے لئے سم قاتل تصور کرتے تھے ۔

اُلجھا پاؤں یار کا زلف دراز میں،
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا،

جواب پنجم از صاحب فلک النجات

تعجب ہے کہ مسئلہ عدم توریث انبیاء کا وارثان نبی کے متعلق تھا۔ لیکن سوائے ابی بکر صاحب کے جس کا وراثت نبی سے کچھ تعلق نہ تھا کسی کو رسول اللہ نے ظاہر نہ فرمایا حتیٰ کہ ازواج نبی وامیر عثمانؓ وغیرہ سب سے پوشیدہ رہا۔ اور جناب زہرا کو باوجود قرب و فضائل معلومہ مشہورہ کے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ مبادا آپ کو میری وراثت کا خیال پیدا ہو اور رنج کی نوبت پہنچے، یہ یاد رکھے کہ ہم پیغمبروں کی وراثت کسی کو نہیں پہنچتی۔

جواب الجواب

صاحب فلک النجات جواب لکھ رہے تھے۔ اصول کافی کی اس حدیث کا جس کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے روایت کیا ہے۔ اور اہلسنت نے اس حدیث کو میراث کے باب میں تخصیص انبیاء کے لئے بطور حجت پیش کیا ہے مگر خدا جانے صاحب موصوف کو کیا ہو گیا۔ کہ حدیث لا نورث کا جواب لکھنا شروع کر دیا۔ جس کی آپ کو کوئی ضرورت نہ تھی۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ صاحب

موصوف بخاری کی حدیث لانورث اور اصول کافی کی حدیث ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا کو ایک ہی حدیث تصور کرتے ہیں اور ان دونوں حدیثوں میں سے ایک کے جواب کو دوسری حدیث کا جواب یقین کرتے ہیں اگر صاحب موصوف دونوں حدیثوں کو ایک چیز تصور نہیں کرتے تو پھر یہ جواب بے محل ہے جو عقلمندوں کی شان سے بہت دور ہے۔ اس کے بعد قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا زمانہ نہیں پایا تو ضرور ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے درمیان علمی واسطے ہوں، وہ کون لوگ ہیں؟ یہاں دو ہی صورتیں بن سکتی ہیں۔ کوئی تیسری صورت نہیں ہے.. یہ حدیث میراث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے واسطے سے پہنچ سکتی ہے۔ اور یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واسطے سے۔ اگر پہلی صورت اختیار کی جائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر شیعہ کے جس قدر اعتراضات ہیں کافور ہو جاتے ہیں.. وجہ یہ ہے کہ اگر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ایسا اعتقاد کرتے جیسا کہ آج کل کے شیعہ خیال کرتے ہیں. تو آپ اس حدیث کو ہرگز قبول نہ کرتے۔ جس کے پہلے راوی حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہ، بلکہ راوی کو صاف کہہ دیتے کہ اس حدیث کا پہلا راوی حضرت ابوبکر ہے اور وہ کاذب ہے۔ اس لئے یہ حدیث تو موضوع ہے ہم تو اس حدیث کو سننا بھی نہیں چاہتے۔ چہ جائیکہ اس حدیث کو محفوظ رکھیں اور پھر مسلمانوں کو پہنچائیں۔ پس حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا اس حدیث کو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے واسطے سے قبول کر لینا ان کے صدیق ہونے کی ایک کھلی ہوئی دلیل ہے اور ان کے صادق و امین ہونے کی شہادت

ہے۔ اس شہادت کو رد کرنا اہل سنت سے تو ناممکن ہے شیعہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچ لیں۔ اور اگر دوسری صورت اختیار کی جائے۔ یعنی یہ حدیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے واسطے سے پہنچی، تو پھر صاحب فلک النجات کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر تنہائی کا الزام لگانا بالکل غلط ہو گیا۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بھی اس حدیث کو روایت کرنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شامل ہو گئے۔

باقی رہی یہ بات کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو کیوں نہ فرما دیا کہ ہماری وراثت کسی کو نہیں پہنچتی۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم خوب جانتے تھے کہ میرے بعد میرے خلیفے میرے نائب ہوں گے۔ اور اس قسم کے مسائل کی ان کو سخت ضرورت ہو گی۔ اس لئے اپنے خلیفہ کو اس مسئلہ کی تعلیم کر دی۔ دنیا میں جو لوگ قضا اور ججی کے منصب پر فائز ہوتے ہیں پیش آنے والے مقدمات میں فیصلے کے طریقوں کا علم جس قدر ان کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اس قدر اور کسی کے لئے ضروری نہیں ہوتا۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب جانتے تھے کہ میرے عزیز و اقارب اس معاملہ میں جھگڑا کرنے والے اور شک کرنے والے نہیں ہیں۔ اس لئے اپنے اہل بیت کے ہر ایک ممبر کو یہ مسئلہ سمجھانے کی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی ضرورت نہ سمجھے۔

جواب ششم از صاحب فلک النجات

فلک النجات طبع اول صفحہ ۲۰۲ پر لکھتے ہیں۔ غضب جناب معصومہ زہرا بکہ

عدم حجیت حدیث عدم توریث یعنی لم یورثو کے لئے دلیل واضح ہے۔ اور غضب کا ثبوت بدرجہ شہرت و تواتر مسلم فریقین ہے ،

جواب الجواب

روایت غضب اخبار آحاد میں سے ہے صحیحین میں اس حدیث کی مدار ابن شہاب زہری پر ہے۔ سارے اسناد ابن شہاب زہری پر جمع ہو جاتے ہیں۔ پس اہل سنت علماء اس حدیث کو مشہور یا متواتر ہرگز نہیں کہتے۔ پس اس حدیث کے تواتر کو مسلم فریقین کہنا ایک ایسا بہتان ہے جو خاص صاحب فلک النجات کی شان ہے۔

اس کے بعد دوسری گذارش یہ ہے کہ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کا غضب اگر حدیث لم یورثوا کو مقام حجیت سے خارج کر دیتا ہے تو ضرور حضرت ابوبکر صدیق پر آنجناب کا راضی ہو جانا اسی حدیث کو قابل حجیت بنا دے گا۔ آنجناب صلوات اللہ علیہا کے غضب کو مؤثر ماننا اور رضامندی کو بے اثر جاننا نہایت بے انصافی ہے اور آں معصومہ طاہرہ کے شان میں گستاخی ہے نعوذ باللہ من ذالک۔ شیعہ حضرات ناراضگی کی روایت کو تو خوب شائع کرتے ہیں۔ اور رضامندی کی حدیث کا نام لینا بھی گناہ جانتے ہیں۔ حالانکہ رضامندی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی روایت کتب شیعہ میں موجود ہے۔ یہ واقعہ بعینہٖ ایسا ہے جیسا شہدائے کربلا میں کچھ بزرگ ایسے بھی ہیں جن کے نام خلفائے ثلاثہ کے نام ہیں اور وہ بزرگ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی ہیں۔ آپ کے ساتھ میں جام شہادت نوش کیا ہے۔ مگر شیعہ حضرات ان کا نام لینا گناہ کبیرہ جانتے ہیں۔ حالانکہ کتب شیعہ میں ان کے اسمائے گرامی شہدائے کربلا کی فہرست میں موجود ہیں۔

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو ،
نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند ،

صاحب فلک النجات نے اپنی کتاب فلک النجات کے صفحہ ۳۹۴ پر ناراضگی اور رضامندی کی روایات میں تعارض قائم کر کے رضامندی کی روایات کو مرجوح اور ساقط عن الاعتبار کہا ہے جو سراسر غلط ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ ناراضگی اور رضامندی کے وقت الگ الگ ہیں۔ پہلے ناراضگی بعد میں رضامندی، اور جب تعارض ہی نہ رہا تو وجوہ ترجیح کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہ رہی۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ رضامندی کی روایت کو دوسرے باب میں خوب تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔ انتظار فرمائیے گا۔

جواب ہفتم از صاحب فلک النجات

بصورت فرض و تسلیم حدیث کے حسب قانون مسلم بین الفریقین احادیث مخالفہ سے اس کی تطبیق کی جائے گی۔ تا کہ کوئی بھی ان سے ملغی عن العمل اور متروک نہ ہو اور وہ معنے مراد لیا جائے گا۔ جو دوسری احادیث کے مخالف نہ ہو۔ اس طرح کہ بیان فضیلت علم میں امام نے ارشاد فرمایا۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اس پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ علماء اموال انبیاء کے کس طرح وارث ہو جاتے ہیں کیونکہ لفظ وراثت سے حقیقۃً وراثت مال مراد لی جاتی ہے۔ لہٰذا ذہن اس طرف سبقت کر جاتا ہے۔ اور یہی معنے متبادر ہوتا ہے تو رفع شبہ کے لئے امام نے فرمایا۔ کہ وراثت سے یہ مراد نہیں جو علماء انبیاء سے دراہم و دنانیر کے وارث ہوں بلکہ ان کو انبیاء سے محض وراثت احادیث ملتی ہے۔ اور ترکہ کے وارث مطابق

جواب الجواب

واقعی احادیث میں تعارض کی صورت پیدا ہو جائے تو تطبیق بہتر چیز ہے۔ مگر صد افسوس کہ صاحب موصوف ان دونوں قسم کی حدیثوں میں تطبیق کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ اصول کافی کی حدیث ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا کا صاف معنی یہ ہے کہ خدا کے پیغمبر کسی کو سونے چاندی کی میراث نہیں دیتے۔ مراد مال دینا ہے۔ تو جس حدیث میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی دنیاوی میراث کا ثبوت ہوگا وہ ضرور اصول کافی کی حدیث مذکورہ بالا کے برخلاف ہوگی۔ ان دونوں حدیثوں میں ایسا تعارض ہے جس کا رفع کرنا صاحب فلک النجات کے بس کی بات نہیں ہے ؎

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں

ایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

اصول کافی کی حدیث مذکورہ بالا کا جو معنی فلک النجات کے صفحہ ۲۹۷ پر لکھ آئے ہیں اُسی کو یہاں دہرا دیا ہے جالانکہ یہ معنی ہی غلط ہے۔ جیسا کہ ہم اس رسالہ میں دلائل کے ساتھ اس معنی کی غلطی بیان کر آئے ہیں۔ صحیح معنی وہ ہے جو علامہ زین العابدین خان کرمانی شیعی اپنی کتاب تنزلیہ الانبیاء کے صفحہ ۴۸ پر لکھ گئے ہیں اور ہم علامہ زین العابدین خان کرمانی کے معنی کو اس رسالہ میں نقل کر آئے ہیں دوبارہ ملاحظہ کر لیا جاوے تو بہتر ہوگا۔ اور جب تطبیق ناممکن ہوگئی تو ضرور ایک حدیث کو قبول کرنا ہوگا اور دوسری کو ترک کرنا پڑے گا۔ اور چونکہ من لایحضرہ الفقیہ کی حدیث دنیاوی میراث نبیؐ کو ثابت کرنے والی قرآن کے برخلاف ہے۔ کما مر یہی واجب الترک ہوگی۔ اور اصول کافی کی حدیث ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا واجب القبول ہوگی۔

جواب ششم از صاحب فلک النجات

اب ہم توریث کے تنازع سے قطع نظر کر لیتے ہیں کہ ملے یا نہ ملے مگر پھر اہل جماعت جو حضرات ثلاثہ کو غصب فدک اور غضب اہل بیت سے بچانا چاہتے ہیں وہ نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ نبیؐ نے اپنی حیات میں فدک بحق زہراؑ ہبہ فرما دیا تھا۔ آخر میں غضب اہل بیت کے لئے صاحب موصوف نے ایک سنی عالم کی شہادت نقل کی ہے اور سلسلہ جوابات کو ختم کیا ہے۔

جواب الجواب

ہبہ فدک کی روایت موضوع اور باطل ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم کے برخلاف ہے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ تیسرے باب میں اس روایت پر مفصل گفتگو کرینگے اور صاحب فلک النجات کا ابن ابی الحدید کو سُنی عالم لکھنا سراسر کذب ہے اور سفید جھوٹ ہے وہ تو شیعہ ہے۔ اس کے شیعہ ہونے کی دلیل درکار ہو تو اس کے قصائد سبعہ کہیں سے تلاش کر کے مطالعہ کر لو۔ ایران میں تو کوئی شیعہ بھی ابن ابی الحدید کو سنی نہیں جانتا۔ ہر کوئی اس کو شیعہ ہی جانتا ہے۔ جدید شرح نہج البلاغۃ کا جو نسخہ میرے سامنے ہے وہ مطبوعہ تہران ہے۔ اس کے پہلے ورق پر ابن ابی الحدید کا شیعہ ہونا لکھا ہوا ہے جو صاحب اطمینان حاصل کرنا چاہیں وہ میرے پاس آکر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

ناظرین کرام! اہل سنت کی دوسری دلیل پر صاحب فلک النجات نے جتنے

[illegible]

تیسری دلیل ملاحظہ ہو۔

تیسری دلیل (۳)

شہر علم کے دروازے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو وصیت فرماتے ہیں۔ کتاب من لایحضرہ الفقیہ جلد ۲ صفحہ ۳۴۶

وتفقه فی الدین فان الفقهاء ورثة الانبیاء ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درهما ولکنهم ورثوا العلم فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر...

ترجمہ:۔ علم دین حاصل کر اس لئے کہ علمائے دین ہی پیغمبروں کے وارث ہیں۔ تحقیق ہے کہ پیغمبروں نے کسی کو سونے اور چاندی کا وارث نہیں بنایا۔ لیکن انہوں نے علم دین کا وارث بنایا ہے۔ پس جس نے حاصل کیا علم دین اس نے لے لیا بڑا نصیبہ یعنی وہ بڑا نیک بخت اور خوش نصیب ہے ترجمہ ختم۔

ناظرین کرام! چونکہ محمد ابن حنفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اپنے بزرگوار والد شریف کی وصیت خوب دلنشین ہو چکی تھی۔ اس لئے اپنے بھائیوں یعنی حسنین شریفین سے مال کی میراث نہیں طلب کی تھی۔ بلکہ صرف علمی میراث کا مطالبہ کیا تھا۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید نے اپنی کتاب شرح نہج البلاغۃ جلد اول جزو ہفتم ص ۲۹۳ پر لکھا ہے۔

ان علیا لما قبض اتی محمد ابنه حسنا وحسینا علیهما السلام فقال لهما اعطیانی میراثی من ابی فقالا له قد علمت ان

اباك لم يترك صفراء ولا بيضاء فقال قد علمت ذلك وليس ميراث المال اطلب انما اطلب ميراث العلم

ترجمہ:۔ جب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ اس جہان سے روانہ ہو گئے تو آپ کا بیٹا محمد اپنے دونوں بھائیوں حسن وحسین علیہما السلام کے پاس آیا اور کہا۔ میرے باپ کی میراث مجھے دے دو۔ حسنین شریفین نے کہا تو جانتا ہے کہ تیرے باپ نے سونا چھوڑا نہ چاندی۔ پس محمد ابن حنفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا۔ اس بات کو تو میں جانتا ہوں۔ اور مال کی میراث میں نہیں طلب کرتا، میں تو صرف علم کی میراث طلب کرتا ہوں۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے فرزندوں کے اس مکالمے سے دو مسئلے واضح ہو گئے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ لفظ میراث مشترک ہے مالی میراث اور علمی میراث اور ملکی میراث ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ایک ہی لفظ میراث سے محمد ابن حنفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے علم مراد لیا۔ اور اسی لفظ سے امامین کریمین نے مال مراد لیا۔ اور تینوں بزرگ اہل لسان تھے۔ معلوم ہوا کہ لفظ میراث مشترک ہے حقیقت ومجاز نہیں ہے۔ صاحب فلک النجات اپنی کتاب میں جابجا کہتا ہے کہ یہ لفظ مالی میراث میں حقیقت ہے۔ اور علم میں مجاز ہے۔ غلط کہتا ہے

دوسرا مسئلہ اس مکالمے سے یہ نکلتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اس جہان سے روانہ ہوئے ہیں تو اپنا سب کچھ خدا کے راہ میں وقف کر گئے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی یہ کارروائی کسی کے طرز عمل سے نقاب کشائی کرتی ہے۔ یعنی حضور پرنور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں وقف کر گئے تھے، اس واسطے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بھی اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ علمائے شیعہ کی خدمت میں [illegible]

ہے۔ کہ یہاں غاصب میراث کی تعین کریں، اور بقائمی ہوش وحواس جواب دیں۔ کہ اولاد علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو میراث علیؓ سے کس نے محروم کیا؟ ابوبکرؓ وعمرؓ تو قبروں میں تھے۔ حکومت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی تھی۔ تعجب ہے اس محرومی ارث پر کوئی شیعہ اعتراض نہیں کرتا، اور نہ ہی کوئی محب اہل بیت علیہم السلام اشکبار ہوتا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی یہ کارروائی اسی اصل کی فروعات میں سے ہے۔ جس کی فروع میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کارروائی ہے۔ جس چشمے سے حضرت علی المرتضےٰ کرم اللہ وجہہ سیراب ہوئے ہیں، اسی چشمہ آب وحیات سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے زندگی حاصل کی ہے۔

چوتھی دلیل

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زندگی کے آخری لمحات میں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اپنے دونوں بیٹوں حسنین شریفین کو خدمت اقدس میں پیش کر کے عرض کیا۔ یارسول اللہ ھذا ان ابناءک فورثھما شیئًا

فقال اما حسن فان لہ ھیبتی وسوددی واما حسین فان لہ جرأتی وجودی۔

ترجمہ:۔ خدا کے رسولؐ یہ دونوں آپ کے بیٹے ہیں، پس انہیں کسی چیز کا وارث بنا دیجئے۔ پس آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ حسن کے لئے میری دہشت اور سرداری ہے۔ اور حسین کے لئے میری دلیری اور سخاوت ہے۔ ترجمہ ختم

یہ حدیث حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد دوم جزو شانزدہم صفحہ ۲۶۱ پر درج ہے اور یہی مضمون حدیث دلائل الامامۃ تصنیف ابن جریر طبری صفحہ ۲ پر موجود ہے۔

یہی روایت شیعہ کی معتبر کتاب کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۸ طبع تہران پر بھی موجود ہے

ناظرین کرام! حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا جیسی محبوب ترین ہستی اپنے فرزندوں کو آنحضورؐ کے فرزند کہہ کر آپ کے پیش کرتی ہے۔ اور عرض کرتی ہے کہ کچھ نہ کچھ انہیں ضرور عطا ہونا چاہیئے۔ اس موقعہ پر اگر آنحضورؐ کے پاس دنیاوی چیزوں میں سے کوئی چیز ہوتی تو ضرور آنحضورؐ حسنین شریفین کو عطا کر دیتے، کیونکہ آنحضورؐ کے سامنے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے بڑھ کر کوئی شفیع نہیں ہو سکتا۔ اور رحم ذی نبوت کی طرح آپ کی ذات ستودہ صفات پر ختم ہو چکی ہے۔ اور محل عنایت و مقام شفقت و موضع محبت حضرات حسنین کریمین سے زیادہ نہ ہو سکے۔

پس معلوم ہو گیا کہ آنحضورؐ اس شفاعت سے پہلے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں وقف فرما چکے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کیا۔ نحن معاشر الانبیاء لا نورث ماترکنا صدقۃ۔

ترجمہ:۔ ہم پیغمبروں کی جماعتیں مورث نہیں ہوتے جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ وقف ہوا کرتا ہے۔ ترجمہ ختم

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شفاعت کے جواب میں آنحضورؐ کا اخلاق عالیہ کو ذکر کرنا اور دنیاوی چیزوں میں سے کسی چیز کا ذکر تک نہ کرنا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اہل بیت علیہم السلام کے لئے دین چاہتے تھے۔ اور دنیا نہیں چاہتے تھے۔ اگر میراث کے قاعدوں کے اعتبار سے یہ بزرگ میراث نہیں پا سکتے تھے۔ تو قاعدہ وصیت کے رو سے ایک تہائی حاصل کر سکتے تھے۔ باوجود ان باتوں کے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دنیاوی

چیزوں میں سے کسی چیز کا ذکر نہ کرنا حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اور حکمت وہی ہے جو کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ کہ اموالِ پیغمبراں وقف ہو جاتے ہیں۔ رشتہ داروں میں حسب قاعدہ میراث تقسیم نہیں ہوا کرتے۔

کار پاکاں را قیاس خود مگیر،
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شِیر،

پانچویں دلیل

ملاحظہ ہو، من لایحضرہ الفقیہ جلد دوم صفحہ ۲۹۷ (جلد ۴ صفحہ ۱۹۱ طبع جدید تہران)

سمعت ابا جعفر علیہ السلام یقول لا واللہ ما ورث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم العباس ولا علی ولا ورثتہ الا فاطمہ علیہا السلام۔

ترجمہ:۔ فضیل بن یسار کہتا ہے۔ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا آپ فرماتے تھے۔ خدا کی قسم خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت فاطمہؓ کے علاوہ کوئی وارث نہیں ہوا۔ عباسؓ نہ علیؓ اور نہ کوئی اور وارث۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! اگر حضور پرنور مومنوں کے لئے سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کی مالی میراث ہوتی تو حضرت عباسؓ کس طرح محروم ہو سکتے تھے نیز آپ کی بیویاں امہات المؤمنین کیسے محروم رہ سکتی تھیں؟ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کے اقرار بموجب حضرت فاطمہ علیہا السلام کے علاوہ کوئی وارث نہیں ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ سرے سے آپ کی مالی میراث ہے ہی نہیں۔ حضرت

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے آپ نے ایک وقف کر دیا تھا۔ اسی کو حضرت امام علیہ السلام نے میراث کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اگر کوئی کہے کہ شیعہ کے ہاں بیوی جائیداد کی وارث ہی نہیں ہے۔ تو ہم جواب میں عرض کرتے ہیں کہ قرآن حکیم کے اندر جب میراث زوجہ موجود ہے تو شیعہ کے انکار میں کچھ وزن نہیں رہ جاتا ہے۔ میراث زوجہ کے مسئلے کو ہم صاحب فلک النجات کے جواب چہارم کے جواب الجواب کے ضمن میں خوب تشریح سے لکھ آئے ہیں دوبارہ ملاحظہ کر لیا جاوے۔

چھٹی دلیل

اگر پیغمبروں کی دنیاوی میراث تسلیم کر لی جاوے تو ان حضرات پر ایک ایسا اعتراض وارد ہوتا ہے۔ جس کا جواب ناممکن ہے۔ شرح اس کی یہ ہے کہ جس کو لوگ پیغمبر خدا مان لیتے ہیں۔ اس کے سامنے اپنی جان اور اموال پیش کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے قبول کر لینے میں اپنی سعادت تصور کرتے ہیں۔ پس اگر مدعی نبوت ان اموال اور فتوحات کو اپنے اور اپنی اولاد کے آرام کے لئے استعمال کرے۔ یہاں تک تمول کی صورت پیدا ہو جائے تو ضرور اعتراض کرنے والا اعتراض کرے گا۔ دعوی نبوۃ جمع اموال اور دنیاوی فوائد کے لئے کیا تھا۔ ہاں اگر مدعی نبوت اعلان کر دے کہ جو مال آوے ساری جماعت کے منافع کے لئے ہے۔ اپنے منافع پر جماعت کے منافع کو مقدم رکھے۔ اور ساتھ ہی اعلان کر دے کہ میرے بعد میرے اموال وقف ہوں گے۔ میرے رشتہ داروں کا بصیغۂ میراث ان کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو گا۔ تو سرے سے کسی کو اعتراض کی مجال نہیں رہتی، اگر پیغمبر اپنی زندگی

تنگی میں گزارے اور اولاد کو دولت مند بنا جاوے تو دنیا میں اور کیا چاہیئے
ہر کوئی اپنی آسانی پر اولاد کی آسانی کو مقدم رکھے ہے۔ اولاد کی آسانی اور آرام
ہی تو اصل خوشی اور سرور کا موجب ہے۔ جو شخص صاحب اولاد ہے وہ تو
ساری محنت ہی اولاد کے آرام کے لئے کرتا ہے۔ اگر پیغمبر بھی یہی کچھ کرے تو پیغمبر
میں اور عامۃ الناس میں کیا فرق رہ جائے گا۔ اگر کوئی عاقل بالغ اپنی عقل سے
پوچھے۔ درآں حالیکہ کسی سوسائٹی سے متاثر نہ ہو چکا ہو تو اسے یہی جواب
ملے گا۔ کہ پیغمبر ہر قسم کی دنیاوی خواہشات سے پاک ہے۔ دور کیوں جاتے ہو۔
ہمارے ملک میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے نبوت کا دعوے کیا تھا۔
اس سے پہلے وہ ایک عرائض نویس آدمی تھا۔ جس کی تنگدستی ظاہر باہر تھی۔
رفتہ رفتہ نبوت کا دعوے جڑ دیا، اور چندے وصول کرنے شروع کر دئے۔
یہاں تک کہ شاہی ٹھاٹھ باٹھ سے دن گزارنے لگا۔ اور جب دنیاوی زندگی سے
مایوس ہوا تو اپنی اولاد میں میراث کے قاعدے کے مطابق وہ اموال تقسیم کئے
جو دعوے نبوت کے سبب سے جمع ہو گئے تھے۔ اس پر اہل اسلام کے
علماء نے اعتراض کیا کہ نبوت کا دعوے ہی اس لئے کیا تھا کہ اپنی اولاد کو مالامال
کر جائے۔ اس اعتراض کا جواب ہوا نہ ہو سکے گا۔

کیا شیعہ حضرات چاہتے ہیں کہ حضور پرنور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم
کی ذات پاک بھی اس قسم کے اعتراضات کا نشانہ بن جائے۔ آنحضورؐ کو خطاب
کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں وَ اللّٰہُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ
ترجمہ:۔ اور خدا بچائے گا تجھ کو آدمیوں کے شر سے۔ ترجمہ ختم۔

آدمیوں کا شر دو قسم پر ہے۔ ایک جسمانی اور دوسرا روحانی۔ جسمانی شر تو یہ ہے
کہ آنحضورؐ کے بدن مبارک کو تکلیف پہنچائیں۔ زخمی کر دیں۔ یا قتل کر دے روحانی

شر یہ ہے کہ ایسے اعتراضات وارد کر دیں۔ جن کے جوابات نہ ہو سکیں۔ پس
آنحضورؐ کا فرمان ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا۔
معترضین کے اس اعتراض کے دفعیہ کے لئے صادر ہوا ہے اور یہ وحی خداوندی
ہے۔ اللہ تعالےٰ جانتا ہے کہ پیغمبروں پر یہ اعتراض کیا جائے گا۔ اس لئے پہلے
سے اپنے پیغمبروں کو تعلیم دے دی تاکہ معترضین کے اعتراضات کا قلع قمع ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ پیغمبروں کی مالی میراث کے قائل ہیں وہ پیغمبروں
کو اپنے پر قیاس کرتے ہیں۔ ان میں اور پیغمبروں میں جو عظیم الشان فرق ہے
اس کو نظر انداز کر جاتے ہیں ؎

کار پاکاں را قیاس خود مگیر،
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

یہ چھ۶ دلائل ہیں۔

ان میں پانچ نقلی ہیں اور آخری ایک دلیل عقلی ہے۔ جن سے واضح ہو رہا
ہے کہ پیغمبران علیہم السلام کے بعد ان کے وارث علوم شرعیہ کے وارث ہوتے
ہیں۔ دنیاوی چیزوں کے نہیں بنتے۔ دنیاوی متروکات پیغمبرانِ خدا کی راہ میں
وقف قرار پاتے ہیں۔ اور یہ کمالات نبوت میں سے ہے۔ جو شخص بھی انصاف
کی نگاہ سے ان دلائل کو دیکھے گا۔ ضرور اطمینان قلبی حاصل کر لے گا۔ اور جو
شخص تعصب کی نگاہ سے ان دلائل کو دیکھے گا۔ وہ معذور نہیں ہے۔ قیامت
کے مواخذہ سے ہرگز نہ بچ سکے گا ؎

بروز حشر ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

شیعہ کے دلائل اور اُن کے جوابات

شیعہ کی پہلی دلیل

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ

ترجمہ:۔ حکم کرتا ہے۔ تمہیں خدائے تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے کہ ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کا حصہ برابر ہے۔ ترجمہ ختم۔

اس آیت کے خطاب میں جس طرح امتی داخل ہیں اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ امتی اس جہان سے روانہ ہوں تو ان کی اولاد متروکات دنیاویہ حاصل کریں۔ اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان فانی سے روانہ ہوں تو ان کی اولاد متروکات دنیاویہ سے محروم رہیں۔

الجواب

اس آیت میں صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والوں کو خطاب ہے۔ آنحضور اس آیت کے خطاب کے مخاطب نہیں ہیں۔ وجہ اس کی وہ ہی دلائل ہیں جو ابھی ذکر کر چکا ہوں، جن میں احادیث آئمہ طاہرین علیہم السلام بھی موجود ہیں اور عقلی تائید سے نہایت مضبوط ہو چکی ہیں۔ شیعہ علماء اس موقعہ پر کہا کرتے ہیں، کہ حدیث قرآن کی تخصیص نہیں کر سکتی، مگر تعجب ہے کہ اگر اخبار آحاد سے قرآن کی تخصیص کرلیں تو وہ عین ثواب ہو، اور اگر سنی علماء یہی کام کریں تو وہ گردن زدنی ہو جائیں

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

شرح اس کی یہ ہے کہ آیت مندرجہ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ کے حکم میں شیعہ علماء نے خود تخصیص روا رکھی ہے۔ ان کی کتب فقہ میں مانع ارث بیسیوں لکھے ہوئے ہیں۔ چھ مانع تو صاحب شرح لمعہ نے بھی ذکر کر دئے ہیں۔
ناظرین کرام کی ضیافت طبع کے لئے نمونہ پیش کرتا ہوں۔

پہلا مانع کفر ہے۔ صورت اس کی یہ ہے۔ باپ مسلمان ہے اور بیٹا اس کا کافر ہے۔ باپ کے مرنے پر یہ کافر بیٹا اس کی میراث سے محروم رہے گا۔ اس تخصیص کے لئے ایک حدیث لکھتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں لا يرث الكافر المسلم ترجمہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔

یاد رہے کہ یہ حدیث اخبار آحاد میں سے ہے متواتر ہرگز نہیں ہے

دوسرا مانع قتل ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بیٹے نے اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ تو یہ بیٹا اپنے باپ کی میراث سے محروم ہو جائے گا۔ اس تخصیص کے لئے ایک حدیث لکھتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لا ميراث للقاتل، ترجمہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ قاتل کے لئے مقتول کی میراث نہیں ہے۔ فروع کافی جلد سوم ص۴۳۔ یاد رہے کہ یہ بھی خبر واحد ہے اور تخصیص ہو چکی ہے۔

تیسرا مانع غلامی ہے صورت اس کی یہ ہے باپ آزاد ہوگیا ہے اور اس کا بیٹا غلام ہے۔ اس باپ کے مرنے پر یہ بیٹا وارث نہیں ہو سکتا۔ اس تخصیص کے لئے بھی ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں

عن ابی عبد الله عليه السلام قال لا يتوارث الحر والمملوك

ترجمہ:۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ آزاد اور غلام ایک

دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ ترجمہ ختم

یہ حدیث فروع کافی ص۹۲ جلد سوم میں ملاحظہ کریں۔

چوتھا مانع لعان ہے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ کوئی مرد اپنی زوجہ پر زنا کی تہمت لگاتا ہے۔ اور گواہ زنا پیش نہیں کر سکتا۔ اور عورت انکار کرتی ہے اس مقدمہ میں قاضی خاوند کو حکم دے گا کہ چار قسمیں اپنی صداقت پہ کھانے کے بعد ایک لعنت کرے جس کا مضمون یہ ہوگا۔ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔

اس کے بعد قاضی زوجہ کو حکم دے گا کہ خاوند کے جھوٹ بولنے پر چار دفعہ خدا کی قسم کھائے۔ پھر کہے خداتعالےٰ کا غضب ہو مجھ پر اگر میرے خاوند نے اس معاملہ میں سچ کہا ہو۔ یہ ہے لعان کی صورت۔ شریعت میں یہ بھی ایک قسم کی سزا ہے اس کے بعد قاضی ان دونوں کے درمیان تعلق نکاح کو توڑ دیتا ہے۔ اندریں حالت جو لڑکا پیدا ہوگا، وہ لڑکا جب مرے گا تو اس لڑکے کا باپ میراث نہیں پائیگا۔

اس تخصیص کے لئے بھی ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں

عن ابی جعفر علیہ السلام ان میراث ولد الملاعنۃ لامہ فان کانت امہ لیست بحیہ فلا قرب الناس الی امہ اخوالہ۔ ترجمہ: حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا۔ لعان والی عورت کا بیٹا مر جائے تو اس کی وارث اس کی ماں ہے، اور اگر ماں زندہ نہ ہو تو اس لڑکے کے ماموں جو زیادہ قریب ہیں۔ ترجمہ ختم فروع کافی جلد سوم ص۵۸ پر یہ حدیث موجود ہے۔ اور یہ بھی خبر واحد ہے متواتر نہیں ہے۔

امید ہے کہ ناظرین کرام تخصیص کے ان نمونوں کو مطالعہ کرنے کے بعد خوب

سمجھ گئے ہوں گے کہ شیعہ نے بھی اس آیت میں تخصیص روا رکھی ہے اب اگر اہل السنت کے منہ سے تخصیص کا لفظ صادر ہو جائے تو اس میں کون سی قباحت لازم آئے گی۔ اس آیت کی تخصیص کے لئے جو حدیثیں اہل سنت نے پیش کی ہیں وہ چونکہ فریقین کی کتابوں میں برابر صحیح تسلیم کی گئی ہیں۔ جیسا کہ ذکر کر چکا ہوں اور ائمہ کرام علیہم السلام کی تصدیق شدہ ہیں۔ نیز درایت سے تائید یافتہ ہیں۔ اس لئے ان کی تخصیص کے درست ہونے میں تو کسی اہل انصاف کو شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ تخصیص کی حقیقت اظہار خصوصیت ہے اس لئے جو احادیث تخصیص کرتی ہیں وہ ناسخ نہیں بلکہ وہ تو مفسر ہیں۔

یُوصِیکُمُ اللہُ میں مخاطب مجمل ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث نے واضح کر دیا کہ یوصیکم کے خطاب میں پیغمبر علیہ السلام داخل ہی نہیں۔ نسخ تو جب ہوتا کہ خطاب کے اندر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہوتے اور یہ حدیث آنحضورؐ کو خارج کر دیتی جن لوگوں نے تخصیص کی حقیقت کی طرف توجہ نہیں دی۔ انہوں نے تخصیص کو عین نسخ سمجھ لیا۔ اور پھر فتویٰ صادر کر دیا۔ کہ خبر واحد تخصیص کے قابل نہیں ہوتی۔ اگر شیعہ و سنی کی کتب فقہ میں غور کرتے تو بہت جلد معلوم ہو جاتا کہ تخصیص سے کسی کو چارہ نہیں، جیسا کہ اوپر موانع کے بیان سے واضح ہو چکا ہے، اور پھر احادیث تخصیص کو متواتر ثابت کرنا نہایت ہی مشکل ہے۔ تواتر تو رہا بجائے خود شیعہ علماء تو احادیث تخصیص کی صحت بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ اگر کسی کو دعوےٰ ہے تو میدان میں آجائے ہم تو ہر وقت تحقیق کے واسطے بے قرار رہتے ہیں۔ ؎

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں،
لو آپ [illegible]

شیعہ کی دوسری دلیل

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا ہے جو سورہ مریم کے پہلے رکوع میں موجود ہے۔ فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا. يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔

ترجمہ:۔ پس عطا کر مجھے ایک لڑکا جو کہ میرا وارث بنے۔ اور حضرت یعقوب کی اولاد کا وارث بنے اسے میرے پروردگار اس کو پسندیدہ بنالو۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ لفظ وراثت مال کی وراثت میں حقیقت ہے۔ اور علم و نبوت میں مجاز ہے۔ اور حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کی طرف جانا اور علم و نبوت میں اس کا استعمال کرنا بدوں دلیل کے ہرگز جائز نہیں ہے۔ اور مخفی نہیں کہ کوئی دلیل قوی صارف عن الحقیقت نہیں ہے۔

فلک النجات جلد اول طبع اول ص۱۸۲ تفسیر عمدۃ البیان ص۲۹۹

الجواب

اس آیت میں وراثت علم شریعت مراد ہے۔ مال کی وراثت ہرگز مراد نہیں ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ پیغمبروں کی نگاہ میں مال دنیا کی کوئی قدر و قیمت اور عزت و منزلت نہیں ہوتی۔ یہ بزرگ تو علوم الٰہیہ اور احکام شرعیہ سے سروکار رکھتے ہیں۔ دنیاداروں کی نگاہ میں اموال دنیاویہ بڑی وقعت رکھتے ہیں۔ دنیادار چاہتے ہیں کہ ہماری کمائی اور ہمارا جمع شدہ ہماری اولاد ہی کے کام آئے کسی دوسرے کے کام نہ آئے۔ اگر دنیادار کا مال اس کے فرزندوں کے علاوہ کسی دوسرے رشتہ دار کے پاس چلا جائے تو اس کے پیٹ میں سخت درد اٹھتا ہے۔ اور نہایت غمناک ہوتا

ہے۔ مگر خدا کے پیغمبروں کا یہ حال نہیں ہے وہ خود بھوکے رہتے ہیں۔ اپنی اولاد کو اہل بیت کو بھوکا رکھتے ہیں۔ دو دو مہینے ان کے چولہوں سے دھواں نہیں نظر آتا۔ لیکن دنیاوی اموال جس قدر بھی آجاتا ہے وہ تقسیم کر کے مسجد سے جاتے ہیں۔ خدارا ان بزرگوں ہستیوں کو اپنے پر قیاس نہ کرو۔ یہ دلیل عقلی ہے جو ہر عقلمند کو مجبور کرتی ہے۔ کہ آیت زکریا میں علم شریعت کی وراثت مراد لیں۔ دنیاوی چیزوں کی وراثت مراد نہ لیں۔ اور اگر اس آیت کے ماقبل کو اور مابعد کو سوچ سمجھ کر دیکھ لیا جائے تو علمی میراث کے علاوہ کوئی معنے تصور میں بھی نہیں آسکتے۔ دیکھو آیت کے ماقبل میں یہ ارشاد ہے۔

وانی خفت الموالی من ورائی : ترجمہ:۔ اور میں ڈرتا ہوں اپنے رشتہ داروں سے جو کہ میرے پیچھے رہنے والے ہیں۔ ترجمہ ختم

اب سوچنا چاہئے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو کس بات کا ڈر ہے؟ کیا اس بات کا ڈر ہے کہ رشتہ دار چونکہ بدکار ہیں۔ وہ میرے مال کو برے کاموں میں خرچ کریں گے۔ اور یہ کارروائی آپ کو پسند نہیں ہے تو اس اندیشے کا علاج تو نہایت ہی آسان تھا کہ سارا مال خدا کی راہ میں خیرات کر دیتے۔ اور خدائی خزانہ میں جمع کرا دیتے

خدا کی راہ میں دینا ہے گھر کا بھر لینا
اِدھر دیا کہ اُدھر داخل خزانہ ہوا

دوسری بات یہ ہے کہ جب از روئے شریعت خداوندی آپ کے رشتہ دار مال کے وارث ہیں۔ اور قانون خداوندی آپ کا مال آپکے رشتہ داروں کو دلاتا ہے تو پھر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ گھبراہٹ تو حقیقت میں احکام شرعیہ سے گھبراہٹ معلوم ہوتی ہے جس سے خدا کے پیغمبر علیہ السلام لاکھوں میل دور ہیں۔ اور اگر آپ کو ڈر اس بات کا ہے کہ میرے رشتہ دار میرے بعد علم شریعت کے پھیلانے

میں اور دینِ اسلامی کی تبلیغ میں کوتاہی کریں گے تو یہ اندیشہ واقعی صحیح ہے اور انبیاء علیہم السلام کی شان کے مطابق ہے۔

اس صورت میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا میں بھی وراثتِ علم شریعت مراد ہوگی اور اگر کوئی وراثت مال مراد لینے کی کوشش کرے تو آیت کے ماقبل کے خلاف کرے گا۔ جو نظم قرآن کو مضر ہے۔ اور اگر اس آیت میں دعائے زکریا علیہ السلام کے مابعد کو دیکھا جائے تو ارشاد ہوا ہے۔ یٰیَحْیٰ خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ۔ یعنی اے یحییٰ اس کتاب کو زور سے پکڑ لو۔

ناظرین کرام! یہ وہ ہی مولود ہے جس کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے درخواست کی تھی۔ اللہ تبارک و تعالےٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو حضرت یحییٰ کی صورت میں قبول فرمایا۔ اور یحییٰ علیہ السلام کو حکم دیا۔ کہ اے یحییٰ۔ اس کتاب تورات کو قوت سے پکڑ لو۔ اگر حضرت زکریا علیہ السلام کی مراد مال کی وراثت ہوتی تو اللہ تعالیٰ یحییٰ علیہ السلام کو حکم دیتے کہ اے یحییٰ اس مال کو قوت سے پکڑ لو یَایَحْیٰ خذ المال بقوۃ فرمایا جاتا۔ لفظ الکتاب کی جگہ لفظ المال مناسب ہوتا۔

یہ تین ۳ دلائل ہیں۔

ایک عقلی اور دو ۲ نقلی، جو گواہی دیتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا میں علم شریعت کے وارث کی طلب ہے۔ مال کے وارث کی طلب نہیں ہے۔

اور صاحب فلک النجات نے جو فرمایا۔ کہ حقیقی معنے سے پھیرنے کے لئے یہاں کوئی قوی دلیل نہیں ہے۔ اور سید عمار علی صاحب نے عمدۃ البیان میں فرمایا ہے حقیقت چھوڑ کر مجاز کی طرف جانے کے لئے یہاں کوئی دلیل نہیں ہے۔

دونوں صاحب راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ اگر قرآن کے اندر تدبر سے کام لیتے

اور ساتھ اپنی عقل کو بھی استعمال کرتے تو ضرور ہدایت سے ہمکنار ہو جاتے ۔ ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ،

شیعہ کی تیسری دلیل

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن حکیم کی سورۃ نمل میں فرماتے ہیں، وَوَرِثَ سلیمان داؤد (یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ وراثت کا لفظ مال کی میراث میں حقیقت ہے۔ اور علم شریعت کی میراث میں مجاز ہے۔ اور حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لینے کے لئے کوئی دلیل چاہیئے۔ جو کہ یہاں موجود نہیں ہے

الجواب

اس آیت میں نبوت اور بادشاہت کی وراثت مراد ہے دلائل ملاحظہ ہوں

پہلی ۱ دلیل، آیت مذکورہ بالا کے بعد میں ہے ان ھذا لھو الفضل المبین ۔ یعنی یہی ہے واضح فضیلت۔ اس جملہ میں اسم اشارہ کا مشارٌ الیہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے خود بیان فرمایا ہے۔ جس کو تفسیر صافی جلد دوم ص۴۳ پر نقل کیا ہے۔ فی الجوامع عن الصادق علیہ السلام یعنی الملک والنبوۃ، ترجمہ، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اسم اشارے سے مراد بادشاہت اور نبوت ہے۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ آپ کے نزدیک حضرت سلیمان علیہ السلام نبوت اور بادشاہت کے وارث ہوئے ہیں۔ اگر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے تصور میں وہ چیز ہوتی جو حضرات

فلک النجات کے ذہن میں ہے تو آپ اسم اشارے کی یوں تفسیر فرماتے یعنی المال والنبوۃ مال کے لفظ کو ترک کر دینا، اور اس کی جگہ پر ملک و نبوت کو رکھ دینا صاف بتا رہا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کی مالی میراث آپ کے خیال شریف میں موجود نہیں ہے۔ یہاں سے اصول کافی کی حدیث ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا۔ کی بھی تصدیق ہوگئی۔

اب شیعہ حضرات جو اعتراض علمائے اہل سنت پر کرتے ہیں وہ ہی اعتراض حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالٰی عنہ پر وارد ہوگیا۔ کیونکہ حضرت امامؑ نے بھی میراث سلیمان علیہ السلام کے وہی معنے لئے جو کہ اہل سنت کے علماء بیان کرتے ہیں۔

دوسری دلیل:۔ ایک حدیث ہے جو اصول کافی مطبوعہ تہران ص۳۱۵ پر بدیں الفاظ درج ہے۔ قال ابو عبد اللہ علیہ السلام ان سلیمان ورث داؤد وان محمد اورث سلیمان۔ ترجمہ: حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث حضرت سلیمان ہوئے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوئے۔ ترجمہ ختم۔

ناظرین کرام! اس حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ محمد اور سلیمان علیہم السلام میں جس قسم کی میراث ہے۔ سلیمان اور داؤد میں بھی اس قسم کی میراث ہے۔

اس حدیث نے آیت سورہ نمل کی تفسیر کر دی ہے کہ آیت میں نبوت اور بادشاہت کی میراث ہے۔ شیعہ و سنی میں جس میراث کا تنازعہ ہے۔ آیت میں اس میراث کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہوگیا کہ لفظ وراثت بغیر مفعول بہ کے مذکور ہو تو اس صورت میں بھی مالی وراثت کے علاوہ دوسری وراثت مراد ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اصول کافی کی اس حدیث میں وراثت بغیر مفعول بہ کے مذکور ہے

اور مراد نبوت اور بادشاہت کی وراثت ہے۔ پس سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کا دعوےٰ کہ مطلق وراثت مال کی وراثت ہوتی ہے۔ اس حدیث نے باطل کر دیا۔

تیسری دلیل:۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزندوں کی تعداد انیس تک کتب تفسیر اور تاریخ میں ملتی ہے۔ دیکھو ناسخ التواریخ کتاب اول جلد اول ص۲۷۰ پر حضرت داؤد علیہ السلام کے چھ بیٹوں کے نام یوں لکھے ہیں۔ اوّل [illegible]ن، دوم کالاب، سوم ابی شالوم، چہارم ادونیا، پنجم سفطیا، ششم اثرعم پھر اسی کتاب کے ص۲۸۴ پر جا کر گیارہ بیٹوں کے نام اور تحریر کئے ہیں۔ جو پہلے چھ بیٹوں کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ اوّل ساموع، دوم ساخوب، سوم ناثان، چہارم سلیمان، پنجم یوخابار، ششم الیشع، ہفتم لفاغ، ہشتم یفیع، نہم الیسمع، دہم البدع، یازدہم الیفلط، یہ سترہ نام ہیں۔ زیادہ جستجو کی جائے تو امید ہے کہ باقی دو فرزندوں کے نام بھی مل جائیں گے۔ بہرحال حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزندوں کے متعدد ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ پس اگر آیت مذکورہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی مالی میراث کا مذکور ہوتا۔ تو آپ کے فرزندوں میں سے صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر کرنے میں کون سا فائدہ ہے؟ کیا یہ مقصود ہے کہ باقی فرزندوں کو محروم کر دیا گیا تھا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ نہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنی اولاد کو حقوق شرعیہ سے محروم کرنے والے اور نہ ہی حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے بھائیوں کو اُن کے حقوق سے محروم کرنے والے تھے۔ کلام اللہ بے فائدہ ہونے سے پاک ہے۔ اس لئے اس آیت میں میراث نبوت اور بادشاہت مراد ہوگا۔ اور متنازعہ فیہ وراثت سے اس آیت کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

یہ تین دلائل ہیں اس بات پر وورث سلیمان داؤد میں وراثت سے مراد وہ وراثت نہیں ہے جس میں شیعہ و سُنی اختلاف ہے۔ بلکہ مراد وراثت نبوت اور بادشاہت ہے۔ اب اگر کوئی کہہ دے کہ بغیر دلیل کے مجازی معنے مراد لے رہے ہیں تو یہ اس کی سینہ زوری ہوگی۔

اعتراض اوّل از صاحبِ فلک النجاۃ

صاحب فلک النجات طبع اول صـ٢٠٤ پر لکھتے ہیں اور اگرچہ کتب تفاسیر اہل تسنن میں داؤد علیہ السلام کے بیٹے بعض نے اٹھارہ لکھے ہیں لیکن حسب بیان ظاہر قرآن کے ایک سلیمان علیہ السلام ہی تھے۔ پڑھئیے۔

وورث سلیمان داؤد نعم العبد انہ اواب ٥

اس واسطے وارث صرف سلیمان ہی تھے۔

الجواب

کتب شیعہ میں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے انیس ہی لکھے ہوئے ہیں۔ دیکھو تفسیر عمدۃ البیان تصنیف سید عمار علی صاحب صـ٥١ نیز ملاحظہ ہو ترجمہ فارسی قرآن حکیم از مجتہد شیعہ مولوی محمد حسین صاحب خوانصاری صـ٣١٦

معلوم ہوا کہ صاحب فلک النجات کتب شیعہ کا مطالعہ نہیں دیکھتے۔ اگر آپ کتب شیعہ کا مطالعہ کرتے تو اس قدر عظیم الشان غلط بیانی کے مرتکب نہ ہوتے۔

قرآن حکیم سے حضرت داؤد علیہ السلام کے صرف ایک بیٹے کا ثبوت بھی عجیب ہے۔ ووھبنالداؤد سلیمان نعم العبد انہ اواب ٥

ترجمہ اور عطا کیا ہم نے داؤد کو سلیمان وہ نہایت ہی اچھا بندہ تھا۔ اور وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والا تھا۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! اس آیت شریف میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح تو ضرور موجود ہے۔ مگر اس کے دوسرے بھائیوں کی نفی موجود نہیں ہے۔ شاید شیعہ مذہب کے اصول میں یہ بھی قاعدہ رکھا ہوا کہ ایک فرزند کے ذکر سے دوسروں کی نفی ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم کے اندر پچیس ٢٥ پیغمبروں کے نام آئے ہیں۔ اس قاعدہ کی رو سے تو باقی پیغمبروں کی نفی ہو جانی چاہیئے۔

صاحب فلک النجات کے اس اعتراض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزندوں کا تعدد انہیں سخت نقصان دہ ہے۔ کیونکہ آپ کے فرزندوں کے تعدد کی صورت میں آیت وورث سلیمان داؤد میں نبوت اور بادشاہت کی وراثت بن جاتی ہے۔ وراثت متنازعہ فیہ ہرگز نہیں بن سکتی اسی واسطے صاحب فلک نے سارے جہان کے خلاف داؤد علیہ السلام کے فرزندوں کے تعداد کا انکار کیا ہے۔ اور ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاوہ بھی تھے۔ اس واسطے ہماری تیسری دلیل لاجواب دلیل ہو گئی ہے۔ جو کوئی یوں کہے کہ آیت میں وراثت بادشاہت مراد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مجازی معنے بغیر دلیل قوی کے مراد نہیں لے سکتے۔ تو یہ قول سینہ زوری ہوگی۔ جیسا کہ ہم پہلے اس سے ذکر کر چکے ہیں۔

اعتراض دوم از صاحبِ فلک النجات

کتاب فلک النجات طبع اوّل صـ٢٧٧ پر لکھتے ہیں

وورث سلیمان من ابیہ داؤد علیہ السلام الف فرس۔

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے باپ داؤد علیہ السلام سے ہزار گھوڑے کے وارث ہوئے۔ معلوم ہوا کہ آیت سورۂ نمل میں وراثت مالی مراد ہے۔ جو متنازعہ فیہ ہے۔

الجواب

لفظ وراثت معنے میں قبضہ کے بھی آتا ہے۔ جیسا کہ
وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ ترجمہ: اللہ تعالےٰ کے لئے آسمانوں اور زمینوں کا قبضہ۔ یعنی ہر چیز اسی کے قبضہ میں ہے
ترجمہ ختم

یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ کا کوئی رشتہ دار مر گیا ہے اور آپ کو آسمان و زمین میراث میں مل گئے ہیں۔ اسی طرح اس روایت میں بھی وراثت بمعنے قبضہ ہے۔ اور یہ ہزار گھوڑے کا قبضہ بادشاہی کے ضمن میں ہے کیونکہ جب حضرت داؤد علیہ السلام کی بادشاہی حضرت سلیمان علیہ السلام کو مل گئی تو حکومت کے گھوڑوں پر بھی انہیں کا قبضہ ہو گیا۔ حکومت کے خاص اموال کو حاکم ہی تصرف میں لاتے ہیں۔ اس قبضہ کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔
سُنیئے! آج کل ہمارے ملک میں کچھ زمینیں ایسی ہیں جو حکومت کی ملک میں ہیں۔ متعلقہ آفیسر یہ زمینیں رعایا کو پٹہ پر دیتے ہیں۔ اور وصول شدہ رقم سرکاری خزانہ میں جمع کرا دیتے ہیں۔ کیا ان حاکموں کو کوئی عقلمند آدمی ان زمینوں کا مالک تصور کر سکتا ہے۔ اسی طرح ہمارے ملک میں حکومت کے گھوڑے خچر بھی ڈپوؤں میں رکھے رہتے ہیں۔ ان میں بھی متعلقہ آفیسر سرکاری قاعدے کے مطابق تصرف کرتے رہتے ہیں۔ ان کو خود بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ اور دوسرے

لوگوں کو بھی استعمال کے لئے حسب قاعدہ حکومت دے سکتے ہیں۔ مگر کوئی عقلمند آدمی ان گھوڑوں اور خچروں کا مالک ان افسروں کو نہیں جانتا۔ بلکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ یہ سرکاری گھوڑے ہیں۔ پس اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہوئے تو شاہی گھوڑوں میں انکا تصرف جاری ہو گیا۔ اسی تصرف اور انتظامی قبضہ کو مفسرین کرام نے وراثت سے تعبیر کیا ہے۔ یہ وراثت بادشاہت ہے۔ جس کے ضمن میں گھوڑے کیا، سب حکومت کے اموال نئے حاکم کے تصرف اور انتظام کے اندر آجاتے ہیں۔ اس سے مالک ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام ہزار گھوڑے کے مالک ہوتے تو پھر آپ کو اپنی خاص ضروریات زندگی کے لئے ٹوکریاں بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ جو شخص ہزار گھوڑے کا مالک ہو وہ تو بڑا بھاری دولت مند ہوتا ہے گھوڑوں کا تناسل اور فروخت اتنی کثیر تعداد میں کئی کنبوں کی پرورش کے لئے کفایت کرتا ہے اور اس ذریعہ معاش میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ یہ گھوڑے آپ کی ذاتی چیز نہیں تھے بلکہ حکومت کے املاک میں سے تھے۔ اسی لئے آپ اپنی ذاتی ضروریات کے لئے ٹوکرے بنا کر بیچتے تھے۔ جیسا کہ مجتہد شیعہ علامہ محمد حسین صاحب خوانصاری اپنے فارسی ترجمہ قرآن مطبوعہ تہران صفحہ ۳۵ پر تحت آیت ووہبنا لداؤد سلیمان نعم العبد انہ اواب ۔ لکھتے ہیں۔
باوجود آں ملک و سلطنت زنبیل بافتے بجہت امر معاش خود بر حصیر خواب کردے ولحظہ از یاد حق غافل نہ بودے۔
ترجمہ:۔ باوجود اس بادشاہی کے اپنے گزارے کے لئے ٹوکریاں بناتے تھے۔ اور چٹائی پر نیند کر لیتے تھے۔ اور ایک دم بھی خدا تعالےٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ ترجمہ ختم

معترض صاحب کی خدمت میں اس کے سوا اور کیا عرض کیا جائے۔

سخن شناس نۂ دلبر خطا ایں جاست

اعتراض سوم از صاحب فلک النجات

فلک النجات طبع اول صـ۱۴۲ پر تحریر فرماتے ہیں نیز سلیمان علیہ السلام کو نبوت و علم داؤد علیہ السلام کی زندگی میں حاصل تھا۔ نہ کہ بعد وفات حضرت داؤد علیہ السلام کے ملا۔ دیکھو ولقد اٰتینا داؤد و سلیمان وعلما ثابت ہوا کہ وورث سلیمان داؤد سے مراد وراثت محض علم نہیں ہے۔ وراثت ترکہ مقصود ہے یا دونوں۔

الجواب

صاحب فلک النجات کے سوال سے معلوم ہوا کہ جو چیز کسی کی زندگی میں حاصل ہو۔ اس کے مرنے کے بعد اس کو وراثت سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ وراثت کے لئے ضروری ہے کہ بعد وفات حاصل ہو۔ اس نظریہ کی تردید کے لئے ہم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔

ملاحظہ ہو فروع کافی جلد سوم صـ۱۴۲

عن زرارہ عن ابی جعفر علیہ السلام قال ورث علی صلوات اللہ علیہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وورثت فاطمۃ علیہا السلام ترکتہ۔ ترجمہ:۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خدا کے رسول کے علم کے وارث ہوئے۔ اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا آپ کے متروکات کی وارث ہوئیں۔ ترجمہ ختم۔

کیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو یہ علوم پیغمبر آپ کی وفات کے بعد حاصل ہوئے اور آنحضور کی زندگی میں حاصل نہ تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مولوی کلینی تو اپنی کتاب کافی میں ائمہ کے لئے علم ما کان و علم ما یکون ثابت کرتا ہے اور ایک صاحب فلک النجات ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو علم شریعت کا بھی روادار نہیں بناتے نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج

تا ثریا مے رود دیوار کج

تعجب ہے کہ خود صاحب فلک النجات فروع کافی جلد سوم کی یہ حدیث بالفاظ اسی صفحہ پر درج کر چکے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ صاحب فلک نجات نے سنی تفسیروں کا مطالعہ کیا ہے۔ نہ شیعہ تفسیروں کا۔ اگر آپ نے کتب تفسیر فریقین کا مطالعہ کیا ہوتا تو ہرگز ایسی غلط بیانی نہ فرماتے۔ شیعہ تفسیروں میں سے میرے سامنے تفسیر صافی ہے جو کہ علمائے شیعہ کے ہاں نہایت ہی معتبر ہے۔ جلد دوم صـ۲۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔

وورث سلیمان داؤد الملک والنبوۃ۔ ترجمہ:۔ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے بادشاہت اور نبوت کے ترجمہ ختم۔

اور سنی تفسیروں میں سے میرے سامنے روح المعانی موجود ہے۔ جلد ہفتم صـ۱۷۱ پر لکھتے ہیں۔

وورث سلیمان داؤد ای قام مقامہ فی النبوۃ والملک و

وصار نبیًا ملکا بعد موت ابیہ داؤد علیہ السلام

ترجمہ :۔ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے یعنی نبوت اور بادشاہت میں ان کے قائم مقام ہوئے۔ اور اپنے باپ داؤد علیہ السلام کی موت کے بعد بادشاہ نبی بن گئے۔ ترجمہ ختم۔

قائم مقام ہونے کو وراثت سے تعبیر کیا ہے اور یہ کلام عرب میں شائع ہے۔ پس واضح ہوگیا کہ اس آیت میں محض علمی وراثت کا قول صرف سنی علمار تفسیر کا قول نہیں ہے یہ بھی صاحب فلک نجات کی جانب سے بہتان ہے۔ علمار تفسیر اہلسنت تو نبوت کے ساتھ کو ذکر کرتے ہیں۔ اور صاحب فلک النجات ہیں کہ بادشاہت کا نام لینے سے جی چراتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں بادشاہت کی وراثت شیعہ کو سخت مضر ہے۔ مگر کیا کیا جائے خود فلک نجات میں ص۳۷ پر رقمطراز ہیں قال الثعلبی فی عرائس المجالس ص۲۸۴ وورث سلیمان داؤد یعنی نبوتہ وحکمتہ وعلمہ وحکمہ۔

ترجمہ :۔ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ ان کی نبوت کے اور حکمت کے اور علم کے اور بادشاہت کے۔ ترجمہ ختم

اور باوجود اس کے فرماتے ہیں کہ اہل سنت اس آیت میں محض علمی وراثت کے قائل ہیں۔ سبحٰنک ھٰذا بھتان عظیم۔

اعتراض چہارم از صاحب فلک النجات

فلک نجات طبع اول ص۱۸۴ پر تحریر فرماتے ہیں۔ نیز باب مدینۃ العلم ہر دو آیات مذکورہ نبوت وراثت انبیاء کے استدلال میں حضرت ابی بکر کے سامنے پیش کی ہیں۔

اور جناب مرتضیٰ علیہ السلام کا استدلال کرنا ہمارے مدعا کی تائید میں کافی دلیل اور تمسک کے لئے عروہ وثقی ہے۔ اور استدلال علیؑ کا آیات مذکورہ سے بروایت ابن سعد کنز الاعمال جلد سوم ص۱۳۴ میں مذکور ہے۔

الجواب

کنز العمال کی اس روایت کے راوی شیعہ لوگ ہیں۔ اس لئے اہل سنت کی تفسیر وراثت پر اعتراض کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ سید مرتضیٰ جیسے شیعہ متکلمین کے سردار نے اس روایت کا سہارا نہیں لیا۔

نیز ابن ابی الحدید جیسے شیعہ متکلم نے اس روایت کو نہج البلاغۃ کے فصول فدک میں ذکر نہیں کیا۔ جو شخص کنز الاعمال کی کوئی روایت ہمارے سامنے پیش کرے۔ اسے چاہئے کہ کنز الاعمال کے مقدمے کا ملاحظہ کرے۔ جہاں لکھا ہے کہ کتاب کنز الاعمال حقیقت میں جلال الدین سیوطی کی جمع الجوامع ہے اور ظاہر ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے جمع الجوامع میں صحت کا التزام نہیں کیا۔ بلکہ ہر قسم کی حدیثیں جمع کر دی ہیں۔ عام اس سے کہ قوی ہوں یا ضعیف۔ منکر ہوں یا شاذ۔ مقبول ہوں یا مردود۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے ص۱۳۵ پر کتب حدیث کے طبقات کی تشریح کے بعد لکھا ہے۔

فالانتصار بھا غیر صحیح فی معارک العلماء بالحدیث

ترجمہ :۔ چوتھے طبقہ کی کتابوں سے امداد لینا۔ علمائے حدیث کی مجلسوں میں درست نہیں ہے۔ ترجمہ ختم

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کنز الاعمال کی یہ روایت موضوع ہے۔ یا ایسی ضعیف ہے کہ قابل حجت نہیں

بابِ دوم

حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی شان کے بیان میں

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے فضائل سے کتب فریقین لبریز ہیں۔ سارے اہل اسلام آں معصومہ کے اوصافِ حمیدہ کے دل وجان سے گرویدہ ہیں۔ آپ ہی کی ہستی ہے جس کے متعلق آج تک دو رائیں پیدا نہ ہوسکیں۔ یہاں تک کہ جب حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک محبوب ترین کون تھا؟ تو فرمایا فاطمہ، پھر پوچھا گیا۔ کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بعد محبوب ترین کون تھا؟ تو فرمایا حضرت فاطمہؑ کے خاوند کرم اللہ وجہہٗ، سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے وہ صرف آپ کی ذات جامع کمالات ہے۔ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس ہستی کو اپنی خاص جگہ پر بٹھایا کرتے تھے۔ وہ آپ ہی کی ذات ستودہ صفات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر پر روانہ ہونے لگتے۔ تو آخری الوداع جس سے کرتے وہ آپ کی ذات بابرکات ہوتی تھیں۔ اور جب سفر سے واپس تشریف لے آتے تو سب لوگوں سے پہلے جس سے ملاقات فرماتے۔ وہ آپ ہی کی

ذات منبع سعادات ہوتی تھی۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو تمامی بہشتی عورتوں کی سیادت سے مسرور فرمایا، اور دنیا کی ساری عورتوں کی سرداری کا مژدہ سنایا۔ اقربیت رسولؐ اور لقب بتول آپ کے زہد اور ترک دنیا پر دو زبردست گواہ ہیں۔ اور ایسی زبردست شہادت کو نہ ماننے والا ظلوم وجہول ہے۔ آپ ہی کو اپنے بدن کا ٹکڑا فرمایا۔ آپ کی خوشی کو اپنی خوشی اور آپ کے رنج کو اپنا رنج فرمایا۔ پس جو شخص آپ کو زاہدہ اور تارکہ دنیا بتاتا ہے۔ وہ ضرور آپ کو خوش کرتا ہے۔ اور جو شخص حضرت بتولؑ جگر گوشہ رسولؐ کو دنیا دار خیال کرتا ہے۔ وہ ضرور آپ کو رنج پہنچاتا ہے۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جہانِ فانی سے رحلت فرمانے لگے تو فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے کان میں ایک راز کی بات کہہ دی۔ جس سے آپ رونے لگیں تو فی الفور ایک ایسی بات آپ کے گوش گذار کی جس سے آپ کے وجود پاک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اور بجائے رونے کے ہنسنے لگیں۔ قیامت کے دن جب حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا بہشت میں جانے کے لئے تیار ہوں گی۔ تو جبریل امین بلند آواز سے کہیں گے کہ لوگو آنکھیں بند کر لو۔ تاکہ فاطمہ بنت محمدؐ گذر جائیں۔ پس نبی رسول، صدیق شہید سب آنکھیں بند کر لیں گے اس وقت تک کہ آپ پردے میں گذر جائیں گی اور بہشت میں داخل ہو جائیں گی۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہا۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن، کمال بے ادبی است

ناظرین کرام! کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے خلیفۂ اول سے زمینِ فدک کا مطالبہ کیا۔ اور دستیاب نہ ہونے پر آپ خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئیں اب ہم ان دونوں باتوں کے متعلق تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔ اور حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ سُنئے۔

واقعی حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے میراث کی راہ سے فدک وغیرہ کا مطالبہ کیا۔ اس مطالبے کا محرک کیا تھا؟ اس کے دریافت کرنے میں آج تک حق تحقیق ادا نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اصل چیز اس مسئلہ میں محرک ہی معلوم کرنا تھا شیعہ علمار نے اپنی تصنیفات میں لکھا ہے کہ آپ نے فدک کا مطالبہ کر کے دنیا پر واضح کر دیا۔ کہ یہ شخص خلافتِ نبوت کے قابل نہیں ہے۔ حقداروں کے حقوق دینا دلوانا ہی تو خلیفہ برحق کا کام ہے۔ جس نے اربابِ حقوق کو ان کے حق نہ دیئے ہوں وہ بادشاہ تو ہو سکتا ہے پیغمبر کا جانشین برحق نہیں ہو سکتا۔ عام رعایا کا حق مار لینا ظالم ہونے کے لئے کافی ہے۔ تو آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق دبا لینے والا بڑا بھاری ظالم نہ کہلائے گا۔ تو اور کیا کہلائے گا۔ اور مسلم ہے کہ ظالم کو خلیفہ برحق نہیں کہا جا سکتا۔

ناظرین کرام! شیعہ علمار کی اس تقریر میں حسب ذیل خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

پہلی خرابی

یہ تقریر بتلا رہی ہے کہ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق نہیں جانتی تھیں۔ بلکہ ظالم جانتی تھیں اور شیعہ کے یہاں مسلم ہے کہ ظالم حاکم کے پاس مقدمہ لے جانا حرام ہے۔

ملاحظہ ہو فروع کافی جلد سوم صـ ۲۲۵

عن عمر بن حنظلہ قال سئلت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن رجلین من اصحابنا یکون بینھما منازعۃ فی دین او میراث فتحاکما الی السلطان او القضاۃ یحل ذٰلک فقال من تحاکم الی الطاغوت فحکم لہ فانما یاخذ سحتا و ان کان حقہ ثابتا لانہ اخذ بحکم الطاغوت وقد امر اللہ ان یکفر بہ۔

ترجمہ:۔ عمر بن حنظلہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ان دو مردوں کے بارے پوچھا جو ہمارے شیعہ میں سے ہوں اور ان کے درمیان قرضے یا وراثت میں تنازعہ پیدا ہو جائے پھر وہ مقدمہ لے جائیں بادشاہ یا اس کے قاضیوں کے پاس کیا یہ کام حلال ہے۔ حضرت امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جو شخص بھی مقدمہ لے جائے ظالم حاکم کے پاس۔ پس وہ حاکم اس کے حق میں فیصلہ کر دیوے تو وہ مدعی جو چیز وصول کرے گا۔ وہ اس کے لئے حرام ہو گی۔ اگرچہ واقعہ میں مدعی کا اپنا حق ہو۔ اس لئے کہ اس نے ظالم کے فیصلہ کے ذریعہ سے وہ چیز حاصل کی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالے نے حکم دیا ہے کہ اس کی ہر بات کا انکار کیا جاوے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث بلند آواز سے کہتی ہے کہ شیعہ کو غیر شیعہ حاکم کے پاس مقدمہ لے جانا حرام ہے۔ مطالبۂ فدک کی مندرجہ بالا حکمت بیان کرنے والے شیعہ حضرات بتلائیں کہ اس حدیث کے ہوتے ہوئے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا فدک کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کر کے معصوم رہ سکتی ہیں۔

اب شیعہ علمار کو تین راستوں میں سے ایک راستے پر ضرور گامزن ہونا ہو گا۔

اول:۔ فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کی عصمت کے عقیدے کو ترک کر دیویں یا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس حدیث کو جھٹلا دیویں یا پھر مطالبہ کی اس توجیہہ سے توبہ کریں۔ راقم الحروف ازراہ خیر خواہی شیعہ علماء کو مشورہ دیتا ہے کہ دونوں بزرگوں کی عصمت کو ترک نہ کریں۔ اور مطالبہ فدک کی جو وجہ بیان کی ہے اس سے رجوع کر لیں۔ ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست،
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ،

دُوسری⁽²⁾ خرابی

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے علم اور حکم کے بغیر مطالبۂ میراث حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اور جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حکم سے یہ مطالبہ ہوا ہے تو حضرت علی المرتضیٰؓ کی عصمت بھی داغدار ہو گئی۔ اوپر درج شدہ حدیث کے علاوہ ایک اور حدیث شریف ملاحظہ ہو۔ فروع کافی جلد سوم صـ۲۲۵۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ایما مؤمن قدم مؤمنا فی خصومۃ الی قاض او سلطان جائر فقضی علیہ بغیر حکم اللہ فقد شرکہ فی الاثم۔

ترجمہ:- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کوئی مومن کسی مومن کو کسی مقدمہ میں ظالم بادشاہ یا ظالم قاضی کے پاس جانے کو کہے پھر اس قاضی یا بادشاہ نے خدا کے حکم کو چھوڑ کر کوئی اور فیصلہ دیا تو یہ دونوں مومن گناہ میں برابر کے حصہ دار ہیں۔

ناظرین کرام! یہ حدیث مقدمہ لے جانے والے کو ظالم کے یہاں اور مشو...

دینے والے کو گنہگار بتلا رہی ہے۔ پس اس حدیث نے حضرت علی المرتضیٰ کو بھی گنہگار بنا دیا۔ کیونکہ یہ مرافعہ ان کے مشورہ کے بغیر ناممکن ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ظالم طاغوت تسلیم کر کے ان کے یہاں مقدمہ لے جانے سے جب ائمہ کرام علیہم السلام کی عصمت اور صداقت پر حرف آتا ہے تو بہتر یہی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ظالم کہنا چھوڑ دیں۔ اگر صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ظالم کہتے رہو گے تو پھر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی عصمت ہرگز قائم نہیں رہ سکتی ؎

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں،
لو آپ اپنے دام میں صیّاد آگیا

تیسری⁽³⁾ خرابی

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے تمام اخراجات حضرت صدیقؓ نے فدک کی آمدنی ہی سے پورے کئے اور یہ کاروائی آخری دم تک جاری رہی۔ ملاحظہ ہو۔ سید علی نقی فیض الاسلام کی فارسی کی شرح نہج البلاغۃ جلد پنجم صـ۹۶

خلاصہ ابوبکر غلہ و سود آنرا گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت علیہم السلام میداد، و خلفاء بعد از وہم برآں اسلوب رفتار نمودند۔

اگر حضرت ابوبکر ظالم ہوتے تو ان کے ہاتھ سے اخراجات ہرگز وصول نہ کئے جاتے۔

شیعہ مذہب میں ظالم سے تبرا نہایت ضروری ہے۔ بلکہ اصول الاصول ہے۔ کہتے ہیں تولا بے تبرا نیست ممکن یعنی اہل بیت سے دوستی جبھی متصور ہو سکتی ہے کہ خلفائے ثلاثہ سے بیزاری ظاہر کی جائے۔ جب اہل بیت علیہم السلام نے ابوبکرؓ سے گھر کے اخراجات وصول فرمائے تو تبرا درمیان سے اٹھ گیا۔ اور تبرا کے اُٹھ جانے سے [illegible]

شیعہ علماء کی مندرجہ بالا توجیہ باطل ہو گئی۔

ایک اور توجیہ

بعض اہل علم نے کہا ہے۔ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا انبیاء اور غیر انبیاء کے درمیان مسئلہ میراث میں فرق نہ جانتی تھیں۔ اس واسطے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی میراث کا مطالبہ کر دیا۔ مگر پہلی توجیہہ کی طرح سے یہ توجیہہ بھی غلط ہے۔

اوّل:۔ اس لئے کہ شیعہ وسنی کتب حدیث میں ایسی روایات پائی جاتی ہیں۔ جن سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ اس مسئلہ کو جانتی تھیں۔ ملاحظہ ہو۔ کتاب ناسخ التواریخ جلد چہارم از کتاب دوم ص ۲۳۹

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلت فداها ابوها ثلث مرات لیست الدنیا من محمد ولا من ال محمد ولوكانت الدنیا تعدل عند اللہ من الخیر جناح بعوضۃ ما اسقی فیها كافر شربة ماء ثم قام فدخل فیها

ترجمہ:۔ فاطمہؓ نے ٹھیک کام کیا۔ اس کا باپ اس پر فدا ہو۔ اس فقرے کو آنحضورؐ نے تین دفعہ دہرایا۔ اور پھر فرمایا۔ بات یہ ہے کہ دنیا محمد کے لئے نہیں ہے۔ اور نہ ہی محمد کی اولاد کے لئے ہے۔ اگر دنیا کی قدر و قیمت خدا تعالےٰ کے یہاں مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ ملتا۔ پھر آنحضورؐ کھڑے ہو گئے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں داخل ہو گئے۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ملنے کے لئے تشریف لے آئے ہیں۔ گھر میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ کچھ دنیاوی چیزوں پر نظر پڑ گئی ناراض ہو کر

ہٹ گئے۔ حضرت فاطمہؓ کو خبر ہوتی ہے تو سب کچھ خدا کی راہ میں خرچ کر دیتی ہیں۔ جب آنحضورؐ کو یقین ہو جاتا ہے کہ اب اس گھر میں کوئی دنیا کی چیز نہیں ہے۔ تب جا کر آنحضورؐ اپنے سرور کا اظہار فرماتے ہیں۔ اور حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کے گھر میں قدم رنجہ فرما کر گھر والوں کو خوش کرتے ہیں۔ اس حدیث میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ دنیا محمدؐ کے لئے نہیں ہے۔ اور نہ ہی آل محمدؐ کے لئے ہے۔ انبیاء اور غیر انبیاء میں جو فرق ہے اس کو بالکل کر چکا ہے۔ اور مسئلہ میراث میں اگر کچھ خفا باقی تھا تو اس کو دور کر دیا ہے۔

سوچنے کا مقام ہے کہ آنحضورؐ دنیا سے بے تعلقی کے اظہار کے موقع پر اپنی آل کو اپنے ساتھ ملا کر ذکر کرتے ہیں۔ اور کسی کو اس موقعہ پر اپنے ساتھ نہیں ملاتے۔ اس میں حکمت یہی ہے کہ آپؐ دنیاوی وراثت سے پاکیزگی کا اظہار فرما رہے ہیں اور اپنی اولاد کو اپنی زندگی میں اس مسئلہ کی عملی تعلیم دے رہے ہیں۔ جن لوگوں کو آنحضورؐ نے قول سے اور عمل سے ترکِ دنیا کی ایسی تعلیم دی ہے کیا وہ نہیں جانتے کہ انبیاء اور غیر انبیاء میں دنیاوی میراث کے اعتبار سے کس قدر تفاوت ہے؟ نتیجہ یہ ہے کہ آپ کی آغوش میں تربیت پانے والے اس مسئلہ سے ناواقف نہیں ہو سکتے

دوم:۔ اس لئے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس مسئلہ کو خوب جانتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے باب میں مذکور ہوا۔ اور حضرت امام عالی مقام حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے پوتے ہیں۔ تو ضروری ہے کہ اس مسئلے کا علم آپ کو اپنی دادی کی جانب سے بطورِ وراثت حاصل ہوا ہو۔ اگر حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا اس مسئلہ کو نہ جانتی تھیں تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو اس مسئلے کا علم کس طرف سے حاصل ہوا!

اگر کوئی یوں کہے کہ حضرت امام علیہ السلام کو بذریعہ وحی خداوندی اس مسئلے کا علم

حاصل ہوگیا۔ توہم کہتے ہیں کہ اس وحی خداوندی کو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ سے کوئی عداوت تھی کہ انہیں اس مسئلہ کی خبر نہ دی۔ اور ان کے پوتے سے کچھ زیادہ محبت تھی کہ

ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا۔ کا پیغام آکر پہنچا دیا

نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا اس مسئلے کو جاننا حضرت فاطمہ زہرا کے اس مسئلے کو جاننے کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ اصطلاح منطق میں یہ دلیل اِنّی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اب واضح ہوگیا کہ یہ لاعلمی والی توجیہ بھی بے کار سی ہے۔ اور طالب حق کے لئے مطالبہ کی اس توجیہہ میں کوئی اطمینان کا سامان نہیں ہے۔

تحقیق مؤلف

راقم الحروف کے نزدیک حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کا مطالبہ میراث اس واسطے تھا کہ نفی میراث انبیاء کا نظریہ دنیا میں خوب مشہور ہو جائے۔

اگر آپ دربار خلافت میں اس مطالبہ کو پیش نہ فرماتیں۔ تو حدیث لانورث کو یہ شہرت ہرگز حاصل نہ ہوتی۔ جو کہ اس حدیث کو دنیا میں اب حاصل ہے۔ پہلے مسلمانوں کے عام مجمع میں میراث کے مسئلے کا پیش ہونا اور پھر سارے مجمع کا حدیث لانورث کو سن کر تسلیم کر لینا۔ کسی ایک فرد کا انکار نہ ہونا۔ ایک ایسی چیز ہے کہ اس حدیث کو شہرت کے آخری مقام پہ پہنچا دیتی ہے۔ اور مطالبہ میراث جس ہستی کی جانب سے اٹھایا گیا تھا۔ اس کا مقصود باحسن وجوہ ہوگیا۔

اس حدیث کو اس قدر مشہور کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ انبیاء کی

دنیاوی میراث کا نہ ہونا دلائل نبوت میں سے ایک عظیم الشان دلیل تھی۔ اور خصائص نبوت میں سے ایک عظیم خصوصیت تھی۔ جیسا کہ پہلے باب میں خوب وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اور حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا جانتی تھیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد بہت سے لوگ نبوت کا دعوے کر کے ختم نبوت کے بنیادی عقیدے کو مسلمانوں کے دل سے نکالنے کی کوشش کریں گے۔ اور مقصود اس ساری جعلسازی سے دنیاوی فوائد ہوں گے۔ حدیث لانورث کی شہرت اور عدم میراث انبیاء کے مسئلہ کی وضاحت اس وقت روشنی کے مینار کا کام دے گی

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جس شخص نے بھی آج تک خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس نے دنیا کے جمع کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی خود بھی آرام سے زندگی گزاری۔ اور اولاد کو بھی آسودگی کی زندگی کے راستے پہ لگا دیا۔ اس موقعہ پہ جن لوگوں نے روشنی کے اس مینار کو دیکھ لیا۔ وہ فوراً تاڑ گئے کہ یہ صاحب جھوٹے ہیں۔ اصلی نبی نہیں بناسپتی نبی ہیں۔

پس حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا نے پیغمبروں کی میراث کے قاعدے کو مشہور کر کے قیامت تک جھوٹے دعوے کرنے والوں کی تعیین فرما دی۔ اور نبوت کی تشخیص کا ایک ایسا آلہ لوگوں کے حوالے کیا۔ جس کے ہوتے ہوئے کسی جھوٹے کی دوکان چالو نہیں ہو سکتی۔ حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کی یہ کاروائی حقیقت میں ختم نبوت کی عظیم الشان خدمت ہے۔ اور اس خدمت کے لئے آل پیغمبرؐ سے زیادہ موزوں کون ہو سکتا ہے؟ خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مسیلمہ کذاب سے جنگ کر کے ختم نبوت کے مسئلہ کی خدمت کی تو حضرت فاطمہ زہرا صلوات علیہا نے عدم میراث انبیاء کے مسئلہ کو مشہور کر کے تاج ختم نبوت کو چار چاند لگا دیئے۔ سچ ہے۔ عادات السادات

ساوات العادات

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

سوال

حدیث لا نورث کی شہرت عوام کے مجامع میں بار بار کرنے سے ہو سکتی تھی۔ دربار خلافت میں مطالبۂ میراث کے ذریعہ اس حدیث کو شہرت دینے کی کیا ضرورت تھی۔

جواب

اس حدیث کے معانی میں بہت سے احتمالات پیدا ہو سکتے تھے۔ منقول کے میراث کی نفی ہو یا غیر منقول کی میراث کی نفی ہو۔ یا دونوں میراث کی نفی ہو۔ دربار خلافت میں جب اس حدیث نے ایک عظیم الشان مقدمے کا فیصلہ کیا۔ تو اس کی مراد متعین ہوگئی۔ اور باقی احتمالات رفع ہوگئے۔ قانون کی صحیح تفسیر ہائی کورٹ میں ہوتی ہے۔ اور وہ ہی قانون کی تشریح معتبر اور مستند ہوتی ہے جو ہائیکورٹ سے کسی فیصلہ کے ضمن میں صادر ہوتی ہے۔

مسلمانوں کے سب سے بڑے اور سب سے پہلے ہائی کورٹ نے اوّل اوّل دو مسئلے حل کئے

پہلا (۱)

یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی دنیادی میراث کوئی نہیں ہے۔

دوسرا (۲)

یہ کہ جو شخص بھی آنحضرتؐ کے بعد نبوت کا دعوےٰ کرے اس سے جنگ کرنا اہل اسلام پر لازم ہے۔

ان دونوں مسئلوں کا تعلق عقیدۂ ختم نبوت سے ہے۔ پہلے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب جھوٹے پیغمبروں کی نشان دہی کر دی۔ اور دوسرے مسئلہ نے ان پر فرد جرم عائد کر دیا۔ اور اس جھوٹے دعویٰ کی سزا مقرر کر دی پہلے مسئلہ کی تحریک کا شرف اللہ تعالےٰ نے حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کو عطا کیا۔ تو دوسرے مسئلہ کی تحریک کا سہرا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سر پر باندھا۔ ان دونوں بزرگ ہستیوں کو ختم نبوت کے اولین خدمت کار کا لقب دینا عین ثواب ہے۔ اور اس مسئلہ میں شک وشبہ کی گنجائش کا تصور کرنا سرمایۂ عذاب ہے۔

ناظرین کرام! اب واضح ہوگیا کہ اس مطالبہ کی حقیقت کیا تھی اور یہ کیا سمجھے سے

بر افگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاراں دیگرے را مے پرستند

مسئلہ رضامندی

جب مطالبۂ فدک کی حقیقت واضح ہو چکی تو ضرور ہوا۔ کہ ناظرین کرام کے سامنے رضامندی کا مسئلہ رکھا جائے۔ پہلے باب میں خوب وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبروں کے فرزند اُن کے دین کے وارث ہوتے ہیں۔ دنیادی چیزیں

وراثت میں نہیں پاتے۔ پیغمبر جو کچھ چھوڑ کر اس جہان فانی سے روانہ ہوتے ہیں وہ وقف کر جاتے ہیں۔

ائمہ کرام اہل بیت علیہم السلام کی حدیثوں سے اس مسئلہ کو ثابت کیا گیا ہے اور عقلی دلائل سے بھی اس نظریہ کو مزین کیا گیا ہے۔ پس ناممکن ہے کہ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا ایسے واضح اور مضبوط مسئلہ کو سُن کر غضب ناک ہو جائیں۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حدیث شریف سُن کر آپ کی طبع شریف کا ناراض ہو جانا مستحیلات عقلیہ میں سے ہے۔ اس قسم کے تصورات اسی شخص کے ذہن میں آسکتے ہیں جو آپ کی علوشان سے ناواقف ہو۔ اور پھر ان کی تصدیق کرنا اس کا کام ہے جو آپ کے علمی اور عملی کمالات پر پورا یقین نہ رکھتا ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس عقلی مسئلہ کو روایات کی روشنی میں بھی ناظرین کرام کے سامنے رکھ دیں۔ تاکہ کوئی یوں نہ کہے کہ یہ مسئلہ روایات کی تائید سے عاری ہے

لیجئے صاحب ملاحظہ ہو۔ شرح نہج البلاغۃ مطبوعہ ایران از علامہ ابن میثم بحرانی ص۵۴۳ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاخذ من فدک قوتکم ویقسم الباقی ویحمل منہ فی سبیل اللہ ولک علی للہ ان اصنع بہا کما کان یصنع فرضیت بذٰلک واخذت العہد علیہ بہ وکان یاخذ غلتہا فیدفع الیہم منہا ما یکفیہم ثم فعلت الخلفاء بعدہٗ کذٰلک الی ان ولی معاویۃ۔

ترجمہ :- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا سے خطاب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔ کہ خدا کے رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم فدک کی آمدنی میں سے تمہارا اہل بیت کا خرچ الگ کر لیتے تھے۔ اور جو کچھ باقی بچ جاتا مسکینوں

میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اور اس میں جہاد کے لئے سواریاں دیتے تھے۔ اور خدا کی رضامندی کے لئے آپ کا مجھ پر حق ہے۔ کہ فدک کے بارے میں وہ ہی کاروائی کروں۔ جو کاروائی حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کیا کرتے تھے پس حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا اس بات پر راضی ہوگئیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عہد لے لیا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ارض فدک کی آمدنی میں سے اہل بیت علیہم السلام کو اس قدر دیتے تھے کہ سال بھر کے اخراجات کے لئے کافی ہو جاتا تھا۔ پھر باقی خلفاء نے بھی اس طرح کیا۔ یہاں تک کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ملک کے والی ہوئے ترجمہ ختم۔

ناظرین کرام اس روایت سے چار مسئلے واضح ہوئے ہیں

پہلا (۱) :- یہ کہ فدک سے متعلق نبوی طرز عمل میں اور صدیقی طرز عمل میں کوئی تفاوت نہیں تھا

دوسرا (۲) :- یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا راضی تھیں اور صدیقی طرز عمل آپ کو پسندیدہ تھا۔

تیسرا (۳) :- یہ کہ اہل بیت علیہم السلام کے گھر کے اخراجات آخری دم تک فدک کی آمدنی میں سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پورے کرتے رہے۔

چوتھا (۴) :- یہ کہ خلفائے اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کاروائی فدک سے متعلق ایک ہی طرح کی رہی ہے۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فدک مروان کو بخش دیا تھا۔ وہ غلط بات ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فدک میں سے کچھ حصہ مروان کو دے دیا تھا۔ پھر مروان نے اپنی حکومت کے دوران میں سارے کا سارا فدک اپنی ملک میں لے لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ [illegible]

ناظرین کرام! رضامندی فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کی یہ روایت صرف ایک ہی کتاب میں مذکور نہیں ہے۔ بلکہ اس روایت کو ابن میثم کے علاوہ دوسرے علمائے شیعہ نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

راقم الحروف کے مطالعہ میں جو کتابیں آچکی ہیں۔ ان کے نام تعیین صفحہ کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔ درہ نجفیہ شرح نہج البلاغۃ مطبوعہ تہران ص۳۳۲ حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد دوم جزو شانزدہم ص۲۹۶ سید علی نقی فیض الاسلام کی فارسی شرح نہج البلاغۃ جزو پنجم مطبوعہ طہران ص۹۶۰

اب بھی کوئی شخص اس روایت کو سنیوں کی طرف منسوب کرے تو عدالت اور انصاف سے بہت دور ہوگا۔ ہم اس کو ہٹ دھرم نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟ نیز اگر یہ روایت سنیوں کی گھڑی ہوئی ہے تو علمائے اہل سنت کی کسی کتاب میں سے نکال کر دکھلا دیویں۔ جہاں تک راقم الحروف کے مطالعہ کا تعلق ہے۔ سُنی علماء نے اس روایت کو اپنی تصنیفات میں درج نہیں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب شیعہ مصنفین اس روایت کو اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں۔ تو اہل سنت کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ اگر یہ روایت علمائے اہل سنت کی کسی کتاب سے نقل کی جاتی تو شیعہ علماء چوکنے والے نہیں تھے ضرور تصریح کر دیتے کہ روایت اہلسنت کی فلاں کتاب سے ہم نے نقل کی ہے۔

ناظرین کرام! جب یہ ثابت ہوگیا کہ یہ روایت خاص شیعہ کی ہے تو اس روایت میں اگر کوئی لفظ یا فقرہ ایسا ہے جو اہل سنت کی تحقیقات کے برخلاف ہو تو وہ اہل سنت کو کچھ ضرر نہیں دے سکتا۔ اس لئے کہ شیعہ روایت شیعہ پر حجت ہوتی ہے۔ اہل سنت پر ہرگز حجت نہیں بن سکتی۔

سوال

رضامندی فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی اس روایت کی ابتدا لفظ رُوِی سے ہے جو کہ صیغہ فعل مجہول ہے۔ اور یہ عنوان روایت کے ضعیف ہونے کا نشان ہے۔ اور ناراضگی کی روایت مشہور کے عنوان سے شروع کی گئی ہے۔ جو روایت کے قوی ہونے کا نشان ہے۔ پس اس کو ترجیح ہوگی۔ اور رضامندی کی روایت ساقط عن الاعتبار ہوگی۔

جوابِ اوّل

شیعہ کے اصول کو دیکھا جائے تو ان کے یہاں روایت بصیغۂ مجہول ضعف کا نشان نہیں ہے بلکہ عدم شہرت کی دلیل ہے۔ اسی واسطے ابن میثم بحرانی نے ناراضگی کی روایت کو لفظ مشہور سے شروع کیا ہے۔ اب قابل غور بات یہ ہے کہ شیعہ کے یہاں جو بات مشہور ہو وہ حق ہوتی ہے۔ یا غیر مشہور بات برحق ہوتی ہے؟ تو کتب اصول شیعہ دیکھنے سے معلوم ہوا ہے کہ جو بات ان کے یہاں مشہور ہوگی وہ باطل ہوگی۔ اور جو بات ان کے یہاں غیر مشہور ہوگی وُہ برحق ہوگی۔

لاحظہ ہو صافی شرح اصول کافی کتاب الایمان والکفر جزو چہارم حصہ دوم باب الکتمان ص۲۵ عن معلی بن خنیس قال قال ابو عبد اللہ علیہ السلام یا معلی اکتم امرنا ولا تذعہ فانہ من کتم امرنا ولم یذعہ اعزہ اللہ بہ فی الدنیا وجعلہ نورا بین عینیہ فی الآخرۃ تقودہ الی الجنۃ۔

ترجمہ: معلی بن خنیس [illegible]

السلام فرماتے ہیں۔ اے معلے ہماری باتوں کو چھپائے رکھنا۔ اور ان کو شہرت نہ دینا اس لئے کہ جس کسی نے ہماری باتوں کو چھپایا اور مشہور نہ کیا۔ خدا تعالےٰ اس کو دنیا میں عزت دے گا۔ اور قیامت کے دن اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور پیدا کرے گا اور لے جائے گا اس کو بہشت میں۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! یہ حدیث اور اسی طرح کی بہت سی حدیثیں کتمان حق کے باب میں اصول کافی میں درج ہیں۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ کرام اہل بیت علیہم السلام نے اپنے شاگردوں اور صحابہ کو اپنی احادیث کے چھپا رکھنے کی سخت تاکید کی تھی۔ جس کو بھی اپنے صحابہ میں سے دین کی کوئی بات بتلاتے تھے۔ ساتھ ساتھ پوشیدہ رکھنے کی بھی تاکید فرما دیتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے شیعوں سے بھی چھپا رکھنے کا حکم دیتے تھے۔ ملاحظہ ہو اسی باب کی ایک حدیث

عن عمار قال قال ابو عبد اللہ علیہ السلام اخبرت بما اخبرتك بہ احدا قلت لا الا سلیمان بن خالد قال ما احسنت اما سمعت قول الشاعر ولا یعدون سرای وسرك ثالثا. الا کل سر جاوز اثنین شائع۔

عمار کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ کیا کسی کو اس بات کی خبر دی ہے۔ جو میں نے تم کو بتلائی تھی؟ میں نے جواب میں عرض کیا کہ اور تو کسی کو نہیں بتلائی۔ صرف سلیمان بن خالد کو بتلائی ہے۔ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام نے فرمایا۔ تو نے اچھا نہیں کیا۔ کیا تو نے شاعر کا قول نہیں سنا۔ جس میں وہ کہتا ہے کہ جو بھید دو آدمیوں سے باہر نکل جائے وہ مشہور ہو جاتا ہے۔ ترجمہ ختم

[illegible]

کرام اہل بیت علیہم السلام نے اپنے شاگردوں کو اظہار حق سے روک دیا تھا۔ اور حق بات کو چھپا رکھنے کی سخت تاکید فرما دی تھی۔ اسی واسطے مذہب شیعہ زاویہ تقیہ میں چھپا رہا۔ جیسا کہ قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی کتاب مجالس المومنین کی ابتدا میں اقرار کیا ہے۔ کہ مذہب شیعہ سلاطین صفویہ کی حکومت قائم ہونے کے بعد دنیا میں ظاہر ہوا۔ اس سے پہلے زاویہ تقیہ میں چھپا رہا۔ اور شیعہ علماء اپنے آپ کو حنفی یا شافعی ظاہر کرتے رہے۔

پس ائمہ کرام اہل بیت علیہم السلام نے جب اپنے شاگردوں کو اپنی خاص احادیث مشہور کرنے سے روک دیا تھا۔ تو اب ایسا کون شاگرد ہوگا۔ جو فرمودہ امام معصوم کو پس پشت ڈال دے۔ اور ائمہ کرام کی باتوں کو مشہور کر دے۔ لائق شاگرد تو وہی ہوگا جو ائمہ کرام کی حدیثوں کو خوب چھپا کر رکھے گا۔ نہ اپنوں کو بتائے اور نہ ہی بیگانوں پر ظاہر کرے۔ دیکھا سلیمان بن خالد خاص شیعہ میں سے تھا۔ مگر پھر بھی حضرت امام ناراض ہوئے۔ کہ اس کو بھی ہماری باتیں بتانا جائز نہیں تھا۔ جب ہم نے حق ظاہر کرنے سے منع کر دیا تو کسی کو بتانا جائز نہیں ہے۔ چاہے شیعہ ہو چاہے سنی ہو، چاہے موافق ہو چاہے مخالف ہو۔ اب روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے اصحاب نے خاص علوم ائمہ کو ہرگز شہرت نہیں دی۔ پس جو بات انہوں نے مشہور کی، وہ ائمہ کرام کی بات نہ ہوگی۔ بلکہ کسی اور کی بات ہوگی۔ اور جو بات پوشیدہ اور غیر مشہور ہوگی۔ وہ واقعی ائمہ کرام کی بات ہوگی۔ اور جو پوشیدہ اور غیر مشہور ہوگی وہ واقعی ائمہ کرام کی بات ہوگی۔ اور وہی حق ہوگی۔

پس رضامندی کی روایت کا مشہور نہ ہو سکنا۔ اس کے صحیح اور حق ہونے

[illegible]

کہ یہ روایت حقیقت میں ائمہ کرام اہل بیت علیہم السلام کی روایت ہے۔ اور ناراضگی کی روایت کا مشہور ہو جانا اس کے غیر صحیح ہونے کا نشان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شیعہ علماء نے ناراضگی کی روایت کو بیان کر کے اپنا سُنی ہونا ظاہر کیا ہو۔ تقیہ کے اُصول کے یہ برگ و بار ہیں۔ اور کتمان حق کے قاعدے کے یہ لوازمات ہیں۔

جوابِ دوم

فعل مجہول کا عنوان ضعفِ روایت کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو حضرت امام مہدی علیہ السلام سے مروی ہونے کی دلیل ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے آخری امام کا نام لینے سے منع کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہو صافی شرح اصول کافی کتاب الحجۃ جزو سوم باب ہفتاد و ہفتم ص۳۹

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال صاحب ھذا الامر لا یسمیہ باسمہ الا کافر

ترجمہ:۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کا نام لے کر جو ذکر کرے گا۔ وہ کافر ہو جائے گا۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! شیعہ مذہب کے اصول میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کے غائب ہو جانے کا عقیدہ ہے۔ ان کے غائب ہونے سے لے کر تقریباً ۷۰ سال تک غیبت صغریٰ ہے۔ جس میں خاص لوگ آپ سے ملاقات کرتے رہے۔ اس کے بعد کا زمانہ غیبت کبریٰ کا زمانہ ہے۔ جس میں کوئی شخص آپ سے ملاقات نہیں کر سکتا۔ غیبت صغریٰ کے پاک زمانہ میں صرف چار بزرگ ایسے گزرے ہیں جو حضرت امام مہدی علیہ السلام سے ملتے تھے۔ اور آپ کے علوم و مسائل خاص شیعوں کو پہنچاتے تھے۔

اور شیعہ سے مال وصول کر کے حضرت امام علیہ السلام کو پہنچاتے تھے۔ ان بزرگوں کو سفیر بولتے ہیں۔ ان سفرائے کرام سے خاص لوگ حضرت امام کا نام اور مکان پوچھتے تھے تو جواب میں کہتے تھے کہ حضرت امام نے اپنا نام بتانے سے منع کر دیا ہے۔ اس لئے حضرت امام کا نام اور مکان پوچھنا حرام ہے اس فتوے کی علت یہ تھی کہ اس وقت کے بادشاہ کی تحقیق میں حضرت امام حسن عسکری لاولد فوت ہوئے تھے۔ اسی واسطے آپ کے اموال و املاک آپ کی بیوی اور بھائی میں تقسیم کر دئے تھے۔ اب اگر حضرت امام علیہ السلام کے نام کو ظاہر کیا جاتا تو آخر بادشاہ کو پتہ لگ جاتا اور وہ شیعوں کو مجبور کرتا کہ وہ لڑکا پیش کرو۔ بادشاہ کی اس کاروائی کے خوف سے نام اور مکان کا پوچھنا اور بتلانا حرام ہو گیا۔

اب ظاہر ہے کہ ایسی ہستی کی احادیث احکام اور علوم حقّہ بیان کرنے کے افعال مجہولہ ہی مناسب ہیں۔ افعال معلومہ کا عنوان تو ہزار خطرے کا موجب ہوگا۔ اس لئے آپ کی احادیث کا عنوان روی بصیغۂ مجہول بنایا گیا تاکہ کسی قسم کے خطرہ سے دوچار نہ ہونا پڑے اور فتوے کفر سے بھی بچ جائیں۔

رضامندی فاطمہ صلوات اللہ علیہا بھی اسی قسم کی احادیث میں سے ہے اس لئے اس کا عنوان فعل مجہول کو بنایا گیا۔ پس اس موقعہ پر روایت کا عنوان بصیغۂ فعل مجہول ضعف کی علامت نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ایک بھاری حکمت ہے جو ابھی بیان کی گئی۔

شیعہ علماء میں ایک صاحب بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ نام نامی و اسم گرامی شیخ عبد العلی شیرازی ہے۔ کتاب نور الثقلین اور کتاب شرح لامیۃ العجم ان کی تصنیفات میں سے ہیں۔ جو کہ ان کی جلالت شان کے دو شاہد عدل ہیں۔

ان کے حالات میں شیخ عباس قمی نے لکھا ہے کہ فقہ کی کتابوں میں جو قول بصیغہ فعل مجہول درج ہوتا ہے آپ اس پر سختی سے عمل کرتے ہیں اور فرماتے تھے کہ یہ قول حضرت امام مہدی علیہ السلام کے اقوال میں سے ہے۔

ملاحظہ ہو کتاب تتمۃ المنتہیٰ ص۵۹۲ عبارت شیخ کی یوں ہے۔

ومن غریب ماینسد الیہ انہ کان یعمل بماینسبہ الاصحاب فی کتبھم الفقیھۃ الی القیل ویقول انہ من اقاویل مولانا الصاحب علیہ السلام۔

ترجمہ:۔ اور شیخ عبدالعلی شیرازی کی طرف ایک اوپری بات منسوب ہے کہ کتب فقہ میں جس قول کو ہمارے اساتذہ فقہ لفظ قیل صیغہ مجہول سے لکھتے ہیں آپ اس پر ضرور عمل کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ قول حضرت امام مہدی علیہ السلام کے اقوال میں سے ہے۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! اب خوب واضح ہوگیا کہ رضامندی کی روایت کے عنوان کی جو توجیہہ راقم الحروف نے لکھی ہے وہی توجیہہ اقوال فقیہہ کے عنوانات میں حضرت علامہ شیخ عبدالعلی شیرازی نے بیان کی ہے۔ اور پھر اس پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ ؎

نہ من تنہا دریں مے خانہ مستم
جنید و شبلی و عطار شد مست

مزید یہ کہ حضرت شیخ عباس قمی آپ کے اس طرز عمل کو آپ کے مناقب میں درج کر رہے ہیں، اور اس طرز عمل کو نقل کر کے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ طرز نگارش سے پسندیدگی ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ ابن

بزرگوں سے اسی عنوان سے پایا اور اس میں تغیر و تبدل مناسب نہ سمجھا۔ پس جو شخص اس عنوان کو ضعف کی دلیل بناتا ہے وہ تحقیق کے میدان سے بہت دور ہے۔ اہل سنت کے یہاں چونکہ امام غائب کا کوئی عقیدہ نہیں ہے اس لئے ان کے یہاں فعل مجہول کی یہ توجیہہ نہیں ہوسکتی۔ پس اہل سنت کی کتابوں میں تو صیغہ فعل مجہول ضعف کا نشان بن سکتا ہے۔ مگر کتب شیعہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں امام غائب کا عقیدہ اصل الاصول ہے اور اس کے نام و مکان کا پوچھنا، بتلانا دونوں حرام ہیں جیسا کہ کتب اصول شیعہ کی شہادت پہلے درج ہوچکی ہے

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

جوابِ سوم

اگر رضامندی کی روایت کو ضعیف جان کر ترک کر دیا جائے اور اس کے مقابلے میں ناراضگی کی روایت کو قوی جان کر قبول کیا جاوے تو خاکم بدہن حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ کی پوزیشن خطرناک حد تک گر جاتی ہے نعوذ باللہ من ذلک۔ ہمارے تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جبکہ ہم حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے رنجیدہ خاطر واپس تشریف لانے اور حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ کی طاقت اور شجاعت کے حرکت میں نہ آنے کا تصور کرتے ہیں۔

شیعہ روایات کے مطابق جب حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا انصار کو اپنی امداد کے لئے بلا رہی تھیں تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اس

وقت کہاں تشریف لے گئے تھے؟ کیا عرب سے کہیں باہر چلے گئے تھے؟ اگر مدینہ منورہ ہی میں موجود تھے تو حضرت فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا کو انصار سے امداد طلب کرنے کی حاجت کیوں ہوئی؟ کوئی دیانت دار آدمی اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتا، کہ حضرت علیؓ آپ کی امداد سے دستبردار ہوجائیں۔ اگر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی پوزیشن کو بچانا ہے۔ اگر آپ کے علمی اور عملی، ظاہری اور باطنی کمالات پر یقین ہے۔ تو ناراضگی کی روایت کو ترک کرنا ہوگا۔ اور رضامندی کی روایت کو قبول کرنا ہوگا۔ اگرچہ مشہور نہیں ہے ہم اس شیعہ کی مشہور اور متفق علیہ روایت کو کیا کریں۔ جس سے حضرت علیؓ کی شان اقدس پر حرف آتا ہو۔ ابن میثم بحرانی جانتے تھے کہ ناراضگی کی روایت میں کس قدر خرابیاں لازم آتی ہیں اسی لئے آپ نے اس کے بعد رضامندی کی روایت درج کردی۔ اگر علامہ موصوف رضامندی کی روایت کی خوبیوں سے اور ناراضگی کی روایت کی خرابیوں سے آگاہ نہ ہوتے تو رضامندی کی روایت کو اپنی کتاب میں ہرگز درج نہ کرتے۔

جواب چہارم

تعدد روایات کے مواقع میں شیعہ کے یہاں ایک قاعدہ رکھا ہوا ہے۔ جس کی امداد سے ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس قاعدے کو مولوی ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی نے اپنی کتاب اصول کافی کے دوسرے صفحے پر حضرت امام مہدی علیہ السلام کے الفاظ کو یوں ذکر کیا ہے۔

دعوا ما وافق القوم فان الرشد فی خلافھم۔ ترجمہ:- چھوڑ دو اس روایت کو جو سنیوں کی روایت کے مطابق ہو۔ اس لئے کہ سچائی ان روایات میں بند ہے جو سنیوں کی روایات کے مخالف ہیں۔ ترجمہ ختم،

صاحب فلک نجات نے اپنی کتاب میں اس قاعدے کو بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اور ایسی حالت میں بقانون فرمودہ امام علیہ السلام عمل ان روایات پر ہوگا، جو مذہب عامہ کے مخالف ہیں۔ اور اسی میں رشد و ہدایت ہے۔

دیکھو فلک نجات طبع اول جلد اول ص ۴۰

ناظرین کرام! اس قاعدے کی رو سے ناراضگی کی روایت کو ترک کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ اس طرح کی ایک روایت صحاح ستہ اہل سنت میں موجود ہے۔ اور رضامندی کی روایت کو قبول کرلینا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس قسم کی کوئی روایت اہل سنت کی کتابوں میں موجود نہیں ہے۔

جواب پنجم

اگر ناراضگی کی روایت کو ترجیح دی جاوئے۔ جیسا کہ سوال میں مذکور ہے۔ تو لازم آتا ہے کہ آپ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے بھی ناراض ہوجائیں۔ اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ناراض ہونے کی وجہ صرف غصب فدک ہے تو جو لوگ اس وقت آپ کی امداد کرسکتے تھے اور فدک واپس دلواسکتے تھے، اور کچھ امداد نہیں کی، کیا ان لوگوں سے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کبھی راضی ہوسکتی ہیں؟ خصوصاً حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ پر جس قدر حق اعانت واجب ہے۔ کسی دوسرے پر نہیں، جب حضرت علیؓ نے اس معاملہ میں آپ کی امداد نہیں کی تو ضرور ناراض ہوجانے کا مقام ہے یہی وجہ ہے کہ کتب شیعہ میں حضرت علیؓ سے آپ کی ناراضگی کے فقرے ملتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ کتاب ناسخ التواریخ جلد چہارم از کتاب دوم ص ۱۲۹

فقالت یابن ابی طالب اشتملت شملۃ الجنین وقعدت حجرۃ الظنین ۔ (یہی روایت احتجاج طبرسی جلد ۱ صفحہ ۱۴۵ طبع نجف اشرف پر بھی موجود ہے (قائم))۔ اے پسر ابو طالب خویشتن را بر پیچیدی مانند جنین در رحم و روی از خلق نہفتی چوں مردم متہم ، ترجمہ اے ابو طالب کے بیٹے اپنے آپ چادر میں لپیٹ گیا ہے جیساکہ رحم کے اندر بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے ، اور اپنے چہرے کو لوگوں سے چھپالیا ہے ۔ جیساکہ کسی پر تہمت لگ جائے تو لوگوں سے چھپ جانے کی کوشش کرتا ہے ۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام ! ناسخ التواریخ شیعہ کی معتبر کتاب ہے ۔ فارسی ترجمہ مصنف کتاب کی جانب سے ہے ۔ اور اردو ترجمہ راقم الحروف کی طرف سے ہے ۔ یہ فقرے اہل سنت کی کسی کتاب میں نہیں پائے جاتے ۔ اس قسم کی گوہر افشانی شیعہ فصحار و بلغا ہی کا حصہ ہے ۔ اب یہ کلمات بلند آواز سے ناراضگی کی شہادت دے رہے ہیں ۔ اگر کچھ شبہ باقی رہ گیا ہو تو لیجیے ہم اس کا بھی ازالہ کئے دیتے ہیں ۔

حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کی اس تقریر کے جواب میں حضرت علی المرتضے ؓ ارشاد فرماتے ہیں لا ویل لک بل الویل لشانئک نہنہی عن وجدک یا ابنۃ الصفوۃ وبقیۃ النبوۃ ۔ (احتجاج طبرسی جلد ۱ صفحہ ۱۴۶ پر موجود ہے ۔ طبع نجف اشرف) بر من خشم مگیر اے دختر برگزیدہ موجودات و اے یادگار نبوت (ترجمہ) مجھ پر ناراض نہ ہو اے برگزیدہ موجودات کی بیٹی ، اور اے نبوت کی یادگار ترجمہ ختم

ناظرین کرام ! حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے اس جواب میں لفظ وجد موجود ہے ۔ جس کے معنی ہیں ناراض ہو جانا ۔ یہ وہی لفظ ہے جو صحیح بخاری میں خلیفۂ اول کے حق میں موجود ہے ۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے اس جواب

نے واضح کر دیا ۔ کہ حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خطاب ناراضگی سے لبریز تھا ۔ پس فدک کے معاملہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بارے آپ کی ناراضگی تسلیم کر لی جاوے تو حضرت علی المرتضیٰ اس ناراضگی سے کسی صورت میں بچ نہیں سکتے ۔ جیساکہ از روئے عقل و نقل ثابت ہو چکا ۔ اور اس ناراضگی کی وجہ سے جو فتویٰ خلیفۂ اول پر لگایا جاتا ہے بعینہٖ وہ ہی فتوےٰ خلیفۂ چہارم پر لگایا جائیگا ۔

اب شیعہ علماء پر لازم ہے کہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اس فتویٰ سے بچانے کے لئے ناراضگی کی روایت کو مردود قرار دیویں ۔ اور اس کے مقابلے میں رضامندی کی روایت کو شرفِ قبولیت بخشیں ۔ اگرچہ پہلی مشہور ہے اور دوسری غیر مشہور ۔

ناظرین کرام ! آج دنیا کہاں سے کہاں تک جا پہنچی ہے ۔ ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا ہے ۔ مگر ایک ہمارے شیعہ بھائی ہیں کہ سوچنے کی تکلیف برداشت نہیں کرتے ۔ اگر عقل اور انصاف کو کام میں لائیں تو ضرور حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اس ناراضگی کے الزام سے بچانے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ناراضگی کی روایت کو ترک کر دینا پڑیگا ۔

ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تطہیر ذیل کے لئے اس قدر محنت نہیں کرتے ۔ بلکہ ہم تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے پاک دامن پر دھبہ آنے سے گھبرا جاتے ہیں ۔ اور آپ کی پاک دامنی جبھی قائم رہ سکتی ہے کہ ناراضگی کی روایت کو ترک کیا جاوے اور رضامندیٔ فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی روایت کو معتبر قرار دے کر شائع کیا جائے ۔ شیعہ علماء کی خوش قسمتی ہے کہ رضامندی کی روایت اُن کی اپنی کتابوں میں موجود ہے ۔ اور بڑی مدت سے ان کے مصنف

اس روایت کو نقل کرتے آتے ہیں۔

دیکھو! علامہ ابن میثم بحرانی ساتویں صدی ہجری میں گزرے ہیں۔ اور صاحب درنجفیہ تیرہویں صدی ہجری میں تھے اور سید علی نقی آج کل چودہویں صدی میں شیعی دنیا کو فیض پہنچا رہے ہیں۔ ؎

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار پکاروں میں ہائے دل

ایک لطیفہ

میں نے کئی دفعہ سوچا ہے کہ اس روایت کے شائع نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ جبکہ یہ روایت خود ان کی کتابوں میں موجود ہے۔ آخر یہ ہی سوجھی کہ خدا نہ بھلائے شیعہ علما عوام شیعہ سے ڈرتے ہیں۔ اور مارے ڈر کے اس روایت کا نام نہیں لیتے۔ اس روایت کا معاملہ ٹھیک حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائیوں کے معاملے کی طرح ہے۔ کربلائے معلےٰ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ان کے وہ بھائی بھی شہید ہوئے جن کے اسمائے گرامی خلفائے ثلاثہ کے ناموں پر رکھے گئے تھے۔ کتب شہادت اسی چیز سے بھری پڑی ہیں۔ مگر شیعہ علما اور ذاکرین شہدائے کربلا کا ذکر کرتے ہیں تو آپ کے ان مخلص بھائیوں کا نام بھی نہیں لیتے۔ عوام شیعہ سے ڈرتے ہیں۔ کہ شہدائے کرام کے اندر خلفائے ثلاثہ کا نام لینے سے عوام بھڑک اٹھیں گے۔ اور اگر جان بچ گئے تو وہ خدمت تو نہیں ہوگی جو عوام کی عقیدتمندی میں پوشیدہ ہے۔ یہی معاملہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر حضرت فاطمۃ الزہرا ؓ کی رضامندی کی روایت کا ہے۔ ان کی کتابوں میں موجود

ہے۔ مگر اس کا نام لینے سے عاجز ہیں۔ بے چارے ڈرتے ہیں کہ رضامندی فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی روایت کا ذکر کرنے سے عوام بھڑک جائیں گے اور خدمات میں کمی واقع ہو جائے گی۔

اگر رضامندی کی روایت کے عوام شیعہ میں شائع نہ ہونے کی یہی وجہ ہے۔ اور یقیناً یہی وجہ ہے تو مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ،

سوال

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کا ناراض ہو جانا صحیح بخاری میں موجود ہے۔ جو کہ اہل سنت کے یہاں نہایت معتبر کتاب ہے۔

جواب اوّل

واقعی صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ اور امام بخاری کے یہاں اس کے سارے راوی ثقہ اور عادل اور ضابط ہیں۔ مگر باوجود اس کے کسی راوی کی غلط فہمی کے سبب سے اس روایت میں ناراضگی کے الفاظ داخل ہو گئے ہیں۔ اور حضرت امام بخاری مرحوم نے جوں کے توں اپنی کتاب میں درج کر دئے ہیں۔

شرح اس کی یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ کا حدیث پیغمبر سن کر ناراض ہو جانا ممکن نہیں ہے۔ یہ چیز تو عامۂ مسلمین سے بھی ممکن نہیں ہے پس

اخص الخواص ہستی سے کس طرح ممکن ہوگی؟ بنابریں ہم یہ کہتے ہیں کہ اس روایت کے کسی راوی نے اپنے استاذ کے الفاظ میں ترک گفتگو پایا، تو اس کی علت ناراضگی کو بنایا۔ اور اپنے فہم کی بنا پر لفظ غضبت روایت میں داخل کر دیا۔ پھر ایک دوسرے سے اس کو نقل کرنے لگے۔ یہاں تک کہ امام بخاری تک پہنچ گیا۔ اور آپ نے اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ کتب حدیث میں اس کی نظیریں پائی جاتی ہیں۔ علامہ شبلی مرحوم نے اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد اول طبع سوم کے ص۵۹ پر لکھتے ہیں تفحص اور استقرار سے بعض جگہ یہ نظر آتا ہے کہ راوی جس چیز کو واقعہ کی حیثیت سے بیان کرتا ہے۔ وہ اس کا قیاس ہے واقعہ نہیں ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں سیرت میں موجود ہیں۔ یہاں ہم صرف ایک واقعہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر تنہا نشین ہو گئے تھے تو یہ مشہور ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ کہ نہیں میں نے طلاق نہیں دی۔ غور کرو مسجد نبوی میں تمام صحابہ جمع ہیں۔ اور سب بیان کر رہے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی ہے صحابہ عموماً ثقہ اور عادل ہیں اور ان کی تعداد کثیر اس واقعہ کو بیان کر رہی ہے۔ باوجود اس کے جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعہ نہیں۔ بلکہ قیاس تھا۔ سیرت النبیؐ طبع سوم جلد اول ص۶۰

ناظرین کرام! جس طرح حضور نبی کریمؐ کی خلوت نشینی سے صحابہؓ نے طلاق کو استنباط کر لیا۔ حالانکہ آنحضورؐ نے طلاق نہیں دی تھی۔ صرف علیحدگی اختیار کی تھی۔ ٹھیک اسی طرح اس روایت کے کسی راوی نے عدم کلام یا ترک کلام سے ناراضگی کا استنباط کر لیا۔ حالانکہ واقعہ میں ناراضگی نہیں ہوئی تھی۔ اور یہ قیاس صحیح نہیں

تھا۔ کیونکہ ترک کلام کوئی ایسا معلول نہیں ہے۔ جس کی علت صرف ایک ناراض ہونا ہی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی علت عدم ضرورت ہو یعنی گفتگو کی ضرورت لاحق نہ ہوئی ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اطمینان حاصل ہو گیا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصل مقصود پورا ہو گیا ہو۔ جب ترک کلام کی علت میں اتنے احتمالات ہیں۔ تو راوی نے جو ترک کلام کی علت تجویز کی ہے۔ یہ راوی کی غلط فہمی ہے۔ پھر ایک دوسرے سے نقل کرنے لگے۔ یہاں تک کہ امام بخاری تک پہنچ گئی۔ اور آپ نے اپنی کتاب میں درج کر دی۔ مذکورہ بالا واقعہ طلاق میں تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ تشریف لے آئے۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر غلط فہمی کو دور کر دیا۔ لیکن ابن شہاب زہری کی غلط فہمی کو الگ کیا جاوے تو کس طرح الگ کیا جاوے۔ ابن شہاب زہری نے جس وقت اپنے اجتہاد سے ناراضگی کا فقرہ روایت میں درج کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس وقت دنیا میں موجود ہوتیں، تو اصل واقعہ کی تحقیق کی جا سکتی تھی۔ اب تو عقل ہی سے کام لیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ جن اہل علم کی توجہ اس طرف پھر گئی۔ انہوں نے اس روایت کو تنقید سے معاف نہیں کیا، آیات بینات میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہیں اور عقل صریح حکم دیتا ہے کہ ناراضگی فاطمہؓ ممکنات میں سے نہیں ہے۔ اس لئے اس فقرے کو راوی کے اجتہاد اور استنباط پر حمل کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالےٰ اپنی کتاب فتح الباری جلد نہم مطبوعہ بہیہ مصر ص۲۴۰ پر تحریر فرماتے ہیں

فان جزم الانصاری فی روایتہ بوقوع التطلیق وکذا الجزم الناس الذین راھم عمر عند المنبر بذلک محمول علےٰ

انھم شاع بینھم ذلک من شخص بناہ علی التوھم الذی توھمہ من اعتزال النبی صلی اللہ علیہ وسلم نساءہٗ فظن لکونہ لم تجر عادتہ بذلک انہ طلقھن فاشاع انہ طلقھن فشاع ذلک فتحدث الناس بہ۔

ترجمہ:۔ اس انصاری نے اور صحابہ نے جن کو حضرت عمرؓ نے منبر کے پاس دیکھا تھا۔ آنحضرتؐ کے طلاق دینے کا یقین کر لیا تھا۔ تو وہ یوں ہوا ہو گا کہ کسی شخص نے آنحضرتؐ کو دیکھا کہ آپ نے ازواجِ مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ اور چونکہ آنحضرتؐ کی یہ عادت نہ تھی۔ اس لئے اس نے گمان کیا کہ آنحضرتؐ نے طلاق دے دی۔ پھر یہ خبر پھیلا دی اور لوگ ایک دوسرے سے بیان کرنے لگے۔ ترجمہ ختم

بڑے بڑے بزرگ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس سے ان کے عادل ثقہ ہونے پر کوئی حرف نہیں آتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش کی گئی تو فرمایا:

اما انہ لم یکذب ولکنہٗ نسی او اخطا۔ ترجمہ۔ ہاں وہ جھوٹ نہیں بولے لیکن بھول گئے یا خطا کی۔ ترجمہ ختم

اگر علمائے اہل سنت کا دعوےٰ ہوتا، کہ صحیح بخاری کے راوی غلط فہمی سے منزہ ہیں، خطا سے پاک ہیں۔ لغزش سے مبرا ہیں تو واقعی یہ جواب قابل سماعت نہ ہوتا، مگر اس قسم کا دعویٰ علمائے اہل سنت میں کسی نے نہیں کیا۔

پس یہ جواب صحیح ہے۔ اور امام بخاری کی کتاب کے صحیح ہونے کا معنےٰ یہ ہے کہ اس کتاب کے اندر جس قدر راوی ہیں وہ ثقہ ہیں۔ عادل ہیں۔ ضابط ہیں۔ کوئی،

ان میں وضاع نہیں۔ اور نہ کوئی ان میں کذاب ہے۔ اس کتاب کے صحیح ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن کی طرح صحیح ہے۔ اللہ تبارک وتعالےٰ قرآن حکیم کے بارے فرماتے ہیں

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ :۔ ترجمہ:۔ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں۔ ترجمہ ختم

معلوم ہوا کہ دنیا میں قرآن حکیم کے علاوہ کوئی کتاب اس شان کی نہیں۔ میری اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری کی کتاب کے اندر کسی راوی کی غلط فہمی دریافت کر لینے سے کتاب کے علو شان کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔

جوابؒ دوم

حدیث فدک صحاح ستہ میں بہت سی سندوں سے مروی ہے۔ ناراضگی کا فقرہ ابن شہاب زہری بیان کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی راوی اس فقرے کو بیان نہیں کرتا۔ پھر ابن شہاب زہری بھی ہمیشہ اس فقرے کو نہیں بیان کرتا، بلکہ کبھی کبھی بیان کرتا ہے۔ اور کبھی بیان نہیں کرتا۔

بخاری شریف میں حدیث فدک پانچ مقاموں پر مذکور ہے۔

اوّل۔ صحیح بخاری جلد اول کتاب الجہاد فرض الخمس ص۴۳۵ یہاں زہری سے صالح بن ابی الاخضر روایت ہے۔ اور ناراضگی مذکور ہے

دوم۔ کتاب المناقب باب مناقب قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص۵۲۶۔ یہاں زہری سے شعیب روایت کرتا ہے اور ناراضگی مذکور نہیں ہے

سوم۔ صحیح بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر ص۶۰۹ یہاں عقیل بن خالد زہری سے روایت کرتا ہے، اور ناراضگی مذکور ہے۔

چہارم۔ کتاب الفرائض باب لانورث ماترکناہ صدقۃ ص۹۹۵
یہاں بھی زہری سے معمر روایت کرتا ہے۔ اور ناراضگی کا کوئی مذکور نہیں ہے اور یہی حدیث فدک سنن ابوداؤد شریف میں چار سندوں سے مروی ہے۔ دیکھو سنن ابوداؤد جلد دوم باب صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص۴۱۴، ص۴۱۵

پنجم۔

اول سند میں زہری سے عقیل بن خالد روایت کرتا ہے، اور ناراضگی کا ذکر نہیں کرتا۔ دوسری سند میں زہری سے شعیب بن ابی حمزہ روایت کرتا ہے اور ناراضگی کا نام ونشان نہیں ہے۔

تیسری سند میں صالح بن ابی الاخضر ابن شہاب زہری سے روایت کرتا ہے اور ناراضگی کو خیال میں نہیں لاتا۔

چوتھی سند میں ابوطفیل سے ولید بن جمیع روایت کرتا ہے، اور ناراضگی کے فقرہ کا اعتبار نہیں کرتا

ناظرین کرام! آؤ ہم تمہیں ترمذی شریف کی سیر کرائیں۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو اپنی جامع میں ایک جگہ تحریر کیا ہے۔ دیکھو سنن ترمذی جلد اوّل باب ماجاء فی ترکۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص۲۱۴ یہاں اس حدیث کے اصل راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ناراضگی مفقود ہے۔

نیز ملاحظہ ہو شمائل ترمذی باب ماجاء فی میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص۲۹ یہاں بھی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ اور ناراضگی کا نام ہی نہیں۔

نیز ملاحظہ ہو صحیح مسلم صاحب کتاب نے حدیث فدک کو تین سندوں سے ذکر کیا ہے۔

اوّل۔ زہری سے عقیل بن کی خالد کی روایت ہے اس میں ناراضگی مذکور ہے۔
دوم:۔ ابن شہاب زہری سے معمر بن راشد کی روایت ہے۔ یہاں ناراضگی مذکور ہے۔
سوم:۔ ابن شہاب زہری سے صالح بن ابی الاخضر کی روایت ہے۔ یہاں ناراضگی کا پتہ ہی نہیں۔

تاریخ الامم والملوک جلد دوم ص۴۴۸ پر امام ابوجعفر بن محمد بن جریر طبری نے حدیث فدک کو خوب مفصل لکھا ہے۔ امام ابن جریر طبری کی سند میں بھی زہری سے معمر بن راشد ہی روایت کرتے ہیں، اور ناراضگی کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔

ناظرین کرام! حدیث فدک ان کتابوں میں چودہ مقاموں پر مذکور ہے چودہ میں سے صرف چار مقام ایسے ہیں جہاں ناراضگی مذکور ہے۔ باقی دس مقام ناراضگی سے خالی ہیں۔ یہ حدیث اصل میں تین صحابہ سے مروی ہے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا اور ابوالطفیل رضی اللہ تعالےٰ عنہ، اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ ان تینوں میں سے صرف حضرت عائشہؓ کی روایت میں ناراضگی وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوالطفیل رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی روایتیں ناراضگی سے خالی ہیں۔ اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ سے عروہ بن زبیر کے واسطے سے ابن شہاب زہری روایت کرتے ہیں۔ اور کبھی ناراضگی کا ذکر کرتے ہیں۔ اور کبھی ناراضگی کا نام نہیں لیتے۔ جیساکہ اوپر کی تفصیل کو غور سے دیکھنے سے واضح ہے۔

اب ہم کو سوچنا چاہیئے کہ جن دس مقاموں پر ناراضگی کے ذکر کو ترک کیاگیاہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ تھوڑا سا تامل کرنے سے معلوم ہوجاتاہے کہ جن صاحبان نے ناراضگی کے فقرے کو ترک کیاہے۔ انہوں نے عمداً ترک کیا ہے

اور اس واسطے ترک کیا ہے کہ اس زیادتی کو قابل قبول نہیں سمجھے۔

کسی روایت میں ثقہ کی زیادت ہمیشہ مقبول نہیں ہوتی۔ بلکہ زیادت ثقہ کے مقبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ صریح عقل کے برخلاف نہ ہو۔ ابن شہاب زہری کی یہ زیادت چونکہ صریح عقل اور ظاہر عادت کے برخلاف تھی۔ اس لئے اکثر محدثین قبول نہیں کر سکے۔ جیسا کہ اوپر کے نقشہ سے واضح ہے کہ ابوداؤد اور امام ترمذی اور ابن جریر طبری نے ناراضگی کے فقرے کو ترک کر دیا ہے۔ اور خود بخاری اور مسلم کی بعض سندیں بھی ناراضگی سے خالی ہیں۔ جب ان محدثین کبار نے اس فقرے کو قابل قبول نہ جانا۔ تو ضرور ان کے یہاں رضامندی ثابت ہوگی۔ کہ ان دونوں چیزوں میں سے ایک کا ہونا بدیہی ہے۔ جب ناراضگی نہیں تو رضامندی لازماً ہوگی

میری اس توجیہہ سے معلوم ہوگیا کہ جن دس مقاموں میں ناراضگی متروک ہے وہ سب کے سب اشارۃً رضامندی کے مقام ہیں۔ اور یہ محدثین کرام رضامندی کے قائل تھے۔ اگر رضامندی کے قائل نہ ہوتے تو ضرور ناراضگی کے فقرے کو تحریر کر جاتے۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ اہل سنت کی کتابوں میں رضامندی کی روایت کسی طرح سے نہیں پائی جاتی۔ وہ تدبر سے کام نہیں لیتے۔ ان چودہ مقاموں میں چار مواضع ناراضگی کے ہیں تو دس رضامندی کے ہیں ؎

بروز حشر شود ہمچو روز معلومت
کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور

بابِ سوم

شیعہ وسُنی علماء متفق ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے سارے اخراجات فدک ہی آمدنی سے خلیفہ اول پورا کیا کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو،

نہج البلاغۃ کی فارسی شرح از علامہ سید علی نقی فیض الاسلام جلد پنجم۔ صفحہ ۹۶۰،

خلاصہ ابوبکر غلہ وسود آں را گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت علیہم السلام مے داد۔ ترجمہ:۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ فدک کی آمدنی میں سے حضرت علیؓ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اُن کی ضرورت کے مطابق سال بھر کا خرچ دے دیا کرتے تھے۔ ترجمہ ختم

ظاہر ہے کہ اگر حضرت فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ناراض تھیں تو اُن کی ان خدمات کو ہرگز قبول نہ فرماتیں۔ آدمی جس سے ناراض ہو۔ اس کے ہاتھ سے تو پانی کے گھونٹ کا بھی روادار نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ گھر کے سارے اخراجات وصول کرے۔

تعجب ہے کہ شیعہ علماء روزمرہ کے واقعات کو کس طرح نظر انداز کر جاتے ہیں؟ گویا انہوں نے اپنی ساری زندگی میں کسی کو کسی سے ناراض ہوتے دیکھا ہی نہیں۔ ناراضگی کے لوازمات کی ذرہ بھر خبر نہیں رکھتے۔ ایسے معصوم ہیں کہ ساری زندگی میں کبھی کسی سے کشیدہ خاطر ہونے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

معلوم ہوا کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے آپ ہرگز ناراض نہ تھیں۔ اور امام بخاری کی روایت میں ظن راوی ہے۔ دیکھو فتاویٰ امدادیہ مطبوعہ مجتبائی دہلی صفحہ ۱۳۲ جلد چہارم

شیعہ علمائے کرام کی خدمت میں گذارش

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے یارِ غار صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ارضِ فدک کی وجہ سے جو الزام عائد کیا گیا۔ ہم نے بفضلہ تعالےٰ جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا ہے۔ اب ہم کتب معتبرہ شیعہ سے مختلف واقعات نقل کرتے ہیں جن سے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ پر حضرت فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا کی ناراضگی ثابت ہوگی۔ اور دیکھیں گے کہ شیعہ علماء کرام اور امامیہ مجتہدانِ عظام کے دربار گوہر بار سے کیا جواب برآمد ہوتا ہے

پہلا واقعہ

ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد چہارم از کتاب دوم ص۶۷، ص۶۸، ص۶۹ پر مرزا محمد تقی لسان الملک تحریر کرتے ہیں۔ در کتاب علل الشرائع سند بابوہریرہؓ منتہی مے شود مے گوید۔ نماز بامداد را با رسولؐ خدا گشتیم۔ آں گاہ پیغمبر برخاست۔ درواں شد وسخت اندوہناک بود مانیز از قفائے او روانہ شدیم چوں بباب سرائے فاطمہ رسیدیم رسولِ خدا علی را نگریست کہ در پیش روئے باب بر خاک خفتہ است۔ پیغمبر در کنارِ او بنشست دگرد از جامۂ او بستر دو بیقول قم فداک ابی وامی۔ یا ابا تراب۔ فرمود پدر و مادرم فدائے تو بادا ے ابوتراب برخیز و دستِ علی را بگرفت و داخل سرائے شد زمانے دیر بر نگذشت کہ بانگ خندۂ ایشاں را اصغا نمودیم و رسولِ خدا بیروں شد۔ بوجہ مشرق عرض کردیم یا رسول اللہ بدرون سرائے شدی با قلب پژمان و بیروں آمدی با روئے شادماں۔

فقال کیف لا افرح وقد اصلحت بین اثنین هما احب اهل الارض الی اهل السماء۔ فرمود چگونہ شاد خاطر نباشم و حال آنکہ اصلاح نمودم میان دو کس را کہ محبوب ترین مردم زمین اند۔ در نزد اہل آسمان۔

ترجمہ:۔ کتاب علل الشرائع میں سند ابوہریرہؓ تک پہنچائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے نماز صبح رسول اللہ کے ساتھ ادا کی۔ نماز کے بعد خدا کے پیغمبر اٹھے اور روانہ ہوئے۔ درآں حالیکہ سخت غمناک تھے۔ ہم بھی آپ کے پیچھے روانہ ہوئے جس وقت حضرت فاطمہؓ کے مکان کے دروازے پر پہنچتے ہیں تو خدا کے رسول نے حضرت علیؓ کو دروازے کے پاس مٹی پر سوئے ہوئے پایا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیؓ کے پاس بیٹھ گئے۔ اور علیؓ کے کپڑوں سے غبار صاف کیا۔ اور فرمایا اٹھ کھڑا ہو۔ اے ابوالتراب میرے ماں باپ تجھ پر فدا۔ آنحضورؐ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ لیا، اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں داخل ہو گئے۔ زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا۔ کہ گھر والوں کے ہنسنے کی آواز ہمیں سنائی دی۔ اس کے بعد خدا کے رسولؐ گھر سے باہر تشریف لے آئے۔ درآنحالیکہ آپ کا چہرہ مقدس خوشی سے چمک رہا تھا۔ ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ اس گھر میں داخل ہوئے تو آپ کا دل غمناک تھا اور باہر تشریف لے آئے تو آپ کا چہرہ ہشاش بشاش تھا۔ وجہ کیا ہے؟ فرمایا کیوں خوشی نہ کروں۔ اس حال میں کہ میں نے صلح کرا دی ہے۔ ان دو ہستیوں میں جو آسمان والوں کو سارے زمین کے باشندوں سے زیادہ محبوب ہیں۔

دوسرا واقعہ

در علل الشرائع قطآن باسناد خویش مے گوید۔ درمیان علیؑ و فاطمہؓ زلال صفا راکدورتے پدید آمد۔ پس رسولِ خدا برایشان درآمد ازبرائے پیغمبر فراشے بگستراند۔ آنحضرت بخفت و علیؑ را در جانب راست و فاطمہؓ را در جانب چپ جائے داد۔ پس دستِ علیؑ را بگرفت و برفراز سرۂ خویش بنہاد و دستِ فاطمہؓ را نیز ماخوذ داشت و برفراز سرۂ خویش گذاشت و بداشت تاآں کدورت از میاں مرتفع ساخت۔ عرض کردند یارسول اللہ داخل شدی محزون و برآمدی مسرور

قال مایمنعنی وقد اصلحت بین اثنین هما احب من علی وجه الارض الیّ۔

ترجمہ:۔ علل الشرائع میں ہے قطان اپنی سند کے ساتھ کہتا ہے کہ علیؓ و فاطمہؓ میں کچھ رنجش پیدا ہوگئی۔ پھر خدا کے رسولؐ ان کے یہاں تشریف لے آئے۔ انہوں نے آنحضرت کے لئے بستر بچھایا۔ آنحضورؐ بستر پر لیٹ گئے۔ علیؓ کو دائیں جانب اور فاطمہؓ کو بائیں جانب بٹھایا۔ پھر حضرت علیؓ کے ہاتھ کو پکڑ کر اپنی ناف پر رکھا۔ اسی طرح حضرت فاطمہؓ کے ہاتھ کو پکڑ کر اپنی ناف پر رکھا۔ دونوں کے ہاتھ ناف پر رکھے رہے۔ یہاں تک کہ وہ رنجش دُور ہوگئی۔ صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ آپؐ اس گھر میں داخل ہوئے تو غمناک تھے۔ اور باہر تشریف لے آئے تو خوشی سے لبریز۔ فرمایا۔ مجھے خوش ہونے سے کیا چیز مانع ہے۔ اس حال میں کہ مَیں نے صلح کرادی ہے۔ ان دو ہستیوں میں جو زمین کے سارے باشندوں کی نسبت مجھے زیادہ محبوب ہے۔

تیسرا واقعہ

درکتاب علل الشرائع سند بابی ذر غفاری پیوستہ مے شود۔ مے فرماید من وجعفر بن ابی طالب گاہے کہ بجانب حبشہ ہجرت نمودیم۔ کنیزکے خدمتِ جعفر را ہدیہ کردند کہ چہار ہزار بہا داشت گاہے کہ باز مدینہ شدیم آں کنیزک را جعفر حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام ہدیہ فرستاد و او ملازمت منزل فاطمہؓ را داشت یکروز فاطمہ درآمد و سر امیرالمؤمنین علیہ السلام را در کنار آں کنیزک دید۔ عرض کرد یا ابا الحسن با او طریقِ مضاجعت سپردی۔ فرمود لا واللہ چناں نیست کہ تو مے اندیشی۔ عرض کرد رخصت فرمائی تا بمنزل پدر خواہم رفت امیرالمؤمنین اجازت فرمود۔ پس جامہ بپوشید و برقع افگند و آہنگ خدمت پیغمبر فرمود ایں وقت جبرئیل فرود آمد فقال یا محمد ان اللہ یقرئك السلام ویقول لك ان هذه فاطمة قد اقبلت تشكو عليا فلا تقبل منها فی علی شیئاً۔

گفت اے محمدؐ خداوند تو را سلام مے رساند و مے فرماید۔ اینک فاطمہ در مے رسد و از علی شکایت مے کند شکایت اورا در حق علی مپذیریم۔ دریں وقت فاطمہ درآمد۔ فقال لہا رسول اللہ جئت تشکین علیا قالت ای ورب الکعبة فقال لہا ارجعی الیہ فقولی لہ رُغمَ انفی لرضاک۔ رسولِ خدا فرمود اے فاطمہؓ آمدی تا از علی آغاز شکایت کنی؟ عرض کرد آرے قسم بخدائے کعبہ فرمود باز شو پس علی را بگو من زحمت خود را بر رضائے تو اختیار کردم پس فاطمہ مراجعت نمود و سہ کرت گفت۔ یا ابی الحسن رُغمَ انفی لرضاک۔ ایں وقت علی علیہ السلام روی بافاطمہ آورد فقال لها شكوتنی الی خلیلی وحبیبی رسول اللہ

واسوءتاہ من رسول اللہ اشہد اللہ یا فاطمۃ ان الجاریۃ حرۃ لوجہ اللہ وان اربعمائۃ درھم التی.

فضلت من عطائی صدقۃ علی فقراء اہل المدینۃ فرمود اے فاطمہ شکایت مرا بنزد دوست من وحبیب من رسول خدا بردی چہ بسیار گوار است بر من گرانی خاطر رسول خدا۔ گواہ گرفتم خدائے را کہ ایں جاریہ در راہ خدا آزاد است۔ وچہار صد درہم کہ از عطائے من بجائے ماندہ است خاص مساکین مدینہ نمودم ایں بگفت وجامہ درپوشید وآہنگ خدمت رسول خدا فرمود، ایں وقت جبرئیل فرود آمد۔ فقال یا محمد ان اللہ یقرئک السلام ویقول لک قل لعلی قد اعطیتک الجنۃ بعتقک الجاریۃ فی رضاء فاطمۃ والنار باربعمائۃ درھم التی تصدقت بھا فادخل الجنۃ من شئت برحمتی واخرج من النار من شئت بعفوی فعندھا قال علی انا قسیم اللہ بین الجنۃ والنار.

جبرئیل عرض کرد۔ اے محمد خدا تو را اسلام مے رساند و مے فرماید۔ علیؓ را بگو کہ من بہشت و دوزخ را با تو عطا کردم در ازائے آزادی جاریہ برضائے فاطمہ وچہار صد درہم کہ صدقہ کردی۔ پس ہر کہ را مے خواہی بہ نیروئے رحمت من داخل بہشت مے کن وہر کہ را مے خواہی بقوت عفو من از دوزخ نجات میدہ۔

ترجمہ:۔ کتاب علل الشرائع میں سند حضرت ابو ذر غفاری تک پہنچائی ہے حضرت ابو ذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میں اور جعفر بن ابی طالب جب ہجرت کر کے حبشہ گئے تو حبشہ کے بادشاہ نے ایک باندی حضرت جعفر کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کی۔ جس کی قیمت چار ہزار درہم تھی۔ جبکہ ہم واپس مدینہ آئے تو حضرت جعفر نے وہ باندی حضرت علی کو بطور ہدیہ دے دی۔ اور آپ نے

حضرت فاطمہؓ کی خدمت کے لئے مقرر کر دی۔ ایک دن حضرت فاطمہؓ اپنے گھر تشریف لاتی ہیں تو کیا دیکھتی ہیں؟ حضرت علیؓ کا سر مبارک اس باندی کی گود میں ہے۔ عرض کی۔ اے ابو الحسن! کیا آپ نے اس باندی سے ہمبستری کی ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا، خدا کی قسم وہ بات نہیں ہے جو آپ کے خیال شریف میں ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے عرض کی مجھے اجازت ہو کہ میں اپنے باپ کے گھر چلی جاؤں۔ حضرت علیؓ نے اجازت دے دی۔ پس حضرت فاطمہؓ نے کپڑے پہن لئے اور اپنے اوپر برقعہ ڈال لیا۔ اور پیغمبر کی خدمت میں جانے کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت جبرئیل اترے اور کہا۔ اے محمد اللہ تعالٰی آپ کو سلام پہنچاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دیکھو! ابھی فاطمہؓ آ رہی ہے اور علیؓ کی شکایت کرے گی۔ علیؓ کے بارے اس کی کوئی شکایت قبول نہ کرنا ہوگا۔ اسی وقت فاطمہؓ بھی آ پہنچیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے فاطمہؓ تو علیؓ کی شکایت کے لئے آئی ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا۔ کہ ہاں! رب کعبہ کی قسم! پس آنحضورؐ نے فرمایا۔ واپس علیؓ کے پاس چلی جا اور علیؓ کو کہہ دے کہ میں اپنی تکلیف تیری رضامندی کے لئے قبول کرتی ہوں۔ مراد یہ ہے کہ تیری رضامندی کو اپنی تکلیف پر ترجیح دیتی ہوں۔ پھر حضرت فاطمہؓ واپس تشریف لے گئیں۔ اور جا کر تین دفعہ کہا۔ اے ابو الحسن میں اپنی تکلیف پہ تیری رضا کو ترجیح دیتی ہوں۔ اس وقت حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ تو نے میری شکایت میرے دوست میرے پیارے اور خدا کے رسولؐ کے سامنے جا کر کی ہے۔ میرے لئے بہت بری بات ہے کہ خدا کے رسولؐ مجھ سے ناراض ہو جاویں۔ خدا کو گواہ بناتا ہوں، کہ یہ باندی خدا کی رضا کے لئے آزاد ہے اور وہ چار سو درہم جو میری تنخواہ سے بچا ہوا ہے مساکین مدینہ کے لئے وقف

چنانچہ بر مرداں جہاد واجب گردانیدہ واز برائے زنیکہ باوجود غیرت صبر کند ثوابے مقرر فرمودہ مثل ثواب کسے کہ مرابطہ کند در سرحد مسلماناں از برائے خدا پس غم فاطمہ شدید شد و در تفکر ماند تا شب شد۔ چوں شب در آمد حضرت امام حسن را بر دوش راست وجناب امام حسین را بر دوش چپ گرفت۔ ودست ام کلثوم را بدست راست خود گرفتہ بہ حجرۂ پدر رفت۔ چوں حضرت امیر بحجرہ در آمد حضرت فاطمہ را آنجا ندید۔ غم آنحضرت شدید شد و بسیار عظیم نمود بر او دسبب آں حالت را نداانست شرم کرد کہ آنحضرت را از خانۂ پدر خود طلب نماید، پس بیروں آمد بسوئے مسجد ونماز کرد بسیار پس بعضے از ریگ مسجد را جمع کرد وبر آں تکیہ فرمود چوں حضرت رسالت حزن فاطمہ را مشاہدہ نمود۔ غسل کرد وجامہ پوشیدہ بمسجد در آمدہ وپیوستہ در مسجد نماز مے کرد مشغول رکوع وسجود بود۔ بہر دو رکعت نماز را کہ ادا مے کرد از حق تعالےٰ سوال مے نمود کہ حزن فاطمہؓ را زائل گرداند۔ زیرا کہ وقتے کہ از خانہ بیروں آمد۔ فاطمہ را دید کہ از پہلو بہ پہلو مے گردید ونالہ ہائے بلند مے کرد۔ چوں حضرت دید کہ اورا خواب نمی برد وقرار نمی گیرد، فرمود کہ برخیز اے دختر گرامی چوں برخاست حضرت رسولؐ امام حسنؑ را بر داشت وحضرت فاطمہؓ جناب امام حسین را بر داشت ودست ام کلثوم را گرفت واز خانہ بسوئے مسجد آمدند تا آنکہ نزدیک حضرت امیر المومنین رسیدند واورا خواب بود پس حضرت رسول پائے خود بر پائے حضرت امیر المومنین گذاشت وفشرد وفرمود کہ برخیز اے ابوتراب بسا ساکنے را از جا بدر آوردہ برو ابوبکر وعمر وطلحہ را بطلب حضرت امیر رفت وابوبکرؓ وعمرؓ را از خانہ بیروں آوردہ۔ چوں نزد حضرت حاضر گردیدند۔ حضرت رسول فرمود کہ یا علی مگر نمیدانی کہ فاطمہ پارۂ از تن من است ومن از اویم۔ پس ہر کہ اورا آزار کند مرا آزار کردہ است وہر کہ اورا [illegible]

ہے۔ اتنا کہا، اور اپنے خاص کپڑے پہن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت جبرئیل تشریف لے آئے۔ اور کہا اے محمدؐ! اللہ تعالےٰ سلام پہنچاتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ علیؓ کو کہہ دو میں نے تجھے جنت اس لئے دے دیا ہے کہ تو نے فاطمہؓ کی رضامندی کے لئے باندی کو آزاد کیا ہے۔ اور میں نے تجھے دوزخ اس لئے دے دیا ہے کہ تو نے چار سو درہم خدا کی راہ صدقہ کیا ہے۔ پس تو جسے چاہے اُسے بہشت میں داخل کر دے۔ میری رحمت سے اور تو جسے چاہے دوزخ سے بچا لے میرے عفو کے زور سے۔ پس اس وقت حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں خدا کی طرف سے دوزخ وجنت تقسیم کرنے والا ہوں ترجمہ ختم،

ناظرین کرام! اگر آپ ان تینوں روایات کو جلاء العیون طبع تہران جدید ص ۱۹۵، ص ۱۹۶، ص ۱۹۷ فارسی میں دیکھنا چاہیں تو جلاء العیون قدیم ص ۶۵ و ص ۶۶ پر توجہ فرماویں۔

چوتھا واقعہ

ملاحظہ ہو جلاء العیون فارسی ص ۷۶، ص ۷۷ پر ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں۔

ابن بابویہ بسند معتبر روایت کردہ است کہ شخصے از حضرت صادق علیہ السلام پرسید کہ آیا آتش از پے جنازہ مے تواں برد ومجمر وقندیل وامثال آں با جنازہ مے تواں برد۔ پس رنگ مبارک حضرت متغیر شد، فرمود کہ یکے از اشقیا نزد حضرت فاطمہ زہرا آمد وگفت علی ابن ابی طالب دختر ابوجہل را خواستگاری نمود۔ حضرت فاطمہ آں ملعون را سوگند داد۔ آں ملعون سہ مرتبہ سوگند یاد کرد۔ کہ آنچہ مے گویم حق است [illegible]

من . . . و ہر کہ او را آزار کند در حیات من چناں است کہ او را آزار کردہ باشد بعد از مرگ من۔ حضرت امیر عرض کرد بلے چنیں است یا رسول اللہ۔ حضرت رسول فرمود پس ترا چہ باعث شد کہ چنیں کارے کردی۔ حضرت امیر المومنین فرمود بخدا ئیکہ ترا براستی بخلق فرستادہ است، سوگند یاد مے کنم کہ ہیچ یک از آنہا کہ بفاطمہ رسیدہ است واقع نیست، و بخاطر من خطور نکردہ است۔ حضرت رسول فرمود کہ تو راست گفتی و او نیز راست گفت۔ پس حضرت فاطمہ شاد شد و تبسم کرد تا آنکہ دندان مبارکش ظاہر گردید۔

ترجمہ :۔ ابن بابویہ نے معتبر سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ جنازہ کے ساتھ آگ لے جانا درست ہے یا نہ ؟ پس حضرت امام علیہ السلام کا رنگ مبارک تبدیل ہو گیا۔ مراد یہ ہے کہ ناراض ہو گئے اور فرمایا کہ ایک بدبخت حضرت فاطمہؓ کے پاس آیا اور کہا علی ابن ابی طالب ابو جہل کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور منگنی کر لی ہے۔ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے اس ملعون سے قسم طلب کی۔ اس ملعون نے تین مرتبہ قسم کھائی کہ میں جو کچھ کہتا ہوں سچ ہے۔ حضرت فاطمہؓ سخت غمناک ہو گئیں۔ اور غیرت کی وجہ سے آپ کا دل زخمی ہو گیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے عورتوں کی فطرت میں غیرت رکھ دی ہے۔ جیسا کہ مردوں پر جہاد واجب کر دیا ہے اور جو عورت غیرت کے موقع پر صبر کر جائے اس کے لئے ثواب مقرر کیا ہے جتنا کہ اس غازی کو ملتا ہے جو مسلمانوں کی سرحد کی حفاظت میں خدا کی رضا مندی کے لئے بیٹھا ہوا ہے۔ پھر حضرت فاطمہ کا غم بہت زیادہ ہو گیا۔ اور آپ سارا دن فکر میں رہیں۔ یہاں تک کہ رات آ گئی۔ جب رات داخل ہو گئی تو حضرت فاطمہؓ

ہاتھ کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیا اور اپنے باپ کے گھر چلی گئیں۔ جس وقت حضرت علیؓ اپنے گھر تشریف لے آئے تو حضرت فاطمہؓ کو گھر میں نہ دیکھا۔ حضرت علیؓ بہت غمناک ہوئے۔ اور اس حادثے کا سبب معلوم نہ ہو سکا۔ حضرت فاطمہؓ کو ان کے باپ کے گھر سے بلانے میں شرم دامنگیر ہوا۔ پس حضرت علیؓ مسجد میں چلے گئے۔ اور بہت نمازیں پڑھیں۔ پھر مسجد کی ریت جمع کر کے سرہانہ بنایا۔ اور لیٹ گئے۔ جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت فاطمہؓ کے غم کا مشاہدہ کیا تو غسل کیا اور نئے کپڑے پہن کر مسجد میں تشریف لے گئے اور بہت نمازیں پڑھیں، اور رکوع اور سجود میں مشغول رہے۔ ہر دوگانے کے بعد خدا تعالےٰ سے سوال کرتے تھے کہ فاطمہؓ کے غم کو زائل کر دے۔ یہ اس لئے کہ جس وقت حضور نبی کریم اپنے گھر سے باہر تشریف لائے تھے تو حضرت فاطمہؓ کو سخت بے چین دیکھا تھا۔ بے چینی کے سبب سے کروٹیں بدلتی تھیں اور لمبی لمبی آہیں کرتی تھیں۔ جب حضرت نبی کریمؐ نے دیکھا کہ فاطمہؓ کو نیند نہیں آتی اور سخت بے آرامی ہے تو فرمایا۔ اے میری پیاری بیٹی اُٹھ کھڑی ہو۔ حضرت فاطمہؓ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ پس حضرت رسولؐ نے امام حسن کو اٹھا لیا اور حضرت فاطمہؓ نے امام حسین کو اٹھا لیا، اور ام کلثوم کا ہاتھ پکڑ لیا اور گھر سے نکل کر مسجد میں تشریف لے آئے یہاں تک کہ حضرت علیؓ کے پاس پہنچ گئے۔ درآنحالیکہ آپ نیند میں تھے۔ پس حضرت رسول کریمؐ نے اپنے پاؤں کو حضرت علیؓ کے پاؤں پر رکھ کر دبایا اور فرمایا کہ اُٹھ۔ اے ابو تراب۔ بہت سے گھروں میں بسنے والوں کو تو نے غم زدہ کر رکھا ہے۔ جا اور ابو بکرؓ عمرؓ اور طلحہؓ کو بُلا کے لے آ۔ حضرت علیؓ تشریف لے گئے اور ابو بکرؓ و عمرؓ کو ان کے گھروں سے بلا کے لے آئے۔ جب دونوں نبی کریم کے یہاں حاضر ہو گئے تو آنحضورؐ نے فرمایا۔ اے علیؓ کیا تو نہیں جانتا کہ فاطمہؓ میرے بدن کا ایک

ٹکڑا ہے۔ اور میں اس سے محبت رکھتا ہوں۔ پس جو شخص فاطمہؓ کو دکھ دیتا ہے وہ مجھ کو دکھ دیتا ہے اور جو شخص فاطمہ کو میری وفات کے بعد دکھ دیوے گا وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے میری زندگی میں فاطمہؓ کو دکھ دیا ہے۔ اور جو شخص میری زندگی میں فاطمہؓ کو دکھ دیتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے میرے مرنے کے بعد دکھ دیا ہے۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ واقعی اسی طرح ہے یا رسول اللہ۔ پس حضورؐ نے فرمایا۔ کہ تیرے لئے کیا چیز اس کارروائی کی باعث ہوئی؟ حضرت علیؓ نے عرض کی مجھے قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو ساری مخلوقات کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ جو کچھ فاطمہؓ کو پہنچا ہے ان باتوں میں سے کوئی بات بھی واقع میں نہیں ہوئی۔ اور میرے دل میں اس چیز کا خیال بھی نہیں آیا۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ اے علیؓ تو نے سچ کہا۔ اور فاطمہؓ نے بھی سچ کہا۔ پس حضرت فاطمہ خوش ہو گئیں اور تبسم فرمایا۔ یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ ترجمہ ختم

پانچواں واقعہ

ملاحظہ ہو احتجاج علامہ طبرسی مطبوعہ نجف اشرف ص۶۵، ط۶۶، قدیم، ص۱۴۵ طبع جدید، نیز ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد چہارم از کتاب دوم ص۱۲۹، ص۱۳۰، ص۱۳۱

ارضِ فدک واپس دلوانے میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہؓ صلوات اللہ علیہا کی امداد نہ کی اور گھر میں بیٹھے رہے تو آپ نے فرمایا **یا ابن ابی طالب اشتملت شملة الجنين وقعدت حجرة الظنين ۔**

اے پسرِ ابوطالب خویشتن بشملہ در پیچیدی مانند جنین در رحم در دی از خلق نہفتی چوں مردم متہم۔

ترجمہ:۔ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا، اے ابوطالب کے بیٹے چادروں کے اندر چھپ

گئے ہو۔ جیسا کہ رحم کے اندر بچہ چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اور لوگوں سے چھپ کر بیٹھ گئے جیسا کہ تہمت والے لوگ آدمیوں سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! یہ الفاظ سخت ناراضگی کی خبر دیتے ہیں۔ اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ **نهنهيني عن وجدك يا ابنة الصفوة وبقية النبوة۔**

ترجمہ:۔ اے برگزیدہ مخلوقات کی بیٹی۔ اور نبوت کی یادگار مجھ سے ناراضگی نہ فرمایئے۔ ترجمہ ختم،

ناظرین کرام! یہ پانچ روایات ہیں۔ ان میں کچھ ایسی باتیں ہیں جو ادب اور تہذیب کے سخت بر خلاف ہیں۔ اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو شایانِ شان اہل بیت کرام علیہم السلام نہیں ہیں۔ پس ان کی وجہ سے اگر کوئی شخص کبیدہ خاطر ہونے لگے تو اس کی سرزنش اور ملامت کے قابل شیعہ مصنفین ہوں گے۔ جنہوں نے اپنی کتابوں میں ائمہ کرام کے نام سے یہ روایت لکھی ہیں راقم الحروف کو ملامت سے معاف رکھیں، کیونکہ راقم الحروف کا اگر کوئی گناہ ہے تو صرف یہ ہے کہ ان روایات کو کتب شیعہ سے نقل کر دیا ہے۔ ؎

این گناہ است کہ در شہر شما

تعجب ہے کہ شیعہ علماء صحیح بخاری کی ناراضگی والی روایت کو تو ہر وقت بیان کرتے رہتے ہیں۔ گویا ان کی خلقت سے مقصود یہی ہے۔ حالانکہ اس روایت کے بعض طرق میں ناراضگی کا مذکور تک نہیں۔ اور ان پانچ روایات کا نام بھی نہیں لیتے۔ حالانکہ ان روایات میں ناراضگی کے الفاظ کتب شیعہ میں متفق علیہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ علماء روایاتِ خمسہ مذکورہ کے بیان کرنے میں اپنی موت جانتے ہیں حسب ہذا فلکِ نجات روایات خمسہ مذکورہ میں سے چار روایات کو تو پی گئے ہیں اور ڈکار بھی

بھی نہیں لیا۔ ہاں بے شک ان پانچ میں سے ایک روایت کے جواب کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ مراد میری ابوجہل کے خطبے کی روایت سے ہے۔ ملاحظہ ہو۔ فلکِ نجات طبع اول جلد اول ص۳۹۹

قولِ مؤلف

میں کہتا ہوں کہ یہ اہل سنت کے مذہب کے اعتبار سے لکھا گیا ہے لیکن امامیہ کے نزدیک یہ منگنی بالکل ثابت ہی نہیں۔ بلکہ منافقین نے جناب زہرا کے پاس بغرض ایذا رسانی یہ غلط خبر اڑا دی تھی جس سے یہ قصہ جاری ہوا۔ جب بی بی صاحبہ کو معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے تو وہ غصہ جو شنبد پر اُن کو پیدا ہوا تھا۔ فرو ہو گیا۔ بلکہ زائل ہو گیا

ناظرین کرام! فلکِ نجات کی عبارت ختم ہو گئی ہے۔ اب راقم الحروف شیعہ علماء کی خدمت میں گذارش پیش کرتا ہے۔ کہ بھلے مانسو! خبر سچی ہو یا جھوٹی اس سے تو بحث ہی نہیں تھی۔ اگر علمائے اہل سنت کی جانب سے دختر ابوجہل کی منگنی کے وقوع کا سوال ہوتا تو واقعی یہ جواب صحیح ہوتا کہ منگنی کی خبر موضوع ہے کسی منافق نے اپنے جی سے تیار کی تھی۔ حضرت علیؓ کی طرف سے کوئی خواستگاری نہیں ہوئی تھی لیکن جبکہ منگنی بحث کا موضوع ہی نہیں اور یہ بات خوب ظاہر ہے تو صاحب فلک نجات کا یہ جواب حقیقت میں جواب سے گریز ہے اور عاجزی کی ایک کھلی ہوئی دلیل ہے۔

سوال تو حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ناراض ہونے کا تھا۔ کوئی سچی بات سن کر حضرت علیؓ سے ناراض ہو جاویں تو بھی ناراضگی ہو گی اور اگر کوئی جھوٹی بات سُن کر حضرت علیؓ سے ناراض ہو گئیں تو بھی ناراضگی ہو گی۔ اس کو رضامندی تو نہیں کہا جاتا۔ اب واضح ہو گیا کہ صاحب فلک نجات نے ناراضگی کی پانچ روایات میں سے ایک روایت کا جواب بھی نہیں دیا۔ اور اگر غور

سے دیکھا جائے تو صاحب فلک نجات نے اس جواب میں حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کے علم ماکان و علم مایکون کی نفی کر دی ہے۔ شرح اس کی یہ ہے کہ آپ جھوٹی خبر سن کر اس واسطے ناراض ہو گئیں کہ آپ کو اس خبر کے جھوٹا ہونے کا علم نہ ہوا۔

ظاہر ہے کہ اگر آپ کو علم ہوتا کہ یہ خبر جھوٹی ہے تو سننے سے پہلے ہی راوی کو خاموش ہو جانے کا حکم صادر ہوتا۔ اور اس قدر غمناک ہونے اور پریشان ہونے کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ دیکھو جب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بتلا دیا۔ کہ ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کرنے کا مجھے خیال بھی نہیں پیدا ہوا۔ تو آپ فوراً راضی ہو گئیں نتیجہ یہ نکلا کہ صاحب فلک نجات نے جھوٹی خبر سے ناراضگی تسلیم کر کے آپ کے علم کلی سے انکار کر دیا ہے اور جو شیعہ مصنفین اپنی کتابوں میں حضرت فاطمہؓ کے علم ماکان و علم مایکون پر مستقل باب باندھتے ہیں۔ اور احادیث آئمہ کرام سے آپ کے علم کلی کو ثابت کرتے ہیں۔ صاحب فلک نجات نے سب کا قلع قمع کر دیا۔ پس صاحب فلک نجات کا یہ جواب حقیقت میں اصول مذہب شیعہ کو برباد کرتا ہے۔

ملاحظہ ہو۔

ناسخ التواریخ جلد چہارم از کتاب دوم ص۲۲۲ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی حدیث میں ہے فوضعتنی و انا من ذالك النور. اعلم ما كان وما يكون ومالم يكن يا ابا الحسن. سیدہ نساء عالم فرماتی ہیں۔ پس میری والدہ نے مجھے جنا اور میں اسی نور سے ہوں۔ مراد بہشتی میوؤں کا نور ہے اور جانتی ہوں میں سب باتیں جو کہ ہو چکی ہیں اور جو کہ ہونے والی ہیں اے ابوالحسن۔ ترجمہ ختم

حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کے علم کلی کا منکر شیعہ میں کوئی نہیں ہوا۔

تعجب آتا ہے کہ ارباب فلک نجات نے ایسی کارروائی کیسے کر ڈالی۔ جو اس قسم کے انکار کو مستلزم ہے۔ سے

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

ناظرین کرام! صاحب فلک نجات نے اچھا کیا جو باقی چار روایات کے جواب کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ اگر باقی روایات کے جواب بھی تحریر کرتے تو ان جوابوں کا وہی حشر ہوتا۔ جو روایات مذکورہ کے جواب کا حشر ہوا۔

بچھو سے کسی نے پوچھا تھا کہ جناب جاڑے میں کیوں تشریف نہیں لے آتے۔ تو بچھو نے جواب دیا، کہ گرمیوں میں میری خوب عزت ہوتی ہے تاکہ سردیوں میں بھی باہر نکلا کروں۔

بہرحال [illegible] کے شیعہ علمائے کرام کا فرض ہے کہ روایات خمسہ مذکورہ کے جوابات کی طرف [illegible] کریں۔ علمائے اہل سنت کی جانب سے علمائے شیعہ کے ذمے یہ قرضہ ہے جو کہ واجب الادا ہے۔ اگر اپنے وجود میں ان روایات کے جوابات کی طاقت نہیں رکھتے تو صحیح بخاری کی روایت کا تذکرہ چھوڑ دیں۔ کیونکہ جس وقت بھی بخاری کی اس روایت کا ذکر چھیڑا جائے گا۔ لامحالہ کتب شیعہ کی ان پانچ روایات کو آپ کے سامنے رکھا جائے گا۔ اور چونکہ جواب کی طاقت نہیں ہوگی۔ ضرور شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ ؎

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

باب سوم

ہبۂ فدک کے بیان میں

میراث انبیاء کے مسئلہ میں جب شیعہ عاجز آ گئے تو ہبۂ فدک کی حدیث گھڑی۔ اب ہم ہبۂ فدک کی اس حدیث کو یہاں درج کرتے ہیں۔ اور پھر اس حدیث کے حسن و قبح پر اور صحت و عدم صحت پر تبصرہ کرتے ہیں۔

ملاحظہ ہو اصول کافی مطبوعہ تہران باب الفئی والانفال ص۱۵۰، طبع قدیم، و طبع رابع تہران جدید ص۱۴۱ مع ترجمہ فارسی (قاسم شاہ)

قال ان اللہ تبارک وتعالیٰ لما فتح فدک وما والاھا لم یوجف علیہ بخیل ولا رکاب فانزل اللہ علی نبیہ وآت ذا القربیٰ حقہ فلم یدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من ھم فراجع فی ذلک جبرئیل وراجع جبرئیل ربہ فاوحی اللہ الیہ ان ادفع فدک الی فاطمۃ فدعاھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال لھا ان اللہ امرنی ان ادفع الیک فدک فقالت قد قبلت یارسول اللہ من اللہ ومنک۔

ترجمہ:۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا، اللہ تبارک وتعالےٰ نے جب اپنے نبی کے لئے فدک فتح کر دیا اور فدک کے آس پاس کو بھی فتح کر دیا۔ درآنحالیکہ

آپ نے اس پر گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ. تو اللہ تبارک وتعالےٰ نے قرآن میں اتارا وَآتِ ذَاالقُربیٰ حَقَّہٗ ، پس آنحضور نہ سمجھے کہ ذاالقربیٰ سے مراد کون ہیں؟ پھر آپ نے جبرئیل سے پوچھا. اور جبرئیل نے اپنے پروردگار سے دریافت کیا. پس خداتعالےٰ نے حکم بھیجا کہ اے نبیؐ فدک فاطمہؑ کو دے دو. پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت فاطمہؑ کو بلا کر فرمایا. کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ فدک تجھے دیدوں پس حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے قبول کر لیا. آپ کی طرف سے اور پروردگار کی طرف سے ترجمہ ختم.

ناظرین کرام! ہبہ فدک کی اس روایت کے موضوع اور باطل ہونے پر راقم الحروف کو سات دلائل دستیاب ہوئے ہیں۔ ان دلائل کو جواب کے نام سے ذکر کرتا ہوں. سنیئے!

پہلا جواب

آیت مذکورۃ الصدر وَآتِ ذَاالقُربیٰ حَقَّہٗ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ہے. اور سورہ بنی اسرائیل باتفاق شیعہ وسنی مفسرین مکی ہے. یعنی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی. اور اس بات پر بھی تمام علماء کا اتفاق ہے. کہ ہجرت فدک کے بعد ساتویں سال آنحضورؐ کے قبضہ میں آیا. تو اب یہ کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ جب خدائے تعالےٰ نے اپنے نبیؐ پر فدک فتح کیا تو وَآتِ ذَاالقُربیٰ حَقَّہٗ نازل ہوئی. اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے فدک آنحضورؐ کے قبضہ میں آچکا تھا. حالانکہ واقعہ میں ایسا نہیں ہوا. پس واضح ہو گیا شانِ نزول کی یہ روایت موضوع ہے. من گھڑت ہے. یا لوگوں نے گھڑ کر حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ذمہ لگا دی ہے.

اگر کوئی شیعہ کہہ دے کہ سورت بنی اسرائیل اگرچہ مکی ہے مگر اس کے اندر یہ آیت خاص طور پر مدنی ہے تو ہم اس کی خدمت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی ایک حدیث پیش کر دیں گے. جس سے واضح ہو گا. کہ خاص یہ آیت ہجرت سے پہلے مکہ شریف میں نازل ہوئی تھی.

ملاحظہ ہو اصول کافی مطبوعہ تہران کتاب الکفر والایمان ص۱۶ طبع قدیم، طبع رابعہ جدید مع فارسی ترجمہ جلد ۳ ص۵۲ (قاسم شاہ) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں.

ان اللہ عزوجل انزل علیہ فی سورۃ بنی اسرائیل بمکۃ وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا. الیٰ قولہ تعالیٰ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا ہ

ترجمہ:- خداوند تعالےٰ نے حضور نبی کریمؐ پر مکہ شریف کے اندر سورہ بنی اسرائیل میں وقضیٰ ربک سے لے کر خبیرا بصیرا تک نازل فرمایا. ترجمہ ختم

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی اس حدیث کے آخر میں ہے.

فلما اذن اللہ لمحمد فی الخروج من مکۃ الی المدینۃ بنی الاسلام علی خمس الخ

ترجمہ:- پھر جب اللہ تعالےٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ شریف سے نکل کر مدینہ جانے کا حکم دیا تو اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی. ترجمہ ختم

ناظرین کرام! حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی اس حدیث نے فیصلہ کر دیا کہ خاص آیت وآت ذاالقربیٰ حقہ، ہجرت سے پہلے مکہ شریف میں نازل ہوئی تھی اب اگر ہم ہبہ فدک کی حدیث کے موضوع ہونے پر اور کوئی دلیل پیش نہ کریں

[illegible]

کی اس حدیث نے اس احتمال کی جڑ کاٹ دی. جس کی بنا پہ اس استدلال
کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے لیکن عوام کے فائدے کے لئے اس
شانِ نزول کے من گھڑت ہونے پر باقی دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔
(الکریم اذا وعد وفیٰ)

دُوسرا جواب

دعوئے میراث دعویٰ ہبہ کی نفی کرتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ میراث موت
کو چاہتا ہے، اور ہبہ حیات کو چاہتا ہے۔ مطالبہ فدک اگر ہوا ہے تو ضرور ہے
کہ میراث کی بنا پر ہو یا ہبہ کی بنا پر ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس مطالبے کی بنیاد میراث
اور ہبہ دونوں پر رکھی جا سکے۔ کیونکہ اس میں اجتماع نقیضین صریح طور پہ پایا جاتا
ہے۔ شیعہ علماء اگر ان دونوں لفظوں کے معانی کو سوچتے تو ایک ہی دعویٰ میں دونوں
لفظوں کو ہرگز جمع نہ فرماتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر مطالبہ فدک میراث پر مبنی ہے
ہبہ کی روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ اگر یہی مطالبہ ہبہ پر مبنی ہے تو قصہ
میراث باطل ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ تعالےٰ کی کاروائی نہایت اچھی ہے۔
مطالبہ کی بنیاد میراث کو تسلیم کیا ہے اور ہبہ کی روایت کو اپنی کتاب میں کہیں
جگہ نہیں دی۔ وہ خوب جانتے تھے کہ مطالبے کو میراث پر استوار کیا جائے
پھر ہبہ کا نام لینا بھی صحیح نہیں ہے۔ ہمارے شیعہ علماء ہیں کہ اپنی کتاب
دونوں چیزوں کو ذکر کر جاتے ہیں۔ یہ انہیں کا دل گردہ ہے. کہ اجتماع نقیضین
جیسی چیز کو برداشت کر لیتے ہیں. یہاں سے شیعہ علماء کی خوش فہمی خوب

؎ فدا ہوں میں تری کس کس ادا پر
ادائیں لاکھ اور بے چارہ دل ایک

تیسرا جواب

شیعہ کے ہاں مسلّم ہے کہ ائمہ کرام پر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی وہ سب کچھ جانتے
ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ اصول کافی مطبوعہ تہران کتاب الحجۃ ص۱۶۲ قدیم، طبع جدید مع ترجمہ فارسی طبع
رابع جلد ۲ ص۱ (تہران)

باب ان الائمۃ یعلمون علم ما کان وما یکون وانہ لا یخفیٰ علیہم شیٔ صلوات اللہ علیہم

ترجمہ اس باب ثابت کیا گیا ہے کہ امام گزرے ہوئے واقعات اور آئندہ ہونے
والے واقعات جانتے ہیں، اور کوئی چیز ان سے مخفی نہیں ہے۔ ان پر خدا کی
رحمتیں نازل ہوں۔ ترجمہ ختم

صاحب اصول کافی نے اس باب میں چھ حدیثیں ائمہ کرام سے نقل کی ہیں۔
جن سے ثابت کیا ہے کہ امام سب کچھ جانتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم جس طرح نبی ہیں۔ اسی طرح امام بھی ہیں۔ پس شیعہ لوگ جو عقیدہ علم
ائمہ کرام کے حق میں رکھتے ہیں ضرور ہے کہ وہی عقیدہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کے بارے میں بھی رکھتے ہوں گے۔ پس آنحضورؐ کے لئے ہر چیز کا علم ثابت ہو
گیا۔ اب ہم شیعہ علمائے کرام کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ جب
آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کچھ جانتے تھے اور کوئی چیز آپ سے مخفی نہ تھی۔ تو
ذا القربیٰ کے مصداق میں اور اس کے مفہوم سے مراد میں کس طرح خفا باقی رہ سکتا تھا
اور آپ کے علم کلی سے یہ حنہ کس طرح باہر رہ سکتی تھی۔ پس شیعہ کا مسلّم عقیدہ فدک

کی روایت کو موضوع قرار دیتا ہے۔ کیونکہ یہ روایت علم کلی کے عقیدہ کے سخت مخالف ہے۔ ؎

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زُلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

چوتھا جواب

آیت مذکورہ وآتِ ذاالقربیٰ حقہٗ میں اس حدیث کے اعتبار سے ذاالقربیٰ سے مراد صرف حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا ہیں اور حقہٗ سے مراد خاص موضع فدک ہے۔ اور چونکہ عطف کے ذریعہ ذاالقربیٰ کے ساتھ مسکین اور ابن سبیل کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے شامل کیا ہے۔ اس واسطے وآتِ ذاالقربیٰ حقہٗ والمسکین وابن السبیل کا ترجمہ یوں ہوتا ہے "اے نبیؐ فاطمہؓ اور مسکین اور مسافر کو فدک دے دے۔" معلوم ہو گیا کہ اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا جاوے تو بھی فدک میں حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ آپ کے ساتھ مسکین اور مسافر بھی فدک میں شریک ہیں۔ اور چونکہ مسکین ایک کلی ہے جس کے افراد کا کوئی شمار نہیں۔ اسی طرح مسافر ایک کلی ہے جس کے افراد غیر متناہی اور متعین ہیں۔ اس لئے فدک کی تقسیم رقبہ کے اعتبار سے ناممکن ہے۔ ہاں پیداوار کے اعتبار سے اس کی تقسیم ہو سکتی ہے کہ اس کی پیداوار سے حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کے اخراجات مہیا کئے جائیں۔ نیز اس کی آمدنی سے مسکینوں اور مسافروں کی خدمت کی جائے۔ وقف سے مراد بھی یہی ہوتی ہے کہ رقبہ تقسیم نہ کیا جائے۔ اس صورت میں پھر پھرا کر بات وہی بن گئی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی [illegible]

ادا کیا جائے گا۔ خود ارضِ فدک کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ دوسرے باب میں حوالہ جات سے اس مسئلے کو مزین کیا گیا ہے۔ خداوند تبارک وتعالیٰ چھبیسویں پارے میں فرماتے ہیں۔

وجاءت سکرۃ الموت بالحق ذٰلک ما کنت منہ تحید۔

یعنی جس چیز سے آدم کے بیٹے تجھے نفرت تھی وہ ہی سامنے آگئی۔ مراد موت ہے اسی طرح یہاں فدک کے وقف ہونے سے شیعہ کو نفرت تھی وہ ہی سامنے آگئی اور ہبۂ فدک کی روایت نے اس کا وقف ہونا ثابت کر دیا۔ اب ہم شیعہ علمائے کرام کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ ہبۂ فدک کی حدیث صحیح ہے یا موضوع ہے؟ اگر کہیں کہ صحیح ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تائید ہوتی ہے۔ اور اگر ارشاد فرمادیں کہ موضوع ہے من گھڑت ہے تو پھر بھی اہل سنت کا مقصود ثابت ہو جاتا ہے۔ ؎

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زُلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

پانچواں جواب

اگر ہبۂ فدک کی حدیث مذکورہ کو صحیح تسلیم کیا جاوے تو لازم آتا ہے۔ کہ وآتِ ذاالقربیٰ حقہٗ میں خطاب خاص حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ہو۔ حالانکہ اس آیت میں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہرگز نہیں سکتا۔ شرح اس معمہ کی یہ ہے کہ اس آیت میں دوسرا جملہ ہے۔ ولاتبذر تبذیرا۔ یعنی فضول خرچی نہ کر۔ اس جملہ میں تو ظاہر ہے کہ آنحضرت [illegible]

علیہ وآلہ وسلم مخاطب نہیں ہیں کیونکہ آپ سے تو فضول خرچی ممکن ہی نہیں۔ نہی کی مدار امر کان فعل ہوا کرتا ہے۔ کیا کوئی عقل کا پورا ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة وساء سبيلا ۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب تصور کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ زنا تو آپ سے ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح ہم یہاں کہتے ہیں کہ چونکہ فضول خرچی کا کام آپ سے ممکن ہی نہیں۔ اس لئے اس نہی کے آپ مخاطب ہی نہیں۔ پس حدیث ہبۂ فدک کو اگر صحیح تسلیم کیا جاوے تو لازم آتا ہے کہ اس آیت میں آپ کو خطاب ہو اور آپ کو اس آیت میں خطاب ہو نہیں سکتا۔ نتیجہ نکلا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ موضوع ہے۔

مجھے رشک آئے ہے اس رند مے آشام پر ساقی
نہ جو دع ماکدر جانے نہ جو خذ ما صفا سمجھے

چھٹا جواب

آیت مذکورہ وآت ذا القربیٰ حقه کے ماقبل میں بھی واحد مذکر مخاطب ہی کے صیغے ہیں جیسے اما يبلغن عندك الكبر احدهما او كلاهما فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولا كريما. واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيرا.. یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز مخاطب نہیں بن سکتے۔ کیونکہ آنحضرتؐ کے والدین شریفین تو نزول قرآن سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ تو لامحالہ یہاں امتی لوگ مخاطب ہوں گے۔۔

اسی طرح آیت مذکورہ وآت ذا القربیٰ حقه میں امتی لوگ مخاطب ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخاطب نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ کا ماقبل بھی چاہتا

ہے کہ خطاب امت کے لوگوں کو ہو۔ حدیث ہبۂ فدک چاہتی ہے کہ خطاب خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہو پس ضرور یہی کہنا پڑے گا۔ کہ قرآن کی شہادت صحیح ہے اور حدیث ہبۂ فدک خود باطل موضوع ہے۔ ؎

بر افگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاراں دیگرے را مے پرستند

ساتواں جواب

حدیث ہبۂ فدک جو کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں

لما انزل الله وآت ذا القربیٰ حقه والمسكين قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يا جبرئيل قد عرفت المسكين من ذوي القربیٰ قال هم اقاربك فدعا حسنا وحسينا وفاطمة صلوات الله عليهم فقال ان ربي امرني ان اعطيكم مما افاء الله قال اعطيكم فدك.

رسول اللہ نے فرمایا۔ اے جبرائیل مسکین تو میں نے پہچان لئے بتائیے ذا القربیٰ کون ہیں۔ جبرائیل نے جواب میں عرض کیا۔ وہ آپؐ کے رشتہ دار ہیں۔ جو زیادہ قریب ہیں۔ پس آنحضورؐ نے حسنؑ و حسینؑ اور فاطمہؑ کو بلایا اور کہا کہ میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مال فی میں سے تم کو عطا کر دوں۔ اور فدک تم کو دیدوں۔ ترجمہ ختم

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث قرآن حکیم کی تفسیر صافی میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں درج ہے۔ چونکہ اس تفسیر کے صفحات کے نمبر لگے ہوئے نہیں ہیں۔ اس لئے میں بھی نمبر صفحہ لکھنے سے معذور ہوں۔ کسی حافظ قرآن سے دریافت

کرلیں۔ وہ آیت وآت ذاالقربیٰ حقہٗ والمسکین۔ اس تفسیر میں سے نکال کر دکھلا دیگا۔ بس وہاں ہی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث آپ کی نظر سے گزرے گی۔

ناظرین کرام! جب آیت وآت ذاالقربیٰ حقہٗ نازل ہوئی ہے حسنین شریفین اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے۔ پہلے جواب کے ضمن میں ہم لکھ آئے ہیں کہ یہ آیت مکہ شریف میں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اور اس پر امام پنجم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت ثبت کر آئے ہیں۔ اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ حسنین شریفین کی ولادت کب ہوئی۔ تو اصول کافی مطبوعہ تہران صہ ۱۲۳ پر حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت ۲ سنہ ہجری میں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ۳ سنہ ہجری میں لکھی ہے۔ آیت کا نزول ہجرت سے پہلے اور حسنین کریمین کی ولادت ہجرت کے بعد ہے۔

شیعہ علمائے کرام ہی بتلائیں کہ اس آیت کے نازل ہونے پر حسنین کو حضورؐ نے کہاں سے بلا کر فدک عطا کیا؟ آپ ابھی تک دنیا میں تشریف لائے نہیں۔ اور ہبۂ فدک پہلے ہو رہا ہے۔ اس بات کو حل کرنا شیعہ علمار کا ہی کام ہے۔ اور حق بھی انہیں کا ہے۔ کیونکہ انہیں کے مصنفین نے اس حدیث کو لکھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ کارروائی ہے۔ حاشا وکلا آپ ایسی خلاف واقع باتیں ہرگز نہیں ارشاد فرما سکتے یہ شیعہ مصنفین نے اپنے جی سے بنا کر آپ کے نام نامی کے ساتھ وابستہ کر دی ہیں کہ اس طرح قبول ہو جائیں گی۔ اور ہبۂ فدک کی یہ روایت گھڑنے والے کچھ ایسے محقق تھے کہ حسنین شریفین [illegible]

چونکہ بزرگان اہل بیت علیہم السلام کا نام نامی بیچ میں آگیا۔ اس لئے سوچنا حرام ہو گیا۔ اب کوئی صاحب سوچنے کی تکلیف برداشت نہیں کرتے اور کہے جاتے ہیں کہ ہبہ مع القبض ہو چکا ہے۔ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ جب حضرت امام حسن اور حضرت امام حسینؓ پیدا نہیں ہوئے تھے تو انہوں نے قبضہ کیسے کر لیا؟ دراصل کسی چیز کے حسن و قبح کی تمیز آدمی جب کر سکتا ہے کہ تعصب اور ضد سے بچا ہوا ہو۔ تعصب کی وجہ سے شیعہ علمائے کرام صحیح و سقیم کے امتیاز سے قاصر ہیں۔ ؎

مجھے رشک آئے ہے اس مندمے آشام پر ساقی
نہ جو دع ما کدر جانے نہ جو خذ ما صفا سمجھے

سوال

اہل سنت کی بعض کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہبۂ فدک کی حدیث کو صحیح تسلیم کر کے ایک وثیقہ لکھ دیا تھا۔ حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ وثیقہ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا سے لے کر پھاڑ ڈالا تھا۔

جواب

یہ روایت بھی شیعہ کی گھڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید شیعی نے اپنی کتاب حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد دوم صہ ۲۹۹ پر اس روایت کے موضوع شیعہ ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اور شیعہ علمار اگلے زمانوں میں لباس تقیہ میں ملبوس ہوتے تھے۔ اس لئے سنی علمار کو کیا خبر ہو سکتی تھی۔ کہ یہ صاحب حقیقت میں شیعہ ہیں۔ پس سنی علمار نے شیعہ علماء سے یہ روایت نقل کر لی۔ اور رفتہ رفتہ کتابوں میں لکھی گئی۔ علامہ ابن ابی الحدید نے اس روایت کے مردمات خاص شیعہ میں سے ہونے

کو اپنی کتاب میں ظاہر کیا ہے اور حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھایا ہے۔ اگر فاضل ابن ابی الحدید یہ کام نہ کرتے تو ہم کو کیا خبر تھی کہ اصل بات کیا ہے اور اس روایت کے اصل راوی کون صاحب ہیں؟ فاضل ابن ابی الحدید کے اقرار سے تو اس کے راوی شیعہ ہیں اگر اس کے راوی شیعہ نہیں ہیں تو کوئی صاحب تکلیف کر کے اس روایت کے راویوں کے اسمائے گرامی سے پردہ اٹھا کر عنداللہ ماجور ہوں اور عندالناس مشکور ہوں، کسی روایت کے کتب اہل سنت میں درج ہونے سے لازم نہیں آتا۔ کہ یہ روایت حقیقت میں اہل سنت کی روایت ہے اس لئے کہ شیعہ کے ہاں تقیہ اصول دین میں ہے۔ اور بڑی بھاری عبادت ہے۔ اور کار ثواب ہے تو شیعہ علما سُنی بن کر سنیوں سے ملے ہیں۔ اور سنیوں نے ان سے روائتیں لے لی ہیں۔ برخلاف اس کے کسی روایت کا کتب شیعہ میں درج ہونا اس کے حقیقت میں شیعہ روایت ہونے کی پختہ دلیل ہے۔ کیونکہ کسی سُنی عالم نے اپنے آپ کو نہیں چھپایا۔ اور علمائے اہل سنت میں سے کوئی شخص ایسا نہیں گزرا۔ جس نے ساری زندگی تشیع کے لباس میں گزاری ہو اور حقیقت میں سنی ہو۔ پس اہلسنت کا شیعہ علما کو دھوکا دینا ممکن نہیں ہے۔ اور شیعہ علمار کا اہل سنت علمار کو دھوکا دینا واقعات میں سے ہے۔ پس جو روایت کتب شیعہ میں موجود ہوگی۔ وہ خاص شیعہ کی روایت ہوگی۔ اور جو روایت کتب اہل سنت میں پائی جاوے گی وہ قابل تحقیق ہوگی اگر اس کے راوی شیعہ ہیں تو شیعہ کی روایت تصور کی جائے گی۔ اہل سنت پر حجت نہیں ہوگی اور اگر اس کے سب راوی سنی ہیں تو ضرور اہل سنت کی روایت ہوگی اور اہلسنت پر حجت کا کام دے گی۔

سوال،

ہبۂ فدک کی روایت اہل سنت کی کتابوں میں مذکورہ ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور جلد چہارم صـ ۱۷۷ وغیرہا

جوابُ اوّلْ

ہبۂ فدک کی یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح ہے جس میں سند لکھ دینے اور حضرت عمرؓ کے چاک کر ڈالنے کا مذکور ہے جس طرح سابقہ روایت کے راوی شیعہ حضرات ہیں۔ اسی طرح اس روایت کے اصل راوی بھی شیعہ حضرات ہیں۔ میری جستجو کے مطابق اس روایت کے راوی یہ بزرگ ہیں۔ ابو یحییٰ التمیمی جس کا نام اسماعیل بن ابراہیم احول ہے۔ تہذیب التہذیب جلد اول صـ ۲۸۱ پر لکھا ہے۔ قال ابو داؤد شیعی ترجمہ ابو داؤد نے اس کے بارے شیعہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے ترجمہ ختم

عباد بن یعقوب۔ اس کے بارے میزان الاعتدال جلد دوم صـ ۱۶ پر لکھا ہے کہ غالی شیعہ تھا اور صحابہ کرام کو بہت برا جانتا تھا۔ نیز تہذیب التہذیب جلد پنجم صـ ۱۱۰ پر لکھا ہے۔

قال ابن حبان کان رافضیا داعیۃ۔ ترجمہ:۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ عباد بن یعقوب رافضی تھا اور لوگوں کو رفض کی طرف دعوت دیتا تھا ترجمہ ختم

فضیل بن مرزوق۔ میزان الاعتدال جلد دوم صـ ۳۳۵ (قدیم)، میزان الاعتدال جلد ۳ صـ ۳۶۲ طبع جدید (قاسم) پر ان کا شیعہ ہونا ظاہر کیا ہے اور کہ موضوعات کی روایت کا عادی تھا۔

عطیہ عوفی کوفی۔ میزان الاعتدال مطبوعہ مصر جلد دوم صـ ۲۰۱ (قدیم)، نیز کتاب میزان الاعتدال جلد ۳ صـ ۷۹ (طبع جدید) پر لکھا ہے سالم مرادی کہتا ہے کہ عطیہ

میزان الاعتدال طبع جدید جلد ۲ صـ ۱۷۹/۱۸۰ پر عباد بن یعقوب کے شیعہ غالی ہونیکی تفصیلاً ہے

ضعیف ہوتی ہے۔ نیز تہذیب التہذیب جلد ہفتم صفحہ ۲۲۶ پر لکھا ہے کہ عطیہ کلبی کا خاص شاگرد ہے۔ اس نے کلبی کی کنیت ابو سعید بنا رکھی تھی۔ حدیث بیان کرتا تو لوگ پوچھتے کہ یہ حدیث تجھ کو کس نے بتائی وہ فوراً کہہ دیتا کہ مجھ کو ابو سعید نے بتائی پس لوگوں کے خیال میں ابو سعید خدری آجاتے کیونکہ ابو سعید کی کنیت سے وہ مشہور تھے۔ حالانکہ عطیہ کی مراد کلبی سے ہوتی۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ عطیہ کی حدیث کو نقل کرنا حلال نہیں ہے مگر تعجب کے طریق پر۔

ناظرین کرام! ہبۂ فدک کی حدیث کے راویوں کا نہایت مختصر حال لکھا ہے تاکہ رسالہ ہذا کا مطالعہ کرنے والے گھبرا نہ جائیں۔ اگر تفصیل سے ان کے حالات لکھے جائیں تو ایک علیحدہ رسالہ بن جائے۔ بہرحال فدک کی حدیث کے راوی چونکہ شیعہ حضرات ہیں۔ اس لئے علمائے اہل سنت اس کے تسلیم کرنے سے قاصر ہیں۔ اور کتب اہل سنت میں درج ہونا راویوں کے سُنی ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

جیساکہ پہلے سوال کے جواب میں ہم نے لکھ دیا ہے کہ تقیہ ان کے یہاں اصولِ دین میں سے ہے۔ اور عظیم الشان عبادت ہے۔ اس واسطے ان کے باطن کا پتہ لگانا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ یہ بزرگ تقیہ کے لباس میں ملبوس سنی بن کر جب سنی علماء سے ملے تو کچھ انہوں نے بیان کیا اہل سنت کے علماء میں سے جو بھولے بھالے تھے انہوں نے قبول کر لیا اور اپنی کاپیوں میں لکھ لیا۔ پس رفتہ رفتہ کتابوں میں درج ہو ہوگیا۔ محققین علم رجال پر خدا تعالےٰ رحمت نازل کرے کہ انہوں نے رجال کے خاص احوال کی تفتیش کی اور حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھا دیا۔ اگر علمائے رجال اس بھاری کام اور نہایت ضروری کام کو سرانجام نہ کرتے تو ہم کون تھے کہ روایات کے ذخائر میں سے صحیح وسقیم کی تمیز کرتے۔ قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی کتاب مجالس المؤمنین کے دیباچہ میں اقرار کیا ہے کہ سلاطین صفویہ سے پہلے ہمارے علماء حنفی

اور شافعی بنے رہے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیعہ کے اصول تقیہ نے تاریخ اور حدیث کے صاف چشمے کو میلا کر دیا ہے۔ واقعی شیعہ کا یہ اصول اسلام کے لئے بلائے عظیم تھی۔ قاضی نور اللہ شوستری اپنی کتاب میں جابجا تقیہ کے لفظ بلیہ لکھتا ہے۔ اگرچہ قاضی صاحب شیعہ ہیں۔ مگر ان کا یہ فتویٰ سولہ آنے صحیح ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ تقیہ ایک بلیہ ہے یعنی مصیبت ہے۔ قاضی صاحب کی مراد تو یہ ہے کہ شیعہ علماء تقیہ کی مصیبت میں گرفتار رہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ شیعہ علماء نے تقیہ کر کے تمام اہل اسلام کو مصیبت میں ڈال دیا۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

جوابِ دوم

محققین اہل سنت نے کتب حدیث کے چار طبقے مقرر کئے ہیں۔ دیکھو حجۃ اللہ البالغہ اور عجالہ نافعہ اور مقدمہ تحفۃ الاحوذی اور مقدمہ فتح الملہم جو حدیث پہلے طبقے اور دوسرے طبقے کی کتاب میں پائی جاوے وہ قابل حجت ہے۔ اور جو حدیث تیسرے اور چوتھے طبقے کی کتاب میں موجود ہو وہ لائق حجت نہیں ہے اصول میں نہ فروع میں اور ہبہ فدک کی حدیث اور وثیقہ فدک کے پھاڑنے کی روایت پہلے دوسرے طبقہ کی کتابوں میں نہیں ہیں۔ بلکہ تیسرے چوتھے طبقے کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے قابل احتجاج نہیں ہیں۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالےٰ کی خاص روایات تیسرے چوتھے طبقہ کی کتابوں سے نقل کی گئی ہیں۔ اس لئے قابل سند نہیں ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلے دونوں طبقے کے مصنفین کا مقصد صحیح و سقیم

میں تمیز تھی۔ جو حدیث انہوں نے اپنی کتاب میں درج کی۔ صحیح جان کر درج کی۔ جس حدیث میں ضعف معلوم کیا اس کو اپنی کتاب میں درج نہیں کیا اور آخری دونوں طبقوں کے مصنفین کا مقصود احادیث کو جمع کر دینا تھا خواہ صحیح ہوں۔ خواہ ضعیف، چاہے مرفوع ہوں چاہے موضوع۔ پس شیعہ علماء جو حدیث پہلے طبقہ یا دوسرے طبقہ کی کتاب سے نکال کر ہمارے سامنے پیش کریں گے ہم جواب کے ذمہ دار ہیں۔ اور جو حدیث تیسرے یا چوتھے طبقہ کی کتاب سے نکال کر ہمارے سامنے رکھیں گے ہم اس کے جواب کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ؎

مجھے رشک آئے ہے اس رندِ مے آشام پر ساقی
نہ جو دَعْ مَاکَدِر جانے نہ جو خُذْ مَا صَفَا سمجھے

سوال

غزوۂ بدر کے قیدیوں میں حضرت ابوالعاص بن ربیع بھی قید ہو کر آئے تھے زینب دختر رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے نکاح میں تھیں حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے ابوالعاص کو چھوڑانے کے لئے مکہ شریف سے ایک ہار بھیجا۔ یہ وہی ہار تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی کو جہیز میں دیا تھا۔ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وہ ہار دیکھا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے۔ اور صحابہؓ کو ارشاد کیا کہ کیا ہی اچھا ہو۔ اگر تم زینب رضی اللہ عنہا کے قیدی کو رہا کر دو۔ اور اس کے ہار کو بھی واپس کر دو۔ سارے صحابہ نے اس بات کو دل و جان سے قبول کیا۔ اور عرض کیا کہ ہم تو آپ کی ذات پاک پر جان و مال قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ ایک قیدی کو آزاد کر دینا اور اس کا فدیہ

وقت ابوبکرؓ و عمرؓ آنحضورؐ کے پاس موجود نہ تھے۔ اسی طرح جب حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے فدک کا مطالبہ کیا تھا تو حضرت ابوبکرؓ کے لئے مناسب یوں تھا کہ سارے صحابہ سے سفارش کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ کی بیٹی کی طرف سے مطالبہ ہے تم سب لوگ راضی ہو جاؤ اور اپنے حقوق سے دستبردار ہو جاؤ تاکہ ہم فدک آپ کے حوالے کر دیں۔ احسان شناسی کا تقاضا اسی طرح ہے تو سب لوگ راضی ہو جاتے کس کو انکار کی مجال تھی؟ اور حضرت ابوبکرؓ پر بھی کسی قسم کا محل اعتراض نہ رہتا۔ کیونکہ اس میں سب کی رائے شامل ہو جاتی۔

جواب

ہار میں اور زمینِ فدک میں بڑا بھاری فرق ہے۔ زمین فدک حضرت ابوبکرؓ کے عقیدے میں وقف ہے۔ ملاحظہ ہو وہ حدیث جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس مطالبہ کے جواب میں پیش کی ہے۔ الفاظ یہ ہیں مَا تَرَکْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ یعنی جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ وقف ہو جاتا ہے۔ اور ہار جو ہے تو وہ مال غنیمت میں ہے اس کے حقدار معلوم و معین ہیں۔ اس لئے یہاں تو سفارش ہو سکتی ہے وقف جو ہوتا ہے تو خدا تعالےٰ کی ملک میں چلا جاتا ہے۔ آدمیوں کی ملک اٹھ جاتی ہے۔ آدمی صرف پیداوار سے نفع اٹھا سکتے ہیں۔ وقف کا رقبہ انتقالِ ملک کے قابل ہی نہیں رہتا۔ اب بتائیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سفارش کرتے تو کس کے آگے اور دست بردار ہونے کو کہتے تو کس کو کہتے۔ خدا تعالےٰ کے بغیر تو کوئی شخص زمینِ فدک کا حضرت ابوبکرؓ کے اعتقاد میں مالک ہی نہ تھا۔ وقف کو مالِ غنیمت پر قیاس کرنا بھی علمائے شیعہ ہی کے شایانِ شان ہے۔ اہل سنت تو اس قیاس کی تاب نہیں رکھتے۔ باقی رہا پیداوار کا قصہ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ

عنہ زمینِ فدک کی آمدنی میں سے حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کے سارے اخراجات ادا کرتے رہے اگر میری بات قابلِ تسلیم نہ ہو تو دیکھو شرح نہج البلاغۃ از علامہ ابن میثم بحرانی مطبوعہ تہران ص۵۴۳ **وکان یاخذ غلتها فیدفع الیهم منها مایکفیهم.** ترجمہ:۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ زمینِ فدک کی آمدنی میں سے اہلبیت علیہم السلام کو اس قدر دیتے تھے کہ سال بھر کے اخراجات کے لئے کافی ہوتا تھا ترجمہ

ناظرین کرام! فدک کی آمدنی میں سے سب سے پہلے جن کی خدمت کی جاتی تھی وہ حضرات اہل بیت علیہم السلام ہوتے تھے۔ اب شیعہ علماء سے کوئی پوچھے کہ تمہاری اصطلاح میں یہ محرومی ہے؟ کیا کوئی شخص اس صورت میں محرومی کا تصور بھی کر سکتا ہے؟ چونکہ اس صورت میں کسی قسم کی محرومی نہ تھی۔ اسی واسطے حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے رضامندی کا اعلان کیا۔ جیسا کہ ہم دوسرے باب میں مفصل ذکر کر آئے ہیں۔

اطلاعِ عام

یہ اعتراض ابن ابی الحدید کے استاذ ابوجعفر یحییٰ بن ابی زید بصری علوی کے افادات میں سے ہے۔ اور خود ابن ابی الحدید نے آخر میں تسلیم کیا ہے کہ یہ اعتراض مضبوط ہے اور اس اعتراض کی مضبوطی پر ایک عالم کو گواہ گزارا ہے۔ کیا اب بھی ابن ابی الحدید اور اس کے استاذ ابوجعفر نقیب بصرہ کے تشیع میں کچھ شبہ باقی ہے؟ میرے پاس ابن ابی الحدید کے شیعہ ہونے کے دلائل موجود ہیں منجملہ ان کے اس اعتراض کے جواب میں کوشش نہ کرنا ایک دلیل ہے۔ اگر کوشش کرتے تو یہ اعتراض کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتا تھا۔ جیسا کہ راقم الحروف نے ابھی جواب میں تحریر کیا ہے۔

میرے پاس حدیدی شرح نہج البلاغۃ کا جو نسخہ ہے وہ مطبوعہ تہران ہے۔ اس کے

پہلے ورق پر شارح ابن ابی الحدید کا شیعہ ہونا واضح طور پر لکھا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایران کے علمائے شیعہ ابن ابی الحدید کو شیعہ جانتے ہیں۔ سوال مذکورہ حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد دوم جزء چہاردہم ص۱۸۹ پر مذکور ہے جو چاہے دیکھ لے۔

مُعِیشَت

حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ حصہ ہے جو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی وفات سے پہلے آنحضورؐ کے سامنے گزرا۔ دوسرا وہ حصہ ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سامنے گزرا۔ پہلے حصے کا نام نبوی دَور اور دوسرے حصے کا نام صدیقی دَور ہونا چاہیئے۔ اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی زندگی نبوی دَور میں کیسی گزری۔ اور پھر صدیقی رضی اللہ عنہ دَور میں آپ کی زندگی کس طریق پر گزری اس موازنے سے ناظرین کرام کو غصب فدک کی حقیقت ہاتھ آجائے گی

سُنئے ملا باقر مجلسی اپنی کتاب جلاء العیون فارسی کے ص۵۴ (قدیم)، نیز یہ روایت جلاء العیون اردو جلد ۱ ص۱۶۳ طبع لاہور (جدید) پر تحریر کرتے ہیں:۔

ابن بابویہ بسند معتبر از حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام روایت کردہ است۔ کہ آنحضرت فرمود کہ فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا محبوب ترین مردم بود نزد حضرت رسالت و آں قدر آب از مشک آورد کہ در سینۂ او اثر کرد و آنقدر آسیا گردانید کہ دست ہائش آبلہ کرد و آں قدر خانہ را جاروب کرد کہ جامہائش سیاہ شد بسبب ایں خدمت ہا بآنحضرت مضرت شدیدے رسید۔ پس من روزے باو گفتم برو و از پدر خویش سوال کن ... [illegible]

رفت نزد آنحضرتؐ جماعتے را دید کہ سخن مے گفتند حیا مانع شد او را کہ با آنجناب سخن گوید بخانہ برگشت پس حضرت رسولؐ دانست کہ او برائے کارے رفتہ پس روز دیگر بامداد بنزد ما آمد و ما هر دو در زیر یک لحاف بودیم و جامہ نداشتیم کہ بپوشیم و از زیر لحاف بیروں آئیم۔ پس حضرت رسولؐ فرمود السلام علیکم ما شرم کردیم کہ جواب بگویم آنحضرتؐ را بسبب حالتے کہ داشتیم پس بار دیگر آنجناب سلام کرد جواب نگفتیم چوں در مرتبہ سوئم سلام کرد ترسیدیم اگر جواب نگوئم برگردد و عادت آنحضرت چنیں بود کہ سہ مرتبہ سلام مے کرد اگر جواب نمے شنید بر مے گشت پس من گفتم و علیک السلام یا رسول اللہ داخل شو پس او داخل شد و بر بالین ما نشست و فرمود اے فاطمہ چہ حاجت داشتی دیروز نزد من۔ فاطمہ در جواب گفتن شرم کرد من ترسیدم اگر جواب مے نگویم حضرت برخیزد من سر خود را بیروں آوردم و حالت او را عرض کردم فرمود آیا مے خواہید کہ خبر دہم شمارا بیک چیزے کہ بہتر است از برائے شما از کنیز چوں بر جنت خواب میروید سی و سہ مرتبہ سبحان اللہ، و سی و سہ مرتبہ الحمد للہ، و سی و چہار مرتبہ اللہ اکبر بگوئید، پس فاطمہؓ سر خود را بیروں آورد و سہ مرتبہ گفت راضی شدم از خدا و رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ ترجمہ:۔ ابن بابویہ شیخ صدوق نے معتبر سند کے ذریعہ حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ سے روایت کی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، کہ فاطمہ زہراؓ نبی کریمؐ کو سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھیں۔ اور حضرت فاطمہؓ کے سینے میں نشان پڑ گئے۔ پانی کی مشکیں بھر کر لانے کی وجہ سے، اور چکی پیسنے کی وجہ سے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے۔ اور گھر میں جھاڑو دینے کی وجہ سے کپڑے سیاہ ہو گئے۔ اپنے گھر کے ان کاموں کی وجہ سے حضرت فاطمہؓ سخت تکلیف میں تھیں۔ پس میں نے ایک دن حضرت فاطمہؓ سے کہا جاؤ اور اپنے والد شریف سے عرض کرو کہ ایک باندی خرید کر تم کو دیویں جو گھر کے کام کاج میں تمہارا ہاتھ بٹائے۔ حضرت فاطمہؓ جب اپنے والد شریف کی خدمت

میں حاضر ہوئیں تو اس وقت آنحضرتؐ کے یہاں کچھ لوگ باتیں کر رہے تھے۔ حیا کی وجہ سے واپس اپنے گھر تشریف لے آئیں۔ پھر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھ گئے کہ فاطمہ کسی کام کے لئے آئیں تھیں۔ پس دوسرے دن صبح سویرے آنحضورؐ ہمارے ہاں تشریف لے آئے در آنحالیکہ ہم دونوں ایک ہی لحاف میں پڑے ہوئے تھے اور لحاف کے علاوہ کوئی کپڑا ہمارے پاس نہ تھا۔ جو کہ پہن کر ہم لحاف سے باہر نکل آتے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ السلام علیکم ہم نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس حالت کی وجہ سے جس حالت میں ہم دونوں تھے۔ پس دوسری دفعہ آپ نے سلام دیا اور ہم نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب تیسری مرتبہ آپ نے سلام کہا تو ہم ڈر گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو ہمارے جواب نہ دینے کی وجہ سے آپ واپس چلے جائیں اس لئے کہ آپ کی عادت یہی تھی۔ تین مرتبہ سلام دیتے۔ اگر جواب نہ ملتا تو واپس چلے جاتے تھے۔ پس میں نے عرض کیا و علیک السلام یا رسول اللہؐ تشریف لائیے۔ پس آپ گھر میں تشریف لے آئے اور ہمارے سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا۔ اے فاطمہؓ کل میرے پاس کس کام کے لئے آئی تھی۔ حضرت فاطمہؓ نے شرم کی وجہ سے کچھ جواب نہ دیا

حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے خوف ہوا کہ اگر ہم جواب نہ دیں گے تو آپ اٹھ کر چلے جائیں گے۔ میں نے لحاف سے سر نکالا اور فاطمہؓ کی وہ حالت بیان کی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ آنحضورؐ نے فرمایا۔ کہ تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہیں ایک ایسی چیز بتلا دوں جو تمہارے لئے باندی سے بدرجہا بہتر ہو۔ جب نیند کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ اور ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ پس حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے سر لحاف سے باہر نکالا۔ اور تین مرتبہ کہا خدا و رسول سے میں راضی ہوں۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! اس روایت سے ملتا ہے کہ نبویؐ دور میں حضرت فاطمہؓ کی زندگی

نہایت تنگی میں بسر ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ ضروری پوشاک بھی دستیاب نہیں ہوتی تھی آدمی خالی پیٹ گزارا کر لیتا ہے۔ مگر بغیر ضروری لباس کے کوئی آدمی گزارہ نہیں کر سکتا خوراک کا مسئلہ اس قدر تکلیف دہ نہیں ہے جس قدر پوشاک کا مسئلہ تکلیف دہ ہے۔

معلوم ہوا کہ نبوی دَور میں حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی زندگی نہایت تنگی میں گزرتی تھی۔

ایک اور روایت ملاحظہ ہو۔ ناسخ التواریخ جلد چہارم از کتاب دوم صفحہ ۲۴۱
یعنی علی علیہ السلام شکایت کرد کہ چنداں حمل مشک نمودہ ام کہ بدن مرا بیاز ردو پوست مرا بپراہ گندہ است و فاطمہ نیز شکایت فرمود کہ دستہائے من از زحمت گردانیدن آسیا از کار شدہ است، چوں دریں وقت درحضرت رسول خدا گروہی از اسیراں حاضر بودند۔ امیر المؤمنین علیہ السلام فاطمہؑ را فرمود بنزد یک پدر شود خدمت گارے طلب کن لاجرم فاطمہ علیہا السلام بحضرت رسولؐ آمد و سلام داد و جواب بستد و بے آنکہ اظہار حاجت کند مراجعت فرمود۔ امیر المومنین علیہ السلام گفت۔ بگو تا چہ داری۔ عرض کرد سوگند باخدا از ہیبت رسول خدا نیروی سخن کردن نیافتم ایں وقت علی علیہ السلام فاطمہ را برداشت و بحضرت رسول آمد۔ پیغمبر فرمود ہمانا حاجتے شمارا بدیں جانب جنبش داد امیر المؤمنین علیہ السلام صورت حال را بشرح داد پیغمبر فرمود از جماعت اسیراں فاطمہ را خدمتگارے نمیدہم وایشاں را مے فروشم و بہائے ایشاں را باصحاب صُفہ بذل مے فرمائم و بدو ازائے آں فاطمہؑ را تسبیح زہرا بیاموخت۔

ترجمہ:۔ باہمی گفتگو کے درمیان میں حضرت علی علیہ السلام نے کہا۔ پانی کی مشکیں بھر کر لانے سے میرا بدن دُکھیا ہو گیا ہے۔ اور چمڑا بدن کا اڑ گیا ہے۔ اور حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ چکی پیستے پیستے میرے ہاتھ بیکار ہو گئے ہیں۔ چونکہ اس وقت

حضور نبی کریمؐ کے پاس قیدیوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ حضرت علی نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ اپنے والد شریف کے پاس جاؤ اور ایک خدمتگار طلب کرو۔ اسی وقت حضرت فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور سلام عرض کیا اور جواب حاصل کیا۔ اور اپنی حاجت ظاہر کئے بغیر واپس چلی آئیں۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا۔ ماجرا تو کہو کیا بات ہوئی حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم آنحضرت کی دہشت سے میرے وجود میں گفتگو کی طاقت نہیں رہی۔ پھر حضرت علیؓ اسی وقت حضرت فاطمہؓ کو ہمراہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے پیغمبرؐ نے فرمایا ضرور کوئی حاجت ہے جو تم دونوں کو اس طرف لے آئی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حالات کو کھول کر بیان کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیدیوں کی جماعت میں سے کوئی خدمتگار فاطمہؓ کو نہیں دوں گا۔ ان کو تو میں فروخت کروں گا۔ اور ان کی قیمت صفہ کے رہنے والوں پر خرچ کروں گا۔ اور خدمتگار کی جگہ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کو تسبیح زہرا کی تعلیم دے دی۔

ناظرین کرام! یہ روایت بھی نبوی دَور کی صورت حال کو خوب واضح کرتی ہے پہلی روایت میں تو باندی خرید کرنے کی درخواست تھی جو نامنظور ہوئی تھی۔ اور اس روایت میں خدمتگار موجود ہیں۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے خادم دینے سے انکار کر دیا۔ اور خادم کی جگہ پر تسبیحات کی تعلیم کر دی۔ اس کی وجہ یہی ہے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اولاد کے حق میں دنیادی آسودگی پسند نہیں کرتے تھے بلکہ چاہتے تھے کہ میری اولاد کے پاس دین ہی دین ہو۔ دنیا کا نام و نشان بھی نہ ہو۔

ناظرین کرام! ذرا انصاف کرنا۔ وہ ہستی جسے لخت جگر رسول ہونے کا عظیم الشان

شرف حاصل ہے۔ تمام بہشتی عورتوں کی سردار آپؑ ہیں تو تمام بہشتی مردوں کے سردار آپ کے فرزند ہیں۔ اس طرح سے بہشت کی سرداری علی الاطلاق آپ ہی کی ہے۔ آپ وہ ہستی ہیں جس کے دکھ سے خاتم النبیینؐ کو دکھ ہوتا ہے۔ اور آپ وہ مقرب الٰہی ہیں کہ آپ کی ناراضگی میں خدا کی ناراضگی ہے۔ اور آپ کی رضامندی میں خدا کی رضامندی ہے۔ ایسی بزرگ ہستی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتی ہے درآنحالیکہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں آبلے اُبھر آئے ہیں۔ اور درخواست صرف ایک خادم کی ہے۔ اور درخواست بھی اس ہستی کی خدمت میں ہے جو مہربانی اور شفقت میں بے نظیر واقع ہوئے ہیں۔ دُعا مانگیں تو اللہ تعالےٰ اُحد پہاڑ کو سونا بنا دیویں۔ اور اس حالت میں خدام کی ایک جماعت آپ کے پاس موجود ہے۔ بایں ہمہ جواب ملتا ہے تو یہ کہ سوتے وقت ۳۴ مرتبہ سبحان اللہ اور ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ وظیفہ تمہیں خادم کی نسبت سے زیادہ مفید ہوگا۔ معلوم ہوا کہ دنیاوی آسودگی تو آپ کے گوشۂ خیال میں بھی نہ آسکتی تھی۔ آپ کے نزدیک نفع نام ہی آخرت کی آسودگی کا تھا۔ دنیاوی آسانی کو تو آپ نفع کے نام سے تعبیر کرنے سے بھی کتراتے ہیں جبھی تو خادم کے مقابلے میں تسبیحات کو رکھ دیا۔ ان واقعات سے تمام دنیا پر واضح ہوگیا۔ کہ نبوت کا دعوٰئے دنیاوی فوائد کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ مقصود محض دین ہی دین تھا۔ اللہ تبارک وتعالےٰ نے آپ کی نبوت کو بے شمار معجزات سے مستحکم کیا۔ منجملہ ان معجزات کے یہ ترکِ دنیا بھی ہے۔ ایسی ترکِ دنیا کہ اپنے لئے نہ اولاد کے لئے دنیاوی آسودگی چاہی۔ شیعہ صاحبان کے لئے ان واقعات میں سبق موجود ہے۔ کہ جب آنحضور ایسی حالت دیکھ کر خادم کی جگہ تسبیحات کی تعلیم دیتے ہیں تو پھر فدک کس طرح ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جو کہ ہزاروں درہم کی جائیداد ہے۔

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ناظرین کرام! یاد رہے کہ یہ روایات کتب شیعہ سے نقل کی ہیں۔ اگر ان میں خلافِ تہذیب جملے واقع ہوئے ہیں تو ان سے اہل سنت پر ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ علمائے اہل سنت نے اپنی کتابوں میں فقر و فاقہ تو بیان کیا ہے مگر اس طرح پر بے لباس ہونا بیان نہیں کیا ہے۔

صِدّیقی دَورؓ

نبوی دَور میں حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی زندگی کا نمونہ ان دو روایات میں بیان ہوا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات شیعہ اور سُنی کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر اس رسالہ کو طول دینا مناسب نہیں ہے۔ اس لئے صرف ان دو روایات پر گزارا کیا ہے۔ اب ہم صدیقی دَور میں حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی زندگی کی شرح کرتے ہیں۔

سُنیئے! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں اہل بیت علیہم السلام کو معیشت کی تنگی ہرگز نصیب نہیں ہوئی جو نبوی دَور میں حاصل تھی۔

ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغۃ از علامہ ابن میثم بحرانی ص۵۴۳

وکان یاخذ غلتھا فیدفع الیھم منھا مایکفیھم۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ فدک کی آمدنی میں سے اہل بیت

علیہم السلام کو دیتے تھے جو کافی ہو جاتا تھا۔ ترجمہ ختم

مراد یہ ہے کہ جس قدر اخراجات ضروریہ ہیں وہ سب کے سب پورے کر دئیے جاتے تھے۔ اور بعینہٖ یہی الفاظ درہ نجفیہ ص۳۳۲ پر موجود ہیں۔ علامہ ابن ابی الحدید اپنی کتاب شرح نہج البلاغۃ جلد دوم ص۲۹۶ پر تحریر فرماتے ہیں۔

وکان ابوبکر یاخذ غلتها فیدفع الیهم منها ما یکفیهم۔

ترجمہ:۔ اور حضرت ابوبکر فدک کی آمدنی لے کر اہل بیت علیہم السلام کو دے دیتے تھے جو انہیں کافی ہو جاتی تھی۔

زمانۂ حال کے مشہور و معروف شیعی مصنف سید علی نقی فیض الاسلام نہج البلاغۃ کی فارسی شرح جلد پنجم ص۹۶ پر رقمطراز ہیں۔

خلاصہ ابوبکر غلہ و سود آنرا گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت علیہم السلام میداد۔

ترجمہ:۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فدک کی آمدنی اور منافع میں سے گزران کے مطابق اہل بیت علیہم السلام کو دے دیتے تھے۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! علمائے شیعہ میں سے چار علماء کی شہادت حاضر خدمت ہے یہ چار دل عالم گواہی دیتے ہیں۔ کہ حضرت فاطمہ اور حضرت علی صلوات اللہ علیہما کو حضرت ابوبکر فدک کی آمدنی میں سے کافی خرچ دیا کرتے تھے معلوم ہوا کہ وہ معیشت کی تنگی پھر لوٹ کر نہیں آئی جو نبوی دور میں حاصل تھی۔

علمائے شیعہ کے بیانات میں لفظ یکفیہم قابلِ غور ہے یہ وہی لفظ ہے جو مولوی کلینی کی کتاب کے بارے میں حضرت امام مہدی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے **ھذا کاف لشیعتنا** کتاب اصول کافی جلد۱ ص۱۵ طبع تہران یعنی یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اہل بیت علیہم السلام کو فدک کی آمدنی میں سے جو کچھ دیا کرتے تھے وہ ان کے لئے

کافی ہوتا تھا۔ گزران میں کوئی تنگی واقع نہیں ہوتی تھی۔

صاحب فلک نجات نے نبی کریم کے بعد فدک سے محرومی اہل بیت کے ذمہ لگائی ہے۔ دیکھو فلک نجات کا حاشیہ ص۲۸۷ مگر افسوس کہ مندرجہ بالا شہادات علمائے شیعہ کو نظر انداز کر دیا ہے یا کہ مطالعہ کی کمی ہے اور ضد کی فراوانی ہے کیا محرومی اسی کو کہتے ہیں کہ سارے اخراجات فدک سے پورے کئے جائیں۔ کسی قسم کی تنگی معیشت میں راہ نہ پائے۔ ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اہل بیت علیہم السلام کے گزارے میں تنگی کی کوئی روایت میری نظر سے نہیں گزری۔ کتب شیعہ میں تلاش کیا ہے تو یہاں بھی کوئی ایسی روایت نہیں ملی۔ جس سے ثابت ہو کہ صدیقی دور میں یا فاروقی دور میں اہل بیت علیہم السلام کو معیشت کی تنگی تھی۔ صدیقی دور اور فاروقی دور میں فدک کی آمدنی بہت بڑھ چکی تھی۔ اور اس سے اہل بیت کو خرچ بھی کافی ملتا تھا۔ اسی واسطے اموالِ غنیمت میں سے اہل بیت نے خمس لینا بند کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہو ابو داؤد شریف جلد دوم باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذوی القربیٰ۔ حضرت علی فرماتے ہیں۔

فدعانی فقال خذہ فقلت لا اُرِیْدُہٗ فقال خذہ فانتم احق بہ قلت قد استغنینا عنہ فجعلہ فی بیت المال۔

ترجمہ:۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا۔ اور کہا کہ خمس کا حصہ لے لو۔ میں نے کہا میں نہیں خواہش رکھتا۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا لے لو۔ اس لئے کہ تم زیادہ حقدار ہو۔ میں نے کہا ہم لوگ مستغنی ہو گئے ہیں۔ اس خمس سے پھر حضرت عمرؓ نے بیت المال میں داخل کر دیا۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! اس روایت سے معلوم ہوا کہ فدک کی آمدنی نے اہل بیت علیہم السلام کو غنی کر دیا تھا۔ اور وہ خوشی سے مال غنیمت کے خمس کے تارک ہو گئے تھے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صدیقی دور میں اہل بیت علیہم السلام کو کسی قسم کی تنگی پیش نہیں آئی۔ اور نبوی دور میں جو فقر و فاقہ پیش آیا وہ جلاء العیون اور ناسخ التواریخ کی روایات سے ظاہر ہے جیسا کہ گزر چکا۔

اعتراض از صاحبِ فلکِ نجات

ملاحظہ ہو فلک نجات طبع اول جلد اول صـ۳۹۷ اور جو بعض روایات اہل جماعت میں آیا ہے کہ ابوبکرؓ صاحب نے جناب فاطمہؓ کو کہا۔ میں فدک وغیرہ اموال میں مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کروں گا تو یہ اس کے اپنے عمل سے مردود ہے۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں جبیر بن معطم سے مروی ہے کہ ابوبکر صاحب خمس کو مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے تقسیم کرتے تھے۔ سوائے اس کے کہ اقارب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا تھا۔ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں دیتے تھے۔

جوابِ اوّل

سید علی نقی فیض الاسلام اور ابن میثم بحرانی اور صاحب دُرّہ نجفیہ اور علامہ ابن ابی الحدید ان چاروں مجتہدین شیعہ کی شہادت سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا سے جو وعدہ کیا

کرتے رہے۔ جیسا کہ گزر چکا۔ پس صاحب فلک نجات کا اعتراض ان چار بزرگان شیعہ کی شہادت سے مردود ٹھہرا۔

جوابِ دُوئم

صاحب فلک نجات کے مدعا اور دلیل میں کچھ مطابقت نہیں ہے مناظرین کی اصطلاح میں تقریب نام نہیں ہوئی۔ شرح اس کی یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا سے عرض کیا۔

کان رسول اللہ یاخذ من فدك قوتكم ويقسم الباقی۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فدک کی آمدنی میں سے آپ لوگوں کا خرچ الگ کر لیا کرتے تھے، اور باقی ماندہ تقسیم کر دیا کرتے تھے۔

ملاحظہ ہو۔ شرح نہج البلاغۃ از علامہ ابن میثم بحرانی صـ۵۴۳

اسی چیز پر حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے رضامندی ظاہر فرمائی۔ اور اسی کو پورا کرنے کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عہد لیا۔ اب صاحب فلک نجات اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو وعدہ شکن اور بے وفا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ تو فدک کی آمدنی میں سے اہل بیت کی محرومی ثابت کریں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کو ان کے عمل سے باطل کرنے کی صورت یہ ہے کہ حضرات اہل بیت علیہم السلام کے اخراجات ادا کرنے میں خلیفہ اول کوتاہی کریں جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل بیت علیہم السلام کے خرچ کو مقدم رکھیں اور جب تک اس گھر کے اخراجات کا بندوبست نہ کر لیں چین سے نہ بیٹھیں تو وعدہ شکنی کیسی اور عمل سے قول کی تکذیب کے کیا معنی؟ ے

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

صاحب فلک نجات کا دعویٰ تو یہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ فدک کی آمدنی میں سے اہل بیت کو کچھ نہ دیتے تھے اور اس دعویٰ کی دلیل پیش کرتے وقت اموال غنیمت کے اخماس کا قصہ چھیڑ دیا۔ کہ ابوبکرؓ صاحب اقارب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خمس نہیں دیا کرتے تھے۔ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا تھا۔ میرے خیال میں سوال گندم جواب چینا کی کہاوت اسی قسم کے مواضع کے لئے ہے۔

جواب سوم

واقعات یہ ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اموال غنیمت میں سے جو خمس الگ کرتے تھے۔ پھر باقی لوگوں پر تقسیم کرتے تھے (ملاحظہ ہو وہی سنن ابوداؤد جلد ۲ کتاب الفیٔ والامارہ صـ۱۴۱)

عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ قال سمعت علیا یقول ولانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خمس الخمس فوضعته مواضعه حیاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحیاة ابی بکر وحیاة عمر فاتی بمال فدعانی فقال خذہ فقلت لا اریدہ فقال خذہ فانتم احق به قلت قد استغنینا عنه فجعله فی بیت المال...

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سنا فرماتے تھے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے پچیسویں حصے کی تقسیم کا مال غنیمت [illegible]

اور حضرت عمر رضوان اللہ علیہما کی زندگی میں پھر ایک دفعہ مال غنیمت آیا تو حضرت عمرؓ نے مجھے تقسیم کے لئے بلایا اور کہا۔ کہ لے لو۔ پس میں نے کہا کہ میں اس مال کی خواہش نہیں رکھتا ہوں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا لے لو۔ کیونکہ تم اس مال کے حقدار ہو۔ میں نے کہا کہ ہم اس مال سے مستغنی ہو گئے ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے بیت المال میں داخل کرا دیا۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت کے خمس الخمس یعنی پچیسویں حصے کی تقسیم خود علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ذمہ تھی۔ ہاشمیوں اور مطلبیوں میں قاسم خمس آپ ہی کی ذات والاصفات تھی۔ جب حضرت علی المرتضیٰ نے دیکھا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب غنی ہو گئے ہیں تو خمس الخمس لینے سے انکار کر دیا۔

ابوداؤد شریف کے صفحہ ۱۴۷ پر ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔

عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ قال سمعت علیاً یقول اجتمعت انا والعباس وفاطمة وزید بن حارثه عند النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم فقلت یارسول اللہ ان رأیت ان تولینی حقنا من هذا الخمس فی کتاب اللہ عز وجل فاقسمه فی حیاتک کیلا ینازعنی احد بعدک فافعل قال ففعل ذلک قال فقسمته حیاة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ثم ولانیه ابوبکر حتیٰ اذا کانت اٰخر سنة من سنی عمر فانه اتاہ مال کثیر فعزل حقنا ثم ارسل الی فقلت بنا العام عنه غنی وبالمسلمین الیه حاجة فارددہ علیهم فردہ علیهم۔

ترجمہ:۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں۔ میں نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے سنا

[illegible]

ہوئے ۔ اور میں نے عرض کی یا رسول اللہ کتاب اللہ میں جو ہمارا حق خمس مذکور ہے اس کی تقسیم کا آپ مجھے متولی بنا دینا مناسب سمجھتے ہیں تو بنا دیں۔ پس تقسیم کر دوں گا۔ میں آپ کی زندگی میں تاکہ کوئی شخص آپ کے بعد مجھ سے نہ جھگڑے ۔ یعنی ہاشمیوں اور مطلبیوں میں سے کوئی شخص قاسم خمس بننے کی خواہش نہ کرے ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو قبول فرمالیا۔ پس میں نے خمس کو تقسیم کیا آں حضور کی زندگی میں ۔ پھر ابو بکرؓ نے بھی مجھے ہی خمس کی تقسیم کا متولی بنایا اور عمرؓ نے بھی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کی عمر کا آخری سال آگیا۔ اور عمرؓ کے یہاں بہت سا مال آیا۔ پس حضرت عمرؓ نے ہمارا حق علیحدہ کر دیا۔ اور میرے پاس ایک قاصد بھیجا تاکہ میں اس خمس کی تقسیم کر دوں۔ پس میں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ہم کو اس سال اس مال کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اور باقی مسلمانوں میں محتاجی ہے ۔ اس لئے ان کو دے دو۔ پھر حضرت عمرؓ نے وہ مال دوسرے مسلمانوں کو دے دیا۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام ! اس حدیث سے دو مسئلے ظاہر ہو رہے ہیں ۔ ایک تو یہ کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں کی خلافت میں ہاشمیوں اور مطلبیوں کو خمس الخمس ملتا رہا اور دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے یہاں قرابت داران رسول کو بعد رسول کے جو کچھ خمس میں ملتا تھا، وہ احتیاج کی وجہ سے ملتا تھا محض قرابت کی وجہ سے نہیں ملتا تھا۔ حضرت علیؓ نے دیکھا کہ ہم میں کوئی بھی محتاج نہیں ہے اس لئے حصہ خمس وصول کرنا بند کر دیا۔ اگر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے یہاں مدار خمس قرابت محضہ پر ہوتی تو آپ کو خمس وصول کرنے سے انکار کی شرعاً کوئی گنجائش نہ تھی۔ ہر صاحب اپنے حق سے تو دست بردار ہو سکتا ہے۔ دوسرا[illegible] حقوق سے دست بردار ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

جواب چہارم

ابوداؤد شریف کی جس روایت سے صاحب فلک نجات نے استدلال کیا ہے اس کے مفہوم کی تعیین میں آپ سے غلطی ہوگئی ہے ——— ابوداؤد شریف جلد دوم کتاب الخراج والفئی والامارۃ صفحہ ۴۱۶ ——— حدیث مذکور دو سندوں سے ذکر کی گئی ہے ۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں۔

وکان ابوبکر یقسم الخمس نحو قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم غیر انہ لم یکن یعطی قربیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما کان النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم یعطیھم۔

ترجمہ :- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ خمس کی تقسیم اسی طرح پر کرتے تھے ۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے لیکن آنحضورؐ کے رشتہ داروں کو وہ مقدار نہیں دیتے تھے جو مقدار آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیا کرتے تھے ۔ ترجمہ ختم

پس دینے یا نہ دینے میں تفاوت نہیں ہے ۔ بلکہ تفاوت مقدار میں ہے ۔ چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں آپ کے رشتہ دار زیادہ حاجتمند تھے اس لئے زیادہ مقدار دی گئی ہے ۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں احتیاج گھٹ گئی تھی ۔ اس لئے قرابت داران رسولؐ کو حسب احتیاج خمس میں سے دیا گیا اور واقعہ یہ ہے کہ قرابت داران رسول حاجت سے زیادہ لینے کے خواہشمند بھی نہیں ہوتے تھے ۔

روح المعانی پارہ دہم صفحہ ۳ پر حضرت زید شہید ابن زین العابدین علیہ السلام کا مقولہ درج ہے ۔ فرمایا ۔

ہم قرابت داران رسولؐ کے لئے جائز نہیں کہ خمس میں سے عالی شان محل تعمیر کریں۔ اور مکلف گھوڑوں کی سواری کریں۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! جو فقرہ ابوداؤد شریف کی روایت مذکورہ میں ہے بعینہٖ ایسا ہی فقرہ مسلم شریف جلد اول صفحہ ۴۶۱ پر لکھا ہوا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولم علی امرءۃ ما اولم علی زینب رضی اللہ عنہا

مَیں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی بیوی کے نکاح پر اس مقدار میں ولیمہ کیا ہو۔ جس مقدار میں زینبؓ کے نکاح کے موقع پر ولیمہ کیا تھا۔ ترجمہ ختم

راقم الحروف نے جو ترجمہ خمس کی روایت میں لکھا ہے۔ اگرچہ وہ عربی بولی کے قاعدوں کی رُو سے بالکل صحیح تھا۔ مگر مزید توضیح کے لئے اور مزید اطمینان کے سامان کے لئے مسلم شریف کی حدیث پیش کر دی ہے۔

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر،
مَیں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

اب دُوسری سند کی روایت کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ وہ بھی ابوداؤد صفحہ ۴۱۶ جلد دوم کتاب الفئی

وکان ابوبکر یقسم الخمس نحو قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر انہ لم یکن یعطی قربی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما کان یعطیھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

لعنی حضرت ابوبکرؓ قرابت داران رسولؐ کو اس طریق پر نہیں دیتے تھے۔ جس

طریق پر آنحضورؐ دیتے تھے۔ ان الفاظ میں کاف تشبیہ موجود ہے۔ چونکہ یہی قید زائد ہے۔ اس لئے حرف نفی کی ساری توجہ ادھر ہی ہوگی۔ پس حضرت ابوبکرؓ کے خمس دینے میں کلام نہیں ہے۔ بلکہ کلام صرف تشبیہ میں ہے کہ آنحضرتؐ کا اپنے اقربا کو خمس دینے کا طریقہ اور تھا اور حضرت ابوبکرؓ کا طریقہ اور تھا۔ مقصود یہ ہے کہ آنحضرتؐ اپنے قرابت داروں کو اپنی خاص نصرت کی وجہ سے خمس دیتے تھے اور حضرت ابوبکرؓ ضرورت فقر کی وجہ سے خمس دیتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کا مذہب بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جس سال حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے خمس لینے سے انکار کیا ہے۔ انکار کی وجہ یہی بیان فرمائی ہے کہ اس سال ہم کو کوئی حاجت نہیں ہے جیسا کہ گزر چکا۔ دوبارہ حدیث کے الفاظ دیکھ لو۔ تیسرے جواب کے ضمن میں وہ حدیث موجود ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرابت داران رسولؐ کو خمس میں سے دو وجہ سے حصہ ملا کرتا تھا۔ ایک نصرت خاصہ دوسرے احتیاج اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں صرف احتیاج اور ضرورت پر خمس کی دار و مدار تھی۔ کیونکہ جب پیغمبر خدا اس جہان سے روانہ ہو گئے تو آپ کی نصرت کا سوال ہی باقی نہ رہا۔

پس جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے قرابت داران رسولؐ کو سرے سے خمس دینا بند کر دیا تھا۔ اور بالکل کچھ بھی ان کو نہیں دیتا تھا۔ وہ حدیث کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھنے کی سعی نہیں کرتے۔

[illegible]

جواب پنجم

اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت جبیر بن معطم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیثوں میں تعارض فرض کر لیا جاوے کہ ایک سے خمس کا دینا اور دوسری سے نہ دینا ثابت ہوتا ہے تو ہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ مثبت ہے اور حضرت جبیر کی روایت نافی ہے۔ اور مثبت کو نافی پر ترجیح ہے۔۔۔

جواب ششم

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی حدیث جس میں خمس الخمس کا قرابت داران رسولؐ کو دینا اور حضرت علیؓ کا وصول کرنا مذکور ہوا ہے ایسی حدیث ہے کہ اس کی تائید کتب شیعہ سے دستیاب ہوئی ہے۔ دیکھو حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد دوم صفحہ ۲۹۸ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ قول موجود ہے۔

بل انفق علیکم منہ واصرف الباقی فی مصالح المسلمین۔

بلکہ اس خمس میں سے تم لوگوں پر خرچ کروں گا۔ اور تمہارے خرچ سے جو بچ جائے گا وہ عامۃ المسلمین کے بہتری کے کاموں میں خرچ کروں گا۔

ناظرین کرام! ابن ابی الحدید نے اس موقع پر اپنی خاص سند سے جو روایات نقل کی ہیں وہ سراسر شیعہ کی روایات ہیں۔ اور ان میں جس قدر مواد موجود ہے سارے کا سارا حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خلاف ہے۔ صرف یہ فقرہ صحیح ہے اور چونکہ شیعہ راویوں کی زبانی مروی ہے۔ اس لئے ہم اس فقرے کو ابو داؤد شریف کی علوی حدیث کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اب روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ

ابن شہاب زہری کی حدیث کا وہ مفہوم نہیں ہے جو صاحب فلک نجات نے لیا ہے اور اگر وہی مفہوم تسلیم کر لیا جاوے تو حضرت علی المرتضیٰ کی حدیث کو ترجیح ہے کیونکہ کتب شیعہ سے اس کی تصدیق ہو چکی ہے۔

صاحب فلک نجات پر مجھے رہ رہ کے تعجب آتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی حدیث کے مقابلے میں ابن شہاب زہری کی حدیث کو کیسے ترجیح دی ہے٭٭ اور پھر ان کی حدیث کے مقابلے میں ابن شہاب کو ترجیح دیوے تو وہ اس دعویٰ میں سچا نہیں ہے۔ ع

"ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا"

باب چہارم

اراضیٔ فدک کے بارے حضرت علیؓ کے طریقے کا بیان

الحمد للہ تعالیٰ کہ میراث انبیاء علیہم السلام اور رضامندی فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی تشریح سے ہم فارغ ہو چکے۔ نیز ہبہ فدک کی روایات کے موضوع ہونے پر تفصیلی گفتگو ہو چکی۔ اب وقت آگیا ہے کہ اراضی فدک کے بارے خود حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی طرز حکومت کو واضح کیا جائے تاکہ آپ کے عقیدتمندوں

٭٭ جو شخص محب علی شیعہ علی مرید علی ہونے کا دعویٰ کرے

کے لئے کسی قسم کے شبہ کی گنجائش باقی نہ رہنے پائے اور گلے پھاڑ پھاڑ کر الحق مع علی کا نعرہ لگانے والوں کا امتحان ہو جائے۔ نیز محبانِ علیؓ اور مبغضانِ علیؓ الگ الگ صفوں میں کھڑے نظر آئیں۔

برافگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاران دیگرے رامی پرستند

ناظرین کرام! حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنی حکومت کے زمانے میں اراضیٔ فدک میں وہی دستور جاری رکھا جو کہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کے زمانہ میں چلتا رہا۔ اس دستور میں ذرہ بھر تغیر تبدل نہ فرمایا۔ ملاحظہ ہو فروع کافی جلد سوم کتاب روضہ صفحہ ۲۹ (قدیم)، کتاب ہذا طبع جدید تہران ص۸۶ پر یہی روایت موجود ہے ف۱

لو رددت فدك الى ورثة فاطمة عليها السلام لتفرقوا عنى۔

اگر میں فاطمہؓ کے وارثوں پر فدک لوٹا دیتا تو لوگ مجھ سے الگ ہو جاتے۔ ترجمہ ختم

حضرت علیؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے فدک حضرت فاطمہؓ کے وارثوں کو نہیں دیا۔ درآنحالیکہ فدک آپ کی حکومت کے دائرے کے اندر تھا۔ اور آپ دے سکتے تھے۔ بلکہ آپ نے فدک کو اسی طریق پر رہنے دیا جس طریق پر خلفائے ثلاثہ کی حکومت کے زمانے میں تھا۔ اب اگر شیعہ مزعومات کو صحیح تسلیم کر لیا جاوے تو لازم آتا ہے کہ خلیفۂ اول اور خلیفۂ چہارم دونوں بزرگ ایک ہی کشتی کے سوار ہوں۔ اس واسطے کہ دونوں بزرگوں کی طرزِ حکومت میں فدک کے بارے کچھ تفاوت نہیں ہے۔

شیعہ عقائد میں فدک خاص حق فاطمہؓ تھا۔ جو آپ سے غصب کر لیا گیا۔ جب خلافت حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے پاس پہنچی تو آپ نے اس کو بحال

[illegible]

رکھ کر اس کی تصدیق فرما دی۔ درآنحالیکہ آپ تغیر تبدل پر خوب قادر تھے اب شیعہ علمائے کرام ہی بتلائیں کہ غصب کرنے والا زیادہ مجرم ہے یا کہ اس غصب کو برقرار رکھنے والا۔ شیعہ تخیلات * دو معصوموں کو فدک سے محروم کرتے ہیں۔ نیز اگر حسب زعم شیعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فدک مغصوب ہو کر نااہل ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔ . . . . تو حضرت علی المرتضیٰ کا امام اور بادشاہ ہونے کی وجہ سے پہلا فرض یہ تھا کہ فدک کو صحیح طریقوں پر استعمال فرماتے کیونکہ خلیفۂ برحق کا اور کام ہی کیا ہے؟ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کاروائی زمین فدک کے بارے غلط اور ناجائز تھی تو حضرت علی المرتضیٰ کا منصبی فرض یہ تھا کہ اس غلطی کو درست فرما دیتے۔ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فدک پر قبضہ کر کے ظلم کیا تھا تو حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کا فریضہ یہ تھا کہ اس ظلم کو رفع کر دیتے۔ اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کسی حقدار کو اس کے حق سے محروم کیا تھا تو حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی عدالت کا تقاضا یہی تھا کہ اس حقدار کو اس کا حق پہنچا کر ہی دم لیتے۔

ملاحظہ فرمائیے! نہج البلاغۃ مصری جلد اول صفحہ ۲۰۲ پر حضرت علی المرتضیٰ کا اپنا ارشاد،

انه ليس على الامام الا ما حمل من امر ربه الا البلاغ فى الموعظة والاجتهاد فى النصيحة والاحياء للسنة واقامة الحدود على مستحقيها واصدار السهمان على اهلها.

ترجمہ:۔ نہیں ہے امام کے ذمے مگر وہی پروردگار کا حکم جس کو امام نے خود برداشت کیا ہے اور وہ پانچ امر ہیں۔

پہلا لوگوں کو خوب وعظ کہنا۔

دوسرا لوگوں کی خیر خواہی میں خوب قوت صرف کرنا۔

تیسرا؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کرنا۔

چوتھا؛ سزاؤں کے حقداروں پر سزائیں قائم کرنا۔

پانچواں؛ حق داروں کو ان کے حقوق واپس لوٹا دینا۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اس حدیث میں امام کے پانچ فرائض گنوائے ہیں۔ جن میں تیسرے نمبر پر ہے۔ پیغمبر کی سنت کو زندہ کرنا پس اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدک کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو موقوف کر دیا تھا تو حضرت علیؓ کا فرض تھا کہ اس سنت کو زندہ کر دیتے۔ اس طرح پر کہ فدک حسنین شریفین رضوان اللہ علیہما کے حوالے کر دیتے۔ کیونکہ یہی دو بزرگ اس وقت موجود تھے۔ جو کہ آپ کے وارث تھے۔ میں نے غلط کہا بلکہ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی بنات مکرمات بھی اس وقت زندہ تھیں۔

پس حضرت علیؓ کا فریضہ یہ تھا کہ حضرت فاطمہؓ کی اولاد کو بلا کر فدک بطور وراثت ان کے حوالے کرتے۔ اور حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی روح شریف کی رضامندی کی خوشخبری حاصل کرتے اور اس ارشاد مرتضوی میں پانچویں نمبر پر ہے۔ حق داروں کو ان کے حقوق پہنچا دینا۔ شیعہ عقائد کو دیکھا جائے تو حضرات اولاد فاطمہ صلوات اللہ علیہا وعلیہم ارض فدک کے صحیح حقدار تھے۔ پس حضرت علی المرتضیٰ جب امام ہوئے اور بادشاہ ہوئے تو آپ مندرجہ بالا فریضے کے اعتبار سے فدک ان کے حوالے کر دینے کے ذمہ دار ٹھہرے، اور مسلّم ہے کہ آپ نے فدک حسنین شریفین اور بنات مکرمات حضرت فاطمہؓ کے حوالے نہیں کیا تو آپ نے امامت کے پانچ فرائض میں سے تیسرا اور پانچواں فرض ادا نہیں کیا۔ اور صاف تصریح ہے

[illegible]

پر اٹھایا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شیعہ کے عقائد کے لحاظ سے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے خداوندی فرائض کو ادا نہ کر کے حق امامت ادا نہیں کیا۔ **نعوذ باللہ من من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔**

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود . . . دیوار کج

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ حضرات نے صدیقی خلافت میں غصب فدک کا قول کر کے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی امامت پر خطرناک حملہ کیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غاصب فدک تسلیم کر لیا جاوے تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا فرائض امامت سے عہدہ برآ ہونا ممکن ہی نہیں۔ پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر اعتراض حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی امامت پر اعتراض کے مترادف ہے۔ اور اگر اہل سنت کے عقائد کے مطابق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طرز حکومت کو صحیح مانا جائے تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت اور امامت پر کسی قسم کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ پس یہی کہا جائے گا کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے صدیقی طریق حکومت کو اختیار کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ کیوں نہ ہو وہ بھی صدیق یہ بھی صدیق اور صدیق صدیقوں کی تصدیق ہی کیا کرتے ہیں۔

ناظرین کرام! کی ضیافت طبع کے لئے ہم ایک اور حدیث مرتضوی پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو، نہج البلاغۃ، مطبوعہ تہران جلد ۲ صفحہ ۲۹۸

ولا المعطل للسنۃ فیھلک الامۃ۔

ترجمہ:- اور امام ایسا نہیں ہونا چاہیئے جو کہ پیغمبر کے طریقے کو چھوڑ دے۔ پس امت کو ہلاک کر دے گا۔

مقصود یہ ہے کہ جس امام نے سنت پیغمبر کو چھوڑ دیا۔ اس نے خود امت کو تباہ کر دیا۔ اس تباہی کا ذمہ دار خود امام ہوتا ہے۔

ناظرین کرام! اب دیکھنا چاہیئے کہ فدک کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا طریقہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقے کے موافق تھا یا مخالف، اگر نبوی طریق اور صدیقی طریق باہمی موافقت تامہ رکھتے تھے تو شیعہ شور وغل باطل ہے اور اگر صدیقی طریق سنت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برخلاف تھا۔ تو امام برحق کا کام سنت نبوت کو معطل کرنا ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ بلکہ امام برحق تو خلاف سنت کو موت کے گھاٹ اتار کے ہی دم لیتا ہے ——— ملاحظہ ہو رجال کشی مطبوعہ بمبئی صفحہ ۱۹۹ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک شعر ہے

انی اذا ابصرت شیئا منکرا

اوقدت نارا ودعوت قنبرا

یعنی میں جب کوئی کام خلاف شریعت دیکھو تو آگ جلاتا ہوں۔ اور اپنے غلام قنبر کو بلاتا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ میں خلاف شریعت کرنے والوں کو آگ میں جلا دیتا ہوں۔ اس شعر کا شان ورود مولوی کشی نے یوں بیان فرمایا ہے کہ دس آدمی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے پوچھا تم کیا کہتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم کہتے ہیں کہ تو ہی ہمارا رب ہے، اور تو ہی ہمارا خالق ہے، اور تو ہی ہمارا رازق ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ ایسا مت کہو۔ میں مخلوق ہوں۔ جیسا کہ تم مخلوق ہو۔ انہوں نے اس بات کا انکار کر دیا۔ پھر حضرت علیؓ نے فرمایا! میرا اور تمہارا رب اللہ ہے۔ توبہ کرو۔ اور اس قول سے رجوع کرو۔ پھر بھی انہوں نے کہا، ہم اپنی بات سے رجوع نہ کریں گے۔ تو ہمارا رب ... اپنے غلام قنبر کو حکم دیا۔ کہ چند

کسان بلا کے لے آ۔ پھر قنبر دس کسانوں کو لے آیا۔ زمین کھودنے کے آلات ان کے ساتھ تھے۔ حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ زمین میں گڑھا کھود دو۔ جب گڑھا کھودا گیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حکم دیا کہ اس گڑھے کو سوکھی لکڑیوں سے پُر کر دو اور آگ لگا دو۔ جب آگ خوب بھڑکنے لگی۔ تو پھر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان عاشقوں سے کہا کہ اب توبہ کرو۔ انہوں نے کہا ہم اپنی بات سے رجوع نہیں کریں گے۔ پھر حضرت علی المرتضےٰ کرم اللہ وجہہ نے یکے بعد دیگرے سب کو آگ میں ڈال دیا اور یہ شعر پڑھا

انی اذا ابصرت شیئا منکرا

اوقدت نارا ودعوت قنبرا

ترجمہ پہلی دفعہ لکھا جا چکا ہے دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔ صرف ایک ورق الٹنا پڑے گا۔

ناظرین کرام! جو بزرگ ہستی اپنے عاشقوں کو شریعت خداوندی کی خاطر آگ میں جلا سکتی ہے وہ فدک کے بارے میں خلاف شریعت کو کس طرح برقرار رکھ سکتی ہے؟ نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت علی المرتضیٰ نے فدک میں صدیقی دستور کو اسی لئے برقرار رکھا تھا کہ وہ نبوی دستور کے عین مطابق تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی دو حدیثیں ہم نے ذکر کی ہیں۔ جن میں آپ نے امام کی شان بیان فرمائی ہے اب ہم تو اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ شان امام بیان کرتے وقت تو یوں ارشاد ہو اور جب حکومت اور خلافت کی نوبت آئے تو اپنا عمل اس کے خلاف ہو۔ خداوندی . . . ارشاد ہے

کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون. پس حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ...

مبارک سے فرمادیں کہ ابوبکر نے فدک کے معاملہ میں ظلم کیا ہے۔ اور اپنی حکومت کے زمانے میں کر کے دکھائیں۔ وہ ہی کچھ جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ اس موقعہ پر شیعہ علماء کو سخت تکلیف کا سامنا ہوا ہے۔ کیونکہ جسطرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اقوال حجت ہیں۔ ٹھیک اسی طرح آپ کے افعال و اعمال بھی شرعی حجت ہیں۔ اراضی فدک کو اسی دستور پر رکھنا جس دستور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رکھ گئے تھے۔ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی محبت کا اور تشیع کا دعوےٰ کرنے والے سوچیں، اور سارے جہان کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں کہ کسی ایک اہل علم اور صاحب قلم نے لکھا ہے کہ فدک کے بارے میں حضرت علی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کی کارروائی میں کچھ فرق تھا؟ ہرگز نہیں۔ پس حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی یہ کارروائی تمام شیعہ دنیا پر ایک بھاری حجت ہے۔ اگر ذرہ بھر انصاف آپ کے پاس ہے تو قضیۂ فدک کا یہاں آکر فیصلہ ہوگیا ہے۔

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

شیعہ علماء نے یہاں بھی حسب معمول اپنے خودساختہ اصول تقیہ کی آڑ لی ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ ہم تقیہ کی ماہیت اور اس کے شرائط ناظرین کرام کے سامنے رکھ دیں۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ یہ بیمار اس علاج سے ہرگز شفایاب نہیں ہو سکتا۔

تقیہ کے شرائط

تقیہ عربی لفظ ہے جو معنی میں بچاؤ کے استعمال ہوتا ہے۔ شیعی علماء کی اصطلاح میں اپنی جان کو بچانے کے لئے اپنے دین کو چھپالینا تقیہ ہے۔ شیعہ علماء نے تقیہ کو دین اسلام کے اصولوں میں سے ایک عظیم الشان اصول قرار دیا ہے۔ اور اس کے فضائل بے شمار بیان کئے ہیں۔

ملاحظہ ہو (من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۲ صفحہ ۴۴)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ **تارکُ التقیۃِ کتارکِ الصلوٰۃ**۔ ترجمہ:۔ جس قدر گنہگار وہ آدمی ہے جو نماز نہیں پڑھتا اسی قدر گنہگار وہ آدمی ہے جو کہ تقیہ نہیں کرتا۔ ترجمہ ختم

مدت ہائے دراز سے شیعہ علماء کا یہ شیوہ ہے کہ اہل سنت کے اعتراضات سے جب عاجز ہو جاتے ہیں تو تقیہ کی تلاوت شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی پاک زندگی کو تمام تر تقیہ میں داخل کر دیتے ہیں۔ باقی ائمہ کرام کی پاک زندگی ان کے سامنے بطور حجت پیش کی جائے تو فوراً کہہ دیتے ہیں۔ کہ آپ نے تقیہ کیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ علماء اہل سنت کے سارے اعتراضات کا واحد جواب تقیہ ہے۔

کیا جو جھوٹ کا شکوہ تو یہ جواب ملا
تقیہ ہم نے کیا تھا ہمیں ثواب ملا

اب ہم کتب معتبرہ شیعہ سے تقیہ کے شرائط نقل کرتے ہیں تاکہ ناظرین با انصاف پر واضح ہو جائے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ اپنی حکومت کے زمانے میں از روئے شرع شریف فدک کے معاملے میں تقیہ کر سکتے ہیں یا نہ؟ اور کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی اس کارروائی کو تقیہ کے ماتحت داخل کیا جا سکتا ہے یا نہ؟ پس ملاحظہ ہو۔ صافی شرح اصول کافی کتاب الایمان والکفر جزو چہارم صفحہ ۴۹۴۔ باب نمبر ۳۱ پر تقیہ کے جائز ہونے کے لئے چار شرطیں ذکر کی ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ بھاری ضرر کو دفع کرنے کے لئے ہے منافع حاصل کرنے کے لئے تقیہ نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تقیہ کی وجہ سے کسی کا قتل ہونا لازم نہ آئے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عادل بادشاہ موجود نہ ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ تقیہ کسی جماعت کی گمراہی کا باعث نہ بن جاوے۔

ناظرین کرام! صافی کی فارسی عبارت کا ترجمہ حاضر خدمت ہے۔ اصل عبارت طول کے خوف سے نقل نہیں کی۔ اب ان شرطوں میں غور کرو۔ اور پھر خود ہی بتاؤ کہ یہاں تقیہ کی شرطیں پائی جاتی ہیں۔

پہلی شرط ہے دفع ضرر نہ جلب نفع۔ پس اگر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی فدک کے معاملے میں کارروائی کو تقیہ کے اصول کے ماتحت فرض کیا جاوے تو صورت اس کی یہی ہوگی کہ آپ نے صدیقی طریقے کو لوگوں کے خوف کی وجہ سے فدک میں جاری رکھا۔ کیونکہ اگر آپ صدیقی طریقے کو ترک کرتے ہیں۔ تو رعایا بیعت کو توڑ دیتی ہے اور کسی دوسرے شخص کو اپنا بادشاہ حاکم بنا لیتی ہے۔ اپنی حکومت اور بادشاہت کو محفوظ رکھنے کے لئے آپ نے تقیہ کیا تو یہ تقیہ جلب منافع کے

کو بدل دیتا ہوں تو لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔ یہاں موت کا خطرہ تو سرے سے نہیں تھا۔ اگر خطرہ ہو سکتا ہے تو صرف حکومت کے چلے جانے کا اور ظاہر ہے کہ حکومت کوئی مقاصد میں سے نہیں ہے حکومت نہ ہو جب بھی آدمی زندگی گزار سکتا ہے۔

اب ملاحظہ ہو تیسری شرط جس میں عادل بادشاہ کا موجود نہ ہونا تقیہ کو جائز کرتا ہے۔ سو خود حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ عادل بادشاہ موجود ہیں پھر تقیہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ جب کسی ملک میں عادل بادشاہ کا پایا جانا تقیہ کو منع کر دیتا ہے تو خود عادل بادشاہ کے لئے تقیہ کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

اب ملاحظہ ہو چوتھی شرط کہ تقیہ باعث گمراہی نہ بن جائے سو فدک کے معاملہ میں اگر تقیہ فرض کیا جائے تو یہ ایک جہان کی گمراہی کا باعث ہو سکتا ہے۔ کیونکہ فدک میں تقیہ کی کارروائی سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور شیعہ کے یہاں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی تصدیق گناہ عظیم ہے۔ اگر شیعہ کے یہاں حضرت ابوبکر صدیق کی تصدیق گناہ نہیں ہے تو آج کل کے شیعہ+ ازراہ تقیہ بھی حضرت ابوبکر صدیق کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ حالانکہ ان کے یہاں نہ وہ بدنی طاقتیں ہیں، جو حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے پاس تھیں۔ اور نہ ہی ان کے یہاں وہ اسم اعظم ہے جو آپ کے پاس تھا۔ اور نہ ہی ان کے یہاں حکومت ہے جو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے پاس تھی تو حضرت مرتضیٰ شیر خدا اسد اللہ الغالب کرم اللہ وجہہٗ کے بارے میں اس معاملے میں تقیہ کیوں جائز رکھتے ہیں۔ بینوا توجروا

لقمان حکیم کے نصائح میں ہے آنچہ خود مپسندی بر دیگراں مپسند۔ معلوم

کمزور خیال کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ باوجود ہزار کمزوری کے تقیہ نہیں کرتے، اور آپ کو تقیہ باز تصور کرتے ہیں۔ بھائی تقیہ تو کمزوروں ہی کا حصہ ہے۔ طاقت ور زور آور کاہے کو تقیہ کرلے گا؟

آئین جواں مردان حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

خلاصۃ المرام آنکہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت اور حکومت کے زمانہ میں فدک حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کے وارثوں پر نہیں لوٹایا اور اس طریقے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ فدک پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اب واضح ہو گیا کہ فتوائے صدیق متعلق اراضیٔ فدک سولہ آنے صحیح تھا۔ اگر اس میں کچھ نقص ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی ہرگز تصدیق نہ فرماتے اور اہل اسلام کے اندر کسی فتوے کے صحیح ہونے کے معنی یہی ہیں کہ قرآن حکیم اور سنت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پورا پورا مطابق ہے۔ پس جو شخص فتاوائے صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو برا جانتا ہے تو وہ صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مخالف نہیں ہے بلکہ وہ تو حضرت علی المرتضیٰ اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم دونوں ہستیوں کا مخالف ہے۔

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

شیعیانِ علیؓ

سنتے ہیں کہ زمانہ حال میں شیعہ لوگ اپنے آپ کو شیعان علی کہلاتے ہیں بس

جبکہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے صدیقی فتوے کی تصدیق فرما دی ہے۔ تو انہیں بھی ضروری ہے کہ صدیقی فتاویٰ متعلقہ فدک کی تصدیق کر دیں۔ ورنہ دعوے محبت اور تشیع میں جھوٹے ثابت ہوں گے۔ اور پھر شیعہ علی کہلانے کا انہیں کوئی حق نہ رہے گا۔ سبحان اللہ! علمائے اہل سنت کو حضرت علی رضی اللہ کی محبت اور تشیع کا دعویٰ زیب [illegible] دیتا ہے جنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے سارے فتوے دل و جان سے قبول کئے ہیں۔

صاحبِ فلک النجات کے جوابات

پہلا جواب

ملاحظہ ہو فلک نجات جلد اول طبع اول صفحہ ۴۴ چونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ جنگ و جدال کا زمانہ تھا جمل اور صفین اور نہروان کی لڑائیوں میں آپ ایسے مصروف رہے کہ آپ کو احکام شرعیہ نافذ کرنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ اس لئے آپ نے فدک حق داروں کو نہ دیا۔

جواب الجواب

یہ عذر بیکار ہے۔ اس لئے کہ جنگ و جدال آئینی اصلاحات کو نہیں روک سکتا جیسا کہ خود حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پاک زمانہ میں جنگ و جدال بھی پیش آتے رہے اور احکام شرعیہ بھی نافذ ہوتے رہے۔ اور اسی طرح صدیقی دور میں جنگ و جدال بھی پیش آتے رہے۔ اور قوانین شریعت بھی جاری ہوتے

کی طاقت اور تنظیم کی ذرہ بھر پرواہ نہ کی۔ اور اعلان کیا کہ جب تک ابوبکر کے جسم میں جان ہے احکام شریعت میں تغیر تبدل ناممکن ہے۔ ابوبکرؓ کے بدن کی بوٹی بوٹی ہو جائے گی، مگر دین رسول تبدیل نہ کیا جائے گا۔ بالآخر زکوٰۃ روکنے والے تباہ ہو گئے یا تائب ہو گئے، اور اللہ تعالےٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو فتح مندی عطا فرمائی۔ سچ ہے من کان للہ کان اللہ لہٗ۔ یعنی جو اللہ کا ہو جائے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ پس اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کا فرض تھا کہ فدک اس کے حقداروں کو دے دیتے۔ اور اگر اس پر جنگ و جدال چھڑ جاتا تو اس کی پرواہ نہ کرتے۔ کیونکہ ضرور اللہ تبارک و تعالےٰ فتح مندی آپ کو عطا فرماتے۔ وعدۂ خداوندی قرآن میں موجود ہے۔ وکان حقا علینا نصر المؤمنین۔ یعنی ہم پر لازم ہے کہ ہم ایمان داروں کی امداد کریں۔ ترجمہ ختم۔

سچ تو یہ ہے کہ اراضی فدک کی اصلاح شرعی کی وجہ سے اگر جنگ چھڑ بھی جاتی تو وہ جنگ صفین اور جمل کی جنگوں کی نسبت زیادہ دافع شبہات اور قاطع توہمات ثابت ہوتی۔ شیعہ نظریات کے اعتبار سے کہنا پڑتا ہے کہ حضرت ابوبکر احکام شرعیہ کے جاری کرنے میں بہ نسبت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زیادہ قوی اور مضبوط ارادے کے مالک تھے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے قانون زکوٰۃ میں تغیر تبدل گوارا نہ کیا۔ اور حضرت علیؓ نے اپنی حکومت کے زمانے میں اراضی فدک کو صحیح لائنوں پر چلایا۔ لیکن اگر اہل سنت کے نظریات کو دیکھا جائے تو کسی بزرگ کو کمزور کہنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ چونکہ حضرت صدیقؓ نے فدک کے بارے میں صحیح قوانین شرعیہ کو استعمال کیا تھا۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تغیر تبدل کی ضرورت ہی لاحق نہ ہوئی۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

صاحبؒ فلک نجات کا دوسرا جواب

ملاحظہ ہو فلک نجات جلد اول طبع اول صفحہ ۴۰۴ ——— اگر حضرت علیؓ المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ حکومت کے زمانہ میں اراضی فدک پر مالکانہ قبضہ کر لیتے تو لوگ طمع نفسانی اور لالچ دنیاوی کا الزام لگا دیتے۔ اس الزام سے بچنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے باوجود قدرت کے اراضی فدک پر قبضہ نہیں کیا۔ اور اسی حالت پر رہنے دیا۔ جس پر خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں تھا۔

جوابؒ الجوابؒ

قرآن حکیم میں ہے لا یخافون لومۃ لائم۔ یعنی خدا کے پیارے لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ترجمہ ختم۔

شیعہ مفسرین سورہ مائدہ کی آیت مذکورہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بیان کرتے ہیں۔ اور سنی مفسرین اس آیت کو حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں بیان کرتے ہیں۔ اب اگر حسب تفسیر شیعہ اس آیت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں تسلیم کر لیا جاوے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاص صفت ہوگی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خاص امتیازی نشان ہوگا کہ احکام شریعت میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کریں۔ اور ادھر شیعہ علماء کا جواب مذکور بتلاتا ہے کہ لوگوں کے الزام سے ڈر کر فدک میں اصلاح شرعی جاری نہ کی۔ پس جواب مذکور قرآنی آیت کے خلاف ہوگا [illegible]

قرآن کی اس آیت سے پہلو تہی کریں۔ اور ارشاد فرماویں کہ یہ آیت حضرت علی رضہ کے حق میں نہیں ہے تو لامحالہ اہل سنت کی تفسیر کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں ہوگی۔ اور اس صورت میں یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کی حقانیت پر ایک برہان قاطع ہوگی۔ جیسا کہ امام فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر میں اور نہایت العقول میں مفصل بیان کیا ہے۔

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

صاحب فلک نجات کا تیسرا جواب

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی خواہش تھی کہ سارے مسلمان میری خلافت پر متفق ہو جائیں۔ اور یہ اتفاق جبھی ہو سکتا تھا کہ آں جناب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضوان اللہ علیہما کی مخالفت نہ کرتے۔ کیونکہ ان دونوں کی مخالفت میں اختلاف زیادہ ہو جانے کا خطرہ تھا۔ اور جب سارے مسلمان آپ کی خلافت پر متفق ہو جاتے تو آپ فوراً احکام شرعیہ جاری فرما دیتے۔ مگر افسوس کہ آپ ایسے اتفاق کا نظارہ کرنے سے پہلے ہی شہید کر دیئے گئے۔

جواب الجواب

آپ کی خلافت سے پہلے [illegible] کا جو دستور چلا آتا تھا وہ آپ کے نزدیک غلط تھا۔ اس لئے آپ نے نبوی دستور کو جاری کر دیا، اور لوگوں کی مخالفت کی پرواہ نہ کی۔ دیکھو نہج البلاغۃ مصری جلد دوم صفحہ ۱۰ اور شرح نہج البلاغۃ از علامہ سید علی نقی فیض الاسلام صفحہ ۳۵۰

ومن کلام لہ علیہ لما عوتب علی التسویہ اتامرونی ان اطلب النصر بالجور فیمن ولیت علیہ؟ واللہ ما اطور بہ ما سمر سمیر وما ام نجم فی السماء نجما لو کان المال لی لسویت بینھم فکیف وانما المال مال اللہ الا وان اعطاء المال فی غیر حقہ تبذیرا واسراف وھو یرفع صاحبہ فی الدنیا ویضعہ فی الاٰخرۃ ویکرمہ فی الناس ویھینہ عنداللہ۔

ترجمہ:۔ جب حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے تنخواہوں میں برابری کا قانون جاری کیا تو لوگوں نے آپ سے سخت گفتگو کی۔ اور آپ پر اعتراضات کئے۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا۔ کیا تم مجھ پر امر کرتے ہو کہ رعایا میں ظلم کروں گا۔ جب تک کہ رات دن آتے جاتے رہیں گے اور ستارے آسمان پر ایک دوسرے کے پیچھے چلتے رہیں گے۔ اگر یہ مال میرے ملک میں ہوتا تو بھی میں اس کی تقسیم کے اندر برابری کو مدنظر رکھتا۔ پھر میں کیوں نہ برابر تقسیم کروں۔ درآں حالیکہ یہ مال سارے کا سارا خدا تعالےٰ کا ملک ہے۔ گوش ہوش سے سنو! غیر حقدار کو مال دینا فضول خرچی ہے، اور بے جا اڑا دینا ہے۔ اور بے جا اڑا دینا آدمی کو دنیا میں بلند کرتا ہے اور آخرت میں گرا دیتا ہے۔ اور یہ فضول خرچی کا کام لوگوں میں آدمی کو باعزت بناتا ہے، اور خدا تعالےٰ کے یہاں ذلیل کرتا ہے۔ ترجمہ ختم

سبحان اللہ! حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے اس خطبے نے مولوی امیرالدین صاحب کے اس جواب کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ دیکھو آپ خدا کی قسم کھا کر فرما رہے ہیں۔ کہ ہم کو ایسی حکومت کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جس میں کسی ایک فد رہم ظلم [illegible]

ہیں اور اگر آپ سارے مسلمانوں کا اتفاق دیکھنا چاہتے تھے تو آپ نے وظائف کے دستور میں کیوں تغیر و تبدل کیا۔ کیا شہر علم کے دروازے حضرت علی المرتضٰے کرم اللہ وجہہ کو اس بات کا علم نہ تھا کہ تنخواہوں میں تغیر و تبدل کرنے سے اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ ضرور آپ خوب جانتے تھے کہ دستور وظائف میں تبدیلی کرنے سے اختلاف ہو گا لیکن آپ چاہتے تھے کہ احکام شرعیہ جاری ہوں۔ اتفاق ہو یا اختلاف کیونکہ اصلی مقصود اور نصب العین آپ کا اور آپ کی خلافت کا سنت نبیؐ کو زندہ کرنا تھا۔ بس ٹھیک اسی طرح اگر فدک کے بارے میں خلفائے ثلاثہ کا دستور غلط ہوتا۔ تو آپ ہرگز اتفاق یا اختلاف کی پرواہ نہ کرتے اور اس کو تبدیل کر کے ہی دم لیتے۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

صاحبِ فلکِ نجات کا چوتھا جواب

فلک نجات، جلد اوّل طبع اول صفحہ ۴۰۴

فدک امیر عثمان کے عہد سے مروان کے قبضہ میں آچکا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چارج خلافت میں نہیں ملا تھا۔ جس سبب سے وہ اس پر تصرف نہ نہ فرما سکے۔

جواب الجواب

فلک نجات کے مصنف مولوی امیر الدین صاحب نے اس جواب میں دو

باتیں ذکر کی ہیں۔ خدا کی قدرت کہ دونوں باتیں واقعات کے خلاف ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ حکومت میں فدک مروان کے قبضہ میں آچکا تھا۔ یہ بات غلط ہے۔ اس لئے کہ فدک مروان کے قبضہ میں حضرت عثمانؓ کے عہد میں نہیں آیا تھا۔ بلکہ امیر معاویہؓ کے زمانہ حکومت میں حضرت امام حسن علیہ السلام کے فوت ہو جانے کے بعد ایک تہائی فدک پر مروان کو قبضہ مل گیا تھا۔ میں اس بات پر گواہی کے لئے سید علی نقی فیض الاسلام کو پیش کرتا ہوں وہ اپنی کتاب شرح نہج البلاغۃ فارسی جلد پنجم صفحہ ۹۶۰ پر تحریر کرتے ہیں۔ خلاصہ ابوبکر غلہ و سود آں را گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت علیہم السلام می داد و خلفا بعد از او ہم برآں اسلوب رفتار نمودند تا زمان معاویہ کہ ثلث آں را بعد از امام حسن علیہ السلام بمروان داد۔

فدک کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر فدک کی آمدنی میں سے اہل بیت علیہم السلام کو ضرورت کے مطابق دے دیا کرتے تھے۔ اور دوسرے خلیفوں یعنی عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان اور علی المرتضیٰ کی بھی رفتار اسی طریق پر رہی یہاں تک کہ امیر معاویہ کی حکومت کا زمانہ آگیا۔ تو اس نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے فوت ہو جانے کے بعد ایک تہائی فدک میں سے مروان کو دے دی۔ ترجمہ ختم۔

ناظرین کرام! سید علی نقی مدظلہ کی اس تقریر کو خوب غور سے پڑھو۔ نہایت صفائی سے فرمایا ہے کہ مروان کو ثلث فدک پر جو قبضہ ہوا تھا وہ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ حکومت میں ہوا تھا۔ حضرت عثمان کے عہد میں نہیں ہوا تھا۔ اور اس گواہی میں سید علی نقی صاحب تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ شیعہ علمائے مجتہدین میں سے تین بزرگ اور بھی ہیں۔ دیکھو دُرّہ نجفیہ صفحہ ۳۳۲ اور

شرح نہج البلاغۃ ابن میثم بحرانی صفحہ ۵۴۳ اور علامہ ابن ابی الحدید اپنی کتاب حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد دوم جزو شانزدہم صفحہ ۲۹۶ پر لکھتے ہیں۔

وکان ابوبکر یاخذ غلتها فیدفع الیهم منها مایکفیهم ویقسم الباقی وکان عمر کذلك ثم کان عثمان کذلك ثم کان علی کذلك فلما ولی الامر معاویه بن ابی سفیان اقطع مروان بن الحکم ثلثها واقطع عمرو بن عثمان ثلثها واقطع یزید بن معاویة ثلثها وذلك بعد موت الحسن بن علی علیه السلام فلم یزالوا یتداولونها حتیٰ خلصت کلها لمروان بن الحکم ایام خلافته،

اور ابوبکر فدک کی آمدنی لے کر اہل بیت علیہم السلام کو حسب ضرورت دے دیتے تھے۔ اور بچا ہوا تقسیم کر دیتے تھے۔ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح کرتے تھے۔ پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح کرتے تھے۔ پھر علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح کرتے تھے۔ پھر جب حکومت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں آگئی تو مروان بن حکم نے ایک تہائی فدک اپنے نام مخصوص کر لیا، اور عثمان کے بیٹے عمرو نے بھی ایک تہائی فدک اپنے نام مخصوص کر لیا، اور یزید ابن معاویہ نے بھی ایک تہائی اپنے نام خاص کر لیا، اور یہ حصے بخرے حضرت امام حسن علیہ السلام کی موت کے بعد کئے گئے۔ پھر دست بدست منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ سارے کا سارا فدک مروان کے قبضے میں آگیا۔ اس کی اپنی حکومت کے زمانہ میں۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! ابن ابی الحدید کی اس مفصل روایت نے جو کہ واقعات کے مطابق ہے۔ ایک مجمل روایت کو کھول دیا ہے۔ جو کہ مشکوٰۃ شریف، باب الفئ صفحہ [illegible]

عن المغیرة قال ان عمر بن عبد العزیز جمع بنی مروان حین استخلف فقال ان رسول الله صلی الله علیه و اٰله وسلم کان له فدك فکان ینفق منها ویعود منها علی صغیر بنی هاشم ویزوج منها ایمهم وان فاطمة سألته ان یجعلها لها فابی فکانت کذلك فی حیوٰة رسول الله صلی الله علیه واٰله وسلم حتی مضی لسبیله فلما ان ولی ابوبکر عمل فیها بما عمل رسول الله صلی الله علیه واٰله وسلم فی حیوته حتی مضی لسبیله فلما ان ولی عمر بن الخطاب عمل فیها بما عملا حتی مضی لسبیله ثم اقطعها مروان ثم صارت لعمر بن عبد العزیز فرأیت امرا منعه رسول الله صلی الله علیه واٰله وسلم فاطمة رضی الله عنها لیس لی بحق وانی اشهدکم انی رددتها علی ما کانت یعنی علی عهد رسول الله صلی الله علیه واٰله وسلم وابی بکر وعمر رضی الله عنهما۔۔۔

حضرت مغیرہ سے روایت ہے کہ عمر بن عبد العزیز جب خلیفہ بنائے گئے تو مروان کی اولاد کو جمع کیا۔ اور کہا کہ خدا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں فدک تھا۔ پس آپ اس کو اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے تھے۔ اور بنو ہاشم کے یتیم لڑکوں اور لڑکیوں پر بھی اسی فدک سے خرچ کرتے تھے۔ اور حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ فدک میرے نام کر دو تو آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار فرمایا۔ پھر آنحضور کی زندگی میں اسیطرح رہا۔ [illegible] آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو والی بنایا گیا۔ تو انہوں نے اس میں وہی طریقہ اختیار کیا جو کہ خدا کے رسولؐ نے اختیار کیا تھا۔ یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس جہانِ فانی سے روانہ ہو گئے۔ پھر جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی بنائے گئے تو انہوں نے بھی فدک میں وہی طریقہ اختیار کیا جو آپ سے پہلے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار کیا تھا۔

یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس جہان سے روانہ ہو گئے۔ پھر ایک مدت کے بعد مروان بن حکم نے اپنے نام خاص کر لیا۔ پھر عمر بن عبد العزیز کے قبضے میں آیا۔ پس میں یوں سمجھا ہوں کہ جو چیز خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دی۔ وہ میرا خاص حق کس طرح بن سکتی ہے۔ اور میں تم سب کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اس طریقے پر لوٹا دیا ہے۔ جس طریقے پر اگلے زمانے میں تھا۔ راوی کہتا ہے کہ مراد حضرت عمر بن عبد العزیز کی اگلے زمانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کا زمانہ ہے۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! اس روایت میں ایک فقرہ ہے **ثم اقطعها مروان** جس کا ترجمہ تو صرف اسی قدر ہے۔ پھر ایک مدت کے بعد مروان نے خاص اپنے نام کیا۔ فدک کو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مروان کی یہ کارروائی اپنی حکومت کے زمانے میں واقع ہوئی ہے یا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کے زمانے میں واقع ہوئی ہے۔ اس جگہ پر ایک حاشیہ ہے۔ جس میں حضرت عثمانؓ کے زمانہ حکومت کی تعیین کی ہے۔ مگر یہ حاشیہ خلاف تحقیق ہے۔ اور واقعات نفس الامر کے مخالف ہے۔ چنانچہ ہم اوپر علامہ ابن ابی الحدید کی روایت پیش کر چکے

ہیں۔ جس میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ فدک کے حصے بخرے امیر معاویہؓ کی حکومت میں حضرت امام حسن علیہ السلام کی وفات کے بعد کئے گئے ہیں۔ اور فدک سارے کا سارا مروان کی اپنی حکومت کے زمانے میں اس کے قبضے میں آیا ہے۔ پس مغیرہ کی روایت مجمل ہے۔ اور ابن ابی الحدید کی روایت مفصل ہے۔ اس لئے مجمل کو مفصل کی امداد سے حل کرنا چاہیئے۔

اب ہم اشعۃ اللمعات، جلد سوم صفحہ ۲۰۴ کی ایک عبارت ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ جو ہمارے دعویٰ کی تصدیق کرتی ہے۔

حضرت شیخ عبد الحق فرماتے ہیں:

وظاہر آں ست کہ ایں در زمانِ سلطنت مروان باشد۔ یعنی عبارت سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ کارروائی مروان نے اپنی حکومت کے زمانہ میں کی ہے۔ ترجمہ ختم۔

پس جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فدک مروان کے قبضہ میں آگیا تھا۔ وہ تحقیق سے کام نہیں لیتے اور ممکن ہے کہ صاحب فلک نجات نے مشکوٰۃ شریف کے اسی حاشیہ کو پڑھ کر پلّے باندھ لیا ہو اور تحقیق معانی کی فرصت نصیب نہ ہوئی ہو۔

وکم من عائب قولا صحیحا
وآفتہ من الفهم السقیم

اب ہم دوسری بات کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ فدک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چارج خلافت میں نہیں ملا تھا۔ جس سبب سے وہ اس پر تصرف نہ فرما سکے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اراضی فدک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت میں نہیں تھی۔

[illegible]

صرف دو منزل کے فاصلے پر ہے۔ حجاز مقدس کے اندر ہے۔ اور سارے حجاز پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی حکومت تھی۔ امیر معاویہ کی حکومت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں صرف شام کے علاقہ میں تھی۔ حجاز مقدس کے علاقہ میں امیر معاویہؓ کی حکومت نہ تھی۔

علامہ ابن ابی الحدید شیعی معتزلی اپنی کتاب حدیدی شرح نہج البلاغۃ، جلد دوم جزو شانزدہم، صفحہ ۲۸۳ پر لکھتے ہیں۔

وملك الاسلام كله كان بيد عليٍ الا الشام۔ اور اسلامی حکومت کے سارے علاقے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضے میں تھے۔ مگر ایک شام کا علاقہ کہ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں تھا۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! صاحب فلک نجات سے کوئی پوچھے کہ فدک اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حکومت میں نہ تھا تو لامحالہ حضرت امیر معاویہؓ کی حکومت میں ہوگا۔ اور چونکہ ان کی حکومت شام کے اندر تھی۔ اس لئے فدک بھی شام کے اندر ہوگا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج،

صاحبؒ فلک نجاتؒ کی ایکؒ غلطی

بخاری شریف کی ایک حدیث اپنی کتاب فلک نجات میں کئی جگہ پر نقل کی ہے اور اس کے ترجمہ اور مفہوم کو غلط طور پر سمجھنے کی وجہ سے نتیجہ غلط نکالا ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس حدیث کے الفاظ یہاں لکھ دیں اور ساتھ ہی ترجمہ اور تشریح لکھ دیں تاکہ فلک نجات کو دیکھنے والے اس مغالطہ میں نہ آ جائیں۔

ملاحظہ ہو، بخاری شریف، جلد اول، صفحہ ۵۲۶، مناقب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ میں ہے۔

عن عبيدة عن عليؓ قال اقضوا كما كنتم تقضون فانی اكره الاختلاف حتى يكون الناس جماعة او اموت كما مات اصحابی۔

عبیدہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے قاضیوں کو حکم دیا۔ کہ فیصلہ اسی طرح پر کرو۔ جس طرح پر آج سے پہلے کیا کرتے تھے۔ اس لئے کہ میں اختلاف کو برا جانتا ہوں۔ تاکہ مسلمان ایک ہی جماعت میں رہیں۔ یہاں تک کہ میری موت آ جائے۔ جیسا کہ میرے دوستوں کی موت آئی تھی۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! تشریح اس حدیث کی یہ ہے کہ امہات اولاد باندیوں کی بیع میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں اختلاف تھا۔ بعض کہتے تھے کہ ان کی بیع جائز ہے۔ اور بعض دوسرے کہتے تھے کہ ان کی بیع جائز نہیں ہے حضرت عمر بن خطاب ان امہات اولاد باندیوں کی بیع وشرا ناجائز جانتے تھے اور حضرت علی المرتضیٰؓ ان کی بیع وشرا کو جائز جانتے تھے۔ جب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ خلیفہ بنے تو قاضیوں نے آپ سے دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں اب فیصلہ حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق کیا کریں یا کہ آپ کی رائے کے مطابق کیا کریں؟ تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا کہ اس مقدمے کا فیصلہ اسی طرح پر کیا کرو جس طرح پر آج سے پہلے کیا کرتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق فیصلہ کرو۔ اور ساتھ ہی حکمت بیان فرما دی۔ کہ میں مسلمانوں کو ایک ہی جماعت میں دیکھنا چاہتا ہوں اور یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں میں اختلاف کو روک دیا جائے اور میں آخری دم تک اس چیز پر

کاربند رہوں گا۔ تاکہ میری موت اور میرے دوستوں کی موت میں کوئی فرق واقع نہ ہو۔ شرح اس معمہ کی یہ ہے کہ میرے دوست ابوبکرؓ وعمرؓ اس جہان سے روانہ ہوئے تھے تو مسلمانوں کو ایک ہی جماعت میں چھوڑ گئے تھے اور میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کو ایک ہی جماعت میں چھوڑ کر جاؤں۔

راقم الحروف احمد شاہ عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی یہ آرزو پوری کردی۔ اور جس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس جہان سے روانہ ہوئے ہیں سارے مسلمان ایک ہی طریقے پر گامزن تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ امہات اولاد باندیوں کی بیع وشرا کا مسئلہ کوئی منصوص مسئلہ نہیں تھا۔ اجتہادی مسئلہ تھا۔ اس لئے حضرت علی المرتضےٰ کرم اللہ وجہہٗ نے اس مسئلے پر زور نہیں دیا۔ اور متنازعہ فیہ مسئلہ یعنی اراضی فدک کا مسئلہ تو شیعہ کے یہاں منصوصات میں سے ہے۔ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہم شیعہ کے یہاں نصوص قطعیہ کے منکر ہیں۔ پس منصوصات میں حضرت علی المرتضےٰ کرم اللہ وجہہٗ کو سامحت اور چشم پوشی کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اور منصوصات کو اجتہادیات پر قیاس کرنا شیعہ علماء ہی کا حصہ ہے۔ شیعہ علماء بھی عجیب ہیں۔ جب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف لکھنے بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ قیاس کرنا شیطانی کام ہے۔ اور مسئلہ فدک میں جب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی اپنی طرز حکومت پیش کی جاتی ہے تو منصوص کو غیر منصوص پر قیاس کر ڈالتے ہیں۔ اب ہر خاص وعام پر واضح ہوگیا کہ حدیث علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ میں جس کے الفاظ اقضوا کما تقضون مذکور ہوچکے ہیں۔ شیعہ علماء نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ امہات اولاد کے متعلق آپ کا ارشاد صادر ہوا تھا، جیسا کہ ابھی ذکر ہوچکا اور شیعہ علماء نے خواہ مخواہ مسئلہ فدک میں لاکر جوڑ دیا۔ مسئلہ فدک کہاں، اور مسئلہ امہات اولاد کہاں

تنبیہ

اس حدیث میں حضرت علی المرتضیٰ خلفائے ثلاثہ کو اپنا دوست فرمارہے ہیں۔ اگر مذاہب میں شیعہ وسنی اختلاف کا تفاوت ہوتا تو دوستی کے کیا معنیٰ؟ معلوم ہوا کہ شیعہ وسنی اختلافات ان بزرگوں میں نہ تھے یا چاروں بزرگ شیعہ ہوئے ہیں اور یا پھر چاروں حضرات اہل سنت کے مقتدا اور پیشوا ہیں۔

برافگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاراں دیگرے رامی پرستند

ایک سوال

عمر بن عبد العزیز نہایت عادل بادشاہ تھا۔ اس نے فدک حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی اولاد کو واپس کردیا۔ پس معلوم ہوا کہ اراضی فدک اوقاف عامہ میں سے نہ تھی۔ بلکہ اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مخصوص حق تھا۔ اگر وقف ہوتا تو ایسا عادل بادشاہ اولاد فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کس طرح دے سکتا تھا؟

جواب

فدک کے متعلق حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی صحیح کارروائی مشکوٰۃ شریف میں مذکور ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف، باب الفئ، صفحہ ۹، جلد ۲ مطبع مجیدی کانپور

عن المغيرة قال ان عمر بن عبد العزيز جمع بني مروان
حين استخلف فقال ان رسول الله صلى الله عليه و

آلہٖ وسلم کانت لہ فدک فکان ینفق منہا ویعود منہا
علی صغیر بنی ہاشم ویزوج منہا ایمہم وان فاطمۃ سألتہ
ان یجعلہا لہا فابی فکانت کذلک فی حیوٰۃ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حتی مضیٰ لسبیلہ فلما ان ولی
ابوبکرؓ عمل فیہا بما عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ
وسلم فی حیوٰتہٖ حتی مضیٰ لسبیلہ فلما ان ولی عمر بن
الخطاب عمل فیہا بمثل ما عملا حتی مضیٰ لسبیلہٖ ثم
اقطعہا مروان ثم صارت لعمر بن عبد العزیز فرأیت
امرا منعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فاطمۃ
لیس لی بحق وانی اشہدکم انی رددتہا علی ما کانت یعنی
علیٰ عہد رسول اللہ وابی بکر وعمر۔

حضرت عمر بن عبد العزیز جب خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے مروان کی اولاد کو جمع کیا اور فرمایا کہ خدا کے رسول کے قبضہ میں فدک تھا۔ آپ اس میں سے خرچ کیا کرتے تھے اور اس میں سے بنو ہاشم کے یتیم بچوں کی خبر گیری فرماتے تھے۔ اور اسی میں سے بنو ہاشم کے نکاحوں پر خرچ کرتے تھے۔ اور آنحضورؐ سے حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے سوال کیا کہ فدک ان کو دے دیں۔ آنحضورؐ نے دینے سے انکار فرمایا۔ پھر اسی طریق پر رہا۔ یہاں تک کہ آنحضورؐ اس جہان سے تشریف لے گئے۔ پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو فدک میں اسی طرح عمل کیا جس طرح پر خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ یہاں تک کہ اس جہان سے تشریف لے گئے۔ پھر حضرت عمرؓ بن خطاب خلیفہ بنائے گئے تو فدک کے بارے میں وہی دستور اختیار کیا جو کہ ان دونوں بزرگ

ہستیوں نے کیا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ بھی اس جہان فانی سے تشریف لے گئے۔ پھر ایک مدت کے بعد مروان نے اپنے نام مخصوص کرلیا۔ پھر چلتے چلتے عمر بن عبد العزیز کے ملک میں آگیا۔ اب میری سمجھ میں یوں آیا ہے جو چیز خدا کے رسولؐ نے فاطمہؓ کو نہیں دی وہ چیز میرے لئے ملک میں رکھنا جائز نہیں ہوسکتی۔ اور اب میں تم سب کو گواہ بناتا ہوں۔ کہ میں نے فدک کو اسی حالت پر لوٹا دیا ہے جس حالت پر پہلے زمانہ میں تھا۔ راوی کہتا ہے کہ مراد عمر بن عبد العزیز کی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور شیخین کے پاک زمانوں سے ہے ترجمہ ختم ہوا

ناظرین کرام! خوب غور سے اس روایت کو دیکھو، کیا کسی فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن عبد العزیزؒ نے فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو واپس کر دیا تھا؟ ہرگز نہیں، بلکہ اس روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو عمر بن عبد العزیزؒ نے نہیں دیا تھا۔ کیونکہ وہ خود کہتا ہے کہ بنو مروان گواہ ہو جاؤ کہ میں نے فدک کو اس حالت پر لوٹا دیا ہے۔ جس حالت میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے پاک زمانوں میں تھا، اور ساتھ ہی یہ واضح طور کہتا ہے کہ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فدک کا مطالبہ کیا تھا۔ مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دینے سے انکار کر دیا تھا۔

اب ان دونوں باتوں کو باہم ملانے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے فدک حضرت فاطمہؓ کی اولاد کو ہرگز نہیں دیا تھا۔ اگر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیتے تو عمر بن عبد العزیز بھی فدک آپ کی اولاد کو دے سکتا تھا۔ جب آنحضورؐ نے نہیں دیا تو عمر بن عبد العزیزؒ کیسے دے سکتا ہے۔ عمر بن عبد العزیزؒ تو بنو مروان پر ایک حجت قائم کر رہا ہے کہ جو زمین خاص

حضرت فاطمہؓ جیسی پاکیزہ ہستی اور محبوب ترین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں نہیں آسکتی وہ مروان اور اس کی اولاد کی ملک میں کس طرح آسکتی ہے؟ عمر بن عبدالعزیز نے تو اس طریق سے فدک کو اوقاف کی پوزیشن میں لوٹا دیا۔ اور خلفائے راشدین کی طرح فدک کی آمدنی میں سے آل فاطمہ پر خرچ کرنا شروع کر دیا۔ اسیطرح امت کے یتیموں اور مسافروں کی خبر گیری فدک کی آمدنی میں سے شروع کر دی۔ نیز جہاد میں حسب ضرورت استعمال شروع کیا۔ الغرض فدک کی آمدنی کو خلفائے راشدین کے دستور پر بانٹنا شروع کر دیا۔ اور شخصی ملکیت جس کی بنیاد عمر بن عبدالعزیز کے دادا مروان نے رکھی تھی۔ جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دی۔

آئین جواں مرداں حق گوئی بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

(اقبالؒ)

علمائے شیعہ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اس کارروائی سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے کہ شیعہ مزعومات کے مطابق عمر بن عبدالعزیز نے وہ کام کیا جو حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ سے نہ ہو سکا۔

"عدالت ہو تو ایسی ہو، شجاعت ہو تو ایسی ہو"

اگر شیعہ تخیلات کو تسلیم کر لیا جاوے تو لازم آتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ حضرت علی المرتضیٰ سے افضل ہوں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج۔

اطلاع عام

ثم اقطعها مروان۔ کا ترجمہ تو صرف اسی قدر ہے کہ ایک مدت کے بعد مروان نے فدک اپنے نام مخصوص کر لیا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ لیکن بعض شراح حدیث نے اس فقرے کو حضرت عثمان بن عفان کی حکومت کے زمانے سے متعلق کیا ہے جو سو فیصد غلط ہے۔ اس کے غلط ہونے کی دلیل ہم گزشتہ صفحات میں لکھ آئے ہیں۔ اگر یاد نہ رہی ہو تو صاحب فلک نجات کے چوتھے جواب کے جواب الجواب کا مطالعہ فرمالیں۔ وہاں ہم نے چار کتب شیعہ معتبرہ سے ثابت کیا ہے کہ فدک مروان کے قبضہ میں حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں نہیں آیا۔ بلکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد فدک مروان کے قبضہ میں آیا۔ امیر معاویہؓ کی زندگی میں مروان کو فدک کی ایک تہائی پر قبضہ ملا تھا۔ اور پھر جب مروان کی اپنی حکومت قائم ہو گئی تو اس نے سارا فدک اپنے نام کے ساتھ مخصوص کر لیا۔ اسی واسطے شیخ عبدالحق محدث دہلوی مرحوم اپنی کتاب اشعۃ اللمعات، جلد سوم صفحہ ۴۲۰ پر لکھتے ہیں۔

"وظاہر آنست کہ ایں در زمان سلطنت مروان باشد"

یعنی حدیث کی ظاہری عبارت سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ کارروائی مروان کی اپنی حکومت میں ہوئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا فدک کے معاملہ میں دستور خلفاء کو اپنے زمانہ میں برحال رکھنا ان کے دستور کے صحیح ہونے کی ایک واضح دلیل ہے۔ علمائے شیعہ نے اس کے جواب کے لئے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ مگر آج تک کامیاب نہیں ہوئے۔

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ بزم میں
ہو غم ہی جاں گداز تو غم خوار کیا کریں

ہم اس باب کو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ایک حدیث پر ختم کرتے ہیں۔ جو کہ نہج البلاغۃ، جلد سوم، صفحہ ۹۹ پر موجود ہے۔ اشتر نخعی کو مصر کا حاکم بنا کر روانہ فرماتے ہیں۔ اور ایک عہد نامہ لکھ کر ساتھ دیتے ہیں۔ اس عہد نامہ کو تاریخی دنیا میں بڑی شہرت حاصل ہوئی ہے۔ یہ عہد نامہ کیا ہے سیاست کی ایک جامع کتاب ہے۔ اس میں حضرت علی رضؓ کا یہ ارشاد موجود ہے۔

ولا تنقض سنۃ صالحۃ عمل بہا صدور ہذہ الامۃ

اس اچھے طریقے کو مت توڑ جس پر امت کے پہلے سرداروں نے عمل کیا ہے۔ ترجمہ ختم۔

ناممکن ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ جس نیکی کی تاکید اشتر نخعی کو کرتے ہیں خود اس کے برخلاف کام کریں۔ قول و عمل کی مخالفت پر قرآن حکیم نے غضب خداوندی کی خبر دی ہے۔ فرمایا **کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون۔**

ترجمہ:۔ خداتعالیٰ کے ہاں سخت ناراضگی کا موجب ہے کہ زبان سے کہو وہ بات جس پر خود عمل کرنا مقصود نہ ہو۔ ترجمہ ختم

نتیجہ یہ نکلا کہ آنحضرت جو دستور العمل اشتر نخعی کو دے رہے ہیں یہ اپنا خاص دستور العمل ہے۔ اور آپ ہمیشہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور خوب ظاہر ہے کہ خلفائے ثلاثہ کو امت کے پہلے سردار کے لقب سے یاد فرمایا ہے، اور سو فیصدی صحیح فرمایا ہے۔ کیونکہ خلفائے ثلاثہ کے علاوہ کون ہے جو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ

اس ارشاد مرتضوی کی تشریح یہ ہے۔ سُنئے! میرے نزدیک لفظ صالحۃ قید اتفاقی ہے۔ احترازی نہیں ہے۔ اور اتفاقی قیودات کا ہر زبان میں پایا جانا مسلم ہے۔ اندریں صورت مطلب یہ ہو گا کہ ہم سے پہلے سرداروں نے جو طریقے جاری کئے ہیں وہ سب کے سب اچھے ہیں۔ ان میں سے کسی طریقہ کو نہ توڑو۔ پس خلفائے ثلاثہ کی مدح عظیم فرمائی ہے ؎

"آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشہ دیکھے"

لیکن شیعہ میں سے اگر کوئی اہل علم یوں کہہ دے کہ بھائی لفظ صالحۃ قید احترازی ہے جس کا مطلب یہ ہو گا کہ خلفائے ثلاثہ کے کام اپنی اپنی حکومتوں میں دو قسم کے تھے۔ اچھے اور برے تو ہم جواب میں عرض کریں گے کہ صاحب ٹھیک ہے۔ مان لیا کہ قید احترازی ہے۔ مگر پھر بھی ہمارا ہی مقصود پورا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ احترازی قید بنانے کی صورت میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ارشاد کا مطلب یہ ہو گا۔ کہ خلفائے ثلاثہ کے جو دستور اچھے ہیں انہیں مت توڑو۔ اور ان کے جو دستور برے ہیں انہیں توڑ دو۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں فدک کے متعلق خلفائے ثلاثہ کے دستور کو باقی رکھا ہے۔ توڑا نہیں ہے۔ جس سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ کہ فدک سے متعلق خلفائے ثلاثہ کا دستور شرعاً صحیح تھا۔ اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اپنی حکومت کا دور اس فتوے پر ایک ایسی زبردست مہر ہے کہ جس کو توڑنا کسی محِب کا کام نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی مصنف اس مہر کو توڑ سکتا ہے۔

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا

باب پنجم

اَوقافِ اَہلبیتِ علیہم السّلام کے بیان میں

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے قولاً وفعلاً زبان سے اور عمل سے مسلمانوں کی توجہ زمین اور مکانات وقف کرنے کی طرف پھیری ہے۔ ملاحظہ ہو۔ فروع کافی جلد سوم، صفحہ ۳۲۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال لیس یتبع الرجل بعد موتہ من الاجر الا ثلاث خصال صدقۃ اجراھا فی حیاتہ فھی تجری بعد موتہ وسنۃ ھدی سنھا فھی یعمل بھا بعد موتہ وولد صالح یدعو لہ

ترجمہ:۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ مرنے کے بعد آدمی کو صرف تین چیزوں کا ثواب پہنچتا ہے۔ ایک تو وہ وقف ہے جسے زندگی میں جاری کیا۔ پس یہ جاری رہتا ہے۔ مرنے کے بعد۔ مراد یہ ہے کہ وقف کرنے والے کو مرنے کے بعد ثواب ملتا رہتا ہے۔ دوسری چیز وہ نیک رسم ہے جو آدمی جاری کر جائے۔ اور اس کے مرنے کے بعد بھی اس نیک رسم پر لوگ چلتے رہیں۔ مراد یہ ہے کہ نیک رسم جاری کرنے کی وجہ سے بھی مرنے کے بعد ثواب ملتا رہتا ہے۔ تیسری چیز وہ نیک فرزند ہے جو باپ کے مرنے کے بعد اس کیلئے دعائے مغفرت کرتا رہتا ہے مراد یہ ہے کہ اس نیک لڑکے کی نیکیوں میں سے باپ کو بھی حصہ ثواب ملتا رہتا ہے۔

ناظرین کرام! مولوی محمد بن یعقوب کلینی نے اس باب میں چھ حدیثیں ذکر کی ہیں۔ چونکہ سب کا مقصود یہی ہے جو کہ اوپر کی حدیث کا ہے۔ اس واسطے باقی حدیثوں کے یہاں نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہتے ہیں مشتے نمونہ از خروارے باشد۔ الغرض کتب شیعہ وسُنی وقف کی ترغیب سے لبریز ہیں۔ جس طرح نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے غلاموں کے آزاد کر دینے کی ترغیب دلا کر غلاموں کی دستگیری فرمائی اور ان کی زندگی کو صحیح معنوں میں زندگی بنا دیا ٹھیک اسی طرح آن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقف کی ترغیب دلا کر مسکینوں اور یتیموں اور معذوروں کی دست گیری فرمائی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعتاق یعنی غلام کو آزاد کر دینے کے فضائل بیان فرمائے تو لوگ اس کو ذریعۂ دخول جنت یقین کر کے غلاموں کو آزاد کرنے لگ گئے۔ یہاں تک کہ دولتمند صحابہ اپنے غلاموں کو آزاد کر کے سارا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرنے لگے۔ ٹھیک اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقف کے فضائل بیان فرمائے تو آپ کے صحابہ کرام نے اچھی اچھی جائدادیں وقف کر دیں۔ اور خود مسکینی کی زندگی اختیار کر لی۔ اس طریق سے تنگ دست لوگ سکھی زندگی گزارنے لگے اور سرمایہ دار لوگ اپنے مقام سے نیچے اتر کر مسکینی کی زندگی پر راضی ہو گئے۔ اور مساوات کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ صاحب مسدس نے کیا خوب کہا ہے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانیوالہ مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنیوالہ وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

زمانۂ حال کے سادات کے لیڈر اگر اس نعرہ میں مخلص ہیں تو آنحضور صلے

اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مساوات کے طریقے سیکھیں۔ غزوۂ خندق کے موقعہ پر آپ کے ساتھیوں کے پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا تو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ زمانۂ حاضرہ کے مساوات کے علمبردار اس نعرہ میں مخلص نہیں ہیں۔ خود شاہانہ ٹھاٹھ سے زندگی گزارتے ہیں اور لوگوں کو مساوات کا وعظ کہتے ہیں۔

اک چیز جو آئی ہے مرے فہم رسا میں
وہ یہ ہے کہ اخلاص بڑی بات ہے ساقی

ناظرین کرام! یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو درمیان میں آ گیا۔ اب ہم اصل مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ترغیب وقف کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام صحابہؓ نے کچھ نہ کچھ زمین وقف کر دی۔

ملاحظہ ہو۔ شرح لمعہ، مطبوعہ تہران، جلد اول صفحہ ۲۲۴،

از حاشیہ اشـ **قال جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لم یکن احد من الصحابة ذو مقدرة الا وقف۔**

حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صحابہ میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو صاحب مال ہو اور اس نے وقف نہ کیا ہو۔ ترجمہ ختم۔

مراد یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام نے وقف کئے تھے۔ سردست ضرورت اہل بیت علیہم السلام کے اوقاف کی ہے۔ اس لئے باقی صحابہ کرام کے اوقاف سے درگزر کرتے ہیں۔ اور اہل بیت نبوت علیہم السلام کے اوقاف کو یہاں درج کرتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے اوقاف

ملاحظہ ہو، فروع کافی، مطبوعہ لکھنؤ، جلد سوم، صفحہ ۲۸۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھذا ما اوصیٰ بہ وقضی بہ فی مالہ عبد اللہ علی ابتغاء لوجہ اللہ تعالیٰ لیدخلنی بہ الجنة ویصرفنی بہ عن النار ویصرف النار عنی یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ ان ما کان لی من ینبع من مال یعرف لی فیھا وما حولھا صدقة۔

یہ وہ چیز ہے جس کا فیصلہ کیا ہے اپنے مال میں خدا کے بندے علی نے رضائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تاکہ اس کام کے سبب سے اللہ تعالیٰ مجھے داخل کرے بہشت میں اور دور رکھے مجھے دوزخ کی آگ سے اور دور رکھے دوزخ کی آگ کو مجھ سے جس دن کہ بعض لوگوں کے چہرے روشن ہوں گے۔ اور بعض لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ فیصلہ اس بات کا ہے کہ ینبع میں جو میری زمین ہے اور ینبع کے آس پاس جو میری زمین ہے جسے ہر کوئی جانتا ہے وہ سب کی سب وقف ہے ترجمہ ختم۔

ینبع کی زمین کے بعد آپ نے اور زمینیں شمار کی ہیں۔ اور سب وقف کر کے آخر میں لکھا ہے۔

ھٰذہ الصدقة واجبة بتلة حیا او میتا ینفق فی کل نفقة یبتغی بھا وجہ اللہ تعالیٰ فی سبیل اللہ ووجہہ وذوی الرحم من بنی ھاشم وبنی المطلب والقریب والبعید فانہ یقوم علی ذٰلک الحسن بن علی۔

یہ وقف واجب ہو چکا ہے اور میرے ملک سے علیحدہ ہو گیا ہے۔ چاہے میں زندہ رہوں۔ چاہے میں مر جاؤں۔ خرچ کیا جائے گا اس میں سے وہاں جہاں خدا کی رضامندی ہو۔ اور خرچ کیا جائے گا میرے رشتہ داروں میں۔ بنو ہاشم میں سے

اور بنو مطلب میں سے اور خرچ کیا جائے گا قریبی رشتہ داروں میں اور دور کے رشتہ دار میں اور اس وقف کا متولی ہوگا حسن بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ترجمہ ختم

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

وانه يشترط على الذى يجعله اليه ان يترك المال على اصوله وينفق ثمره حيث امرته به فى سبيل الله ووجهه وذوى الرحم من بنى هاشم وبنى المطلب والقريب والبعيد لا يباع منه شئ ولا يوهب ولا يورث

اور علیؑ شرط کرتا ہے اس شخص پر جو کہ اس وقف پر متولی ہوگا۔ کہ اس زمین کو اپنے اصل پر رہنے دے۔ یعنی خدا کی ملک میں رہنے دے۔ اور اس کی پیداوار کو خرچ کرے جہاں خرچ کرنے کا فیصلہ میں نے دیا ہے۔ خدا کے راستے میں اور اس کی خوشنودی میں اور ہاشمی اور مطلبی رشتہ داروں میں اور قریب میں اور بعید میں۔ اس زمین کا کوئی ٹکڑا بیع نہ کیا جائے گا۔ اور نہ ہبہ کیا جائے گا۔ اور نہ ہی میراث میں دیا جائیگا۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! راقم الحروف کی غرض یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مولوی کلینی نے روایت کی ہے۔ اور اس میں دکھایا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی ساری جائیداد خدا کی راہ میں وقف کر دی تھی۔ اور اپنی زندگی میں متولی وقف اپنے بڑے بیٹے حضرت امام حسن علیہ السلام کو بنا دیا تھا۔ اور اس کی وفات کے بعد متولی وقف حضرت امام حسین علیہ السلام کو نامزد فرمایا۔ اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے اپنی کوئی جائیداد میراث کے لئے نہیں چھوڑی۔ سب کی سب اراضی وقف فرما دی تھیں۔ اس کارروائی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے دماغ میں اپنی اولاد کی دنیاوی آسودگی کا کوئی خیال نہ تھا اور واقعات بھی یہی ہیں۔ جو شخص خدا کا ہو جاتا ہے۔ خاصانِ بارگاہِ الٰہی میں سے ہو جاتا ہے۔ اس کے

توکل کے کیا ٹھکانے ہیں۔ وہ اپنی اولاد کو اس کے خالق پر چھوڑ دیتا ہے۔ اور خود تمام تر محنت قیامت کی سرخروئی کے واسطے کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے اپنی اولاد کو دنیاوی آسودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی ساری جائداد خدا کی راہ میں وقف فرما دی۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ پر یہ رنگ کہاں سے چڑھ گیا۔ سو ہر عاقل بصیر جانتا ہے کہ یہ رنگ حضرت علی المرتضیٰ پر حضور پُر نور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مجلس سے چڑھا تھا۔ جو زہد اور توکل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں تھا وہی آپ کے ہم نشینوں میں نظر آتا ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے جو کام آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا وہی کر کے دکھا دیا۔ اس قدر عظیم الشان اتباع فرطِ محبت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ عشق و محبت کے طریقوں کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو خود اس راہ سے گزرے ہوں۔ بے درد اور بے محبت لوگ ان چیزوں کو سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت علیؑ المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے اپنی ساری جائداد وقف کر کے حدیث نبوی **ماترکنا صدقة** کی عملاً تصدیق فرما دی۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے اوقاف

حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کے قبضے میں سات باغ تھے۔ ان سب کو نا [illegible]

ملاحظہ ہو۔ فروع کافی، مطبوعہ لکھنؤ، جلد سوم صفحہ ۲۷۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هذا ما اوصت به فاطمة بنت محمد صلى الله عليه وآله وسلم اوصت بحوائطها السبعه العفاف والدلال والبرقة والمبيت والحسنى والصافية ومال ام ابراهيم الى على بن ابى طالب فان مضىٰ على فالى الحسن فان مضىٰ فالى الحسين فان مضى الحسين فالى الاكبر من ولدى شهد الله على ذلك والمقداد بن الاسود والزبير بن العوام وكتب على بن ابى طالب۔

ترجمہ:۔ شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ہے۔ نہایت رحم والا یہ چیز وہ ہے جس کی نسبت وصیت کی ہے فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جو بیٹی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ وصیت کی ہے سات باغوں کی جن کے نام یہ ہیں۔ عفاف، دلال، برقہ، مبیت، حسنی، صافیہ، ام ابراہیم والی زمین۔ متولی بنایا ہے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو۔ پھر اگر فوت ہو جائے علیؓ تو حسنؓ متولی ہوگا۔ پھر اگر حسنؓ فوت ہو جائے تو متولی وقف حسینؓ ہوگا۔ پھر اگر وہ بھی فوت ہو جائے تو میری اولاد میں سے جو بڑا ہو عمر میں وقف کا متولی ہوگا۔ گواہ ہو خدا تعالےٰ اور مقداد بن اسود اور زبیر بن عوام۔ لکھا ہے اس کو علی ابن ابی طالب نے کرم اللہ وجہہٗ۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! ان سات باغوں کے وقف کر دینے کی دلیل یہ ہے کہ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی نے اس وصیت نامہ کو اوقاف ائمہ کرام کے باب میں ذکر کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی اپنی اراضی کے بارے یہ کارروائی [illegible] لامحالہ وقف ہوگی۔

میرے نزدیک یہ بات واضح ہے۔ اس لئے دلیل کی حاجت نہیں۔ چونکہ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا ظاہراً و باطناً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کافی مشابہت رکھتی تھی۔ یہاں تک کہ چلنے پھرنے میں، نشست و برخاست میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا نمونہ آپ تھیں۔ راقم الحروف کے مطالعہ میں نماز تہجد کی کثرت کے سبب سے دو ہستیوں کے قدم شریف متورم ہوئے ہیں۔ ایک حضور پرنور خاتم النبیین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور دوسری حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اس لئے ترکہ میں بھی مشابہت کا اثر نمودار ہوا کہ جس طرح حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنا ترکہ وقف کر دیا، اسی طرح حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا اپنا ترکہ وقف کر کے اس دنیائے فانیہ سے تشریف لے گئیں۔ ہم یوں نہیں کہتے کہ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی اولاد کو شرعاً والدہ شریفہ کے اموال میراث میں نہیں مل سکتے تھے۔ از روئے شرع شریف تو کوئی ممانعت نہ تھی، مگر حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے اپنے والد شریف صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عالی شان عمل کی پیروی کر کے دنیا کے سامنے مشابہت تامہ کا ایک اور نمونہ پیش فرمایا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جو ایک حدیث آپ کے سامنے پیش کی تھی وہ حدیث آپ کو پسند آئی تھی۔ اس حدیث کی روایت پر آپ کو کسی قسم کا شبہ پیش نہیں آیا۔ کمال پسندیدگی یہ ہے کہ خود اس جہان سے روانہ ہوتے وقت اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔ میری مراد **ما ترکناہ صدقۃ** سے ہے۔ یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ وقف ہو جاتا ہے۔

ناظرین کرام! کیا ہے کوئی اس عمل میں غور کرنے والا؟ کیا ہے کوئی سوچنے

والا جو تعصب کا غلاف اپنے دل سے الگ کر کے سوچے کہ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی اراضی ان کی اولاد میں میراث کے اصول پر کیوں تقسیم نہیں ہوئی؟ آپ نے اپنی اولاد میں بطور میراث تقسیم سے کیوں پرہیز فرمایا، کیا آپ کے ذہن شریف سے سورہ نساء کی وہ آیت اتر گئی تھی۔ جس کی ابتدا ہے۔ **یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین**... الخ ہرگز ہرگز نہیں۔ کس قدر ظالم ہیں وہ لوگ جو ان بزرگ ہستیوں کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب ہمارے مابین میراث کا قانون جاری ہے اور جب ہماری اولاد ہم سے دنیاوی میراث پاتی ہے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میراث کیوں نہ پائے گی؟ حقیقت یہ ہے کہ ان بے چاروں کو پیغمبرؐ اور اس کے اقربا کی شان کی معرفت نہیں ہے۔ ان لوگوں کے زہد اور توکل کے تصور سے عاری ہیں۔ یہ لوگ تو بس یہی خیال کرتے ہیں کہ جس طرح ہمارا نصب العین دنیا ہے اور دنیاوی منافع ہیں وہ بزرگ بھی اسی طرح کے تھے۔ مگر **حاشا و کلا ثم حاشا و کلا** کہ وہ بزرگ اس طرح کے ہوں۔

کار پاکاں را قیاس خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے بھی اپنی ساری اراضی وقف کر کے حدیث صدیق کی عملی تصدیق فرمادی۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اوقاف

ملاحظہ ہو۔ من لایحضرہ الفقیہ، مطبوعہ قدیم، طہران جلد ۲ صفحہ ۲۹۳، یہی روایت طبع چہارم جدید جلد ۴، صفحہ ۱۸۴، پر درج ہے (قاسم شاہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھذا ما تصدق بہ موسیٰ بن جعفر تصدق بارضہ فی مکان کذا و کذا کلھا وحد الارض کذا و کذا تصدق بھا کلھا۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ یہ وہ تحریر ہے جس میں موسیٰ بن جعفر کے اوقاف کا مذکور ہے۔ موسیٰ بن جعفر نے وقف کر دی ہے اپنی زمین جو کہ فلاں جگہ پر واقع ہے اور فلاں جگہ پر سب کی سب اور حدود اربعہ زمین کی فلاں فلاں ہیں وقف کر دی ہے ساری کی ساری ترجمہ ختم

ناظرین کرام! یہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہیں، جنہوں نے اپنی ساری اراضی وقف کر دی اور متولی وقف صرف دو بیٹوں کو بنایا، ایک حضرت علی الرضا ہیں اور دوسرے حضرت ابراہیم ہیں۔

اگر میراث کے اصول کے مطابق حضرت امام علیہ السلام اپنی اراضی تقسیم فرماتے تو آپ کی اولاد کی تعداد مورخین نے سینتیس [37] عدد لکھی ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں اپنی جائداد میراث کے اصول پر کیوں نہیں تقسیم فرمائی۔

اس سوال کا جواب اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام [illegible]

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش فرمائی ہے۔ جسطرح انہوں نے اپنی جائدادیں فی سبیل اللہ وقف کر دی تھیں۔ اسی طرح حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے بھی اپنی جائداد وقف کر دی۔

خدا کی راہ میں دینا ہے گھر کا بھر لینا
اِدھر دیا کہ اُدھر دیا داخل خزانہ ہوا

ایک اور حدیث ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو، فروع کافی مطبوعہ لکھنؤ، جلد سوم، صفحہ ۳۱:

عن ایوب بن عطیہ قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول قسم نبی اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم الفئ فاصاب علی ارضا فاحتو فیہا عینا فخرج ما ینبع فی الماء کھیئۃ عنق البعیر فسماہا ینبع فجاء البشیر یبشر فقال علیہ السلام بشر الوارث ھی صدقۃ فی حجیج بیت اللہ وعابری سبیل اللہ لاتباع ولا توھب ولا تورث فمن باعھا او وھبھا فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین لایقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا؛

ایوب کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا۔ آپ فرما رہے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فئی کی زمین تقسیم فرمائی تو حضرت علیؓ نے اس میں ایک کنواں کھدوایا۔ پس اس میں سے پانی خوب جوش مار کر نکلنے لگا۔ پانی کی رفتار کا نمونہ ایسا تھا جیسا کہ اونٹ کے چلنے کے وقت اونٹ کی گردن کا نمونہ ہوتا ہے۔ آپ نے اس کا نام ینبع رکھا۔ پس خوشخبری دینے والے نے آکر تکمیل کی خوشخبری دی تو آپ نے فرمایا خوشخبری دے اس شخص کو جس کے یہاں منتقل ہو کر یہ

چشمہ جانے والا ہے میں اس کو وقف کرتا ہوں۔ بیت اللہ کی زیارت کرنے والوں پر اور خدا کی راہ میں جنگ کرنے والوں پر نہ بیع کیا جائے گا۔ اور نہ ہی ہبہ کیا جائے گا۔ اور نہ ہی میراث میں کسی کو ملے گا۔ پس جو شخص اسے بیع کرے گا یا اسے ہبہ کرے گا۔ اس پر خدا کی لعنت ہے اور فرشتوں کی لعنت ہے اور سارے آدمیوں کی لعنت ہے۔ خداوند تبارک وتعالےٰ اس سے نہ فرضی عبادت قبول کرے گا اور نہ ہی نفلی عبادت قبول فرمائے گا۔ ترجمہ ختم۔

ناظرین کرام! ائمہ کرام، اہل بیت عظام علیہم السلام کی ان احادیث سے بخوبی واضح ہوگیا کہ اہل بیت نبوت کے ہاتھ جو زمین کا ٹکڑا اچھا اور زرخیز آیا ہے۔ اس کو وقف کر کے ہی دم لیا ہے۔ رشتہ داروں کے یہاں میراث چھوڑ جانے کی نسبت خدا کی راہ میں وقف کر دینے کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ اور یہ کارروائی خوب محبوب تصور کی گئی ہے۔ اور اپنی اولاد کو خالق کائنات پر چھوڑا ہے۔

سب کام اپنے کرنے تقدیر کے حوالے
نزدیک عارفوں کے تدبیر ہے تو یہ ہے

ائمہ کرام اہل بیت علیہم السلام کے یہ چند اوقاف کتب شیعہ سے بطور نمونہ کے نقل کئے ہیں۔ اگر ان بزرگوں کے اوقاف کا احاطہ مقصود ہو تو کتب فریقین میں بہت سا مواد موجود ہے۔ اور بڑی ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ مگر راقم الحروف کا مقصود یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس رسالہ کو طول سے محفوظ رکھا جائے تاکہ مطالعہ کرنے والے جلدی جلدی کسی نتیجے پر پہنچ جائیں، نیز زمانہ حاضرہ میں لوگوں کے یہاں علمی مطالعہ کے واسطے ٹائم بہت ہی کم ہے۔ اس واسطے انہی چند اوقاف کو ہدیۂ ناظرین کر کے اس باب کو ختم کرتے ہیں اور عقلمند متلاشی کے لئے انشاءاللہ یہ مقدار کافی شافی ہے۔ عاقل بصیر ان اوقاف کا مطالعہ کر لینے کے بعد خود بخود سوچنے لگتا ہے۔

کہ بات کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے اور حضرت فاطمہؓ نے اور حضرت موسیٰ کاظم علیہم السلام نے اپنی ساری اراضی وقف کر ڈالیں۔ اگر یہ بزرگ اپنی اراضی اپنی اولاد میں بطور میراث تقسیم ہونے دیتے تو ضرور ان کی اولاد آسودگی میں رہتی نہ تو ان بزرگوں کو اپنی اولاد کی آسودگی کا خیال آیا اور نہ ہی اولاد نے وقف کرتے وقت عرض کیا کہ ابا جان یہ ہمارا شرعی حق ہے بطور میراث ہمیں ملنا چاہیئے۔ آخر جواب یہی پایا ہے کہ ان لوگوں کی نگاہ میں دنیاوی اموال کی کوئی وقعت نہ تھی۔ ان بزرگوں کی نگاہ میں تو صرف آخرت تھی، آخرت کی عزت ان بزرگوں کا نصب العین تھا، یہ سب کچھ کالی کملی والے کے مکتب سے سیکھا۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

اگر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنی اولاد کو کچھ اراضی بطور میراث دے جاتے تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ بھی اسی طرح اپنی اولاد کو بطور میراث ضرور کچھ زمین تو دے جاتے تاکہ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اقتدا اور تاسی مکمل ہو جاتی۔ بلکہ ہوا تو یہ کہ جس طرح حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے سب اراضی خدا کی راہ میں وقف کر دی، اسی طرح حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے سب کچھ خدا کی راہ میں وقف کر کے اقتدا اور تاسی کے کمال کا مظاہرہ فرمایا،

مال دنیا خواستگاراں را دہند
عاقبت پرہیزگاراں را دہند

بابِ ششم

تصدیقات میں

اس باب میں کتب شیعہ سے ان اقوال کو جمع کیا گیا ہے جو شیخین کی حکومت کی مدح و ثنا پر مشتمل ہیں۔ اور ساتھ ہی التزام کیا گیا ہے کہ یہ اقوال ان بزرگوں کی جانب سے پیش کیے جائیں۔ جن پر شیعہ دنیا کا مکمل اعتقاد ہے اور جن کی مدح و ثنا سے علمائے شیعہ رطب اللسان ہیں۔ سب سے پہلے ہم حضرت علی المرتضےٰ کرم اللہ وجہہ کے ارشاداتِ عالیہ درج کرتے ہیں۔

ارشادِ گرامی ۱

ملاحظہ ہو۔ حدیدی شرح نہج البلاغۃ، مطبوعہ تہران، جلد اوّل جزو ششم صفحہ ۲۹۵ پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کا ایک مکتوب شریف موجود ہے۔ جس میں چند جملے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

ثم ان المسلمین من بعدہٖ استخلفوا امیرین منھم صالحین فعملا بالکتاب والسنۃ واحسنا السیرۃ ولم یعدوا السنۃ ثم توفیا رحمھما اللہ تعالیٰ

پھر سارے مسلمانوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد دو بزرگوں کو یکے بعد دیگرے خلیفہ بنایا جو کہ نیکی کے کام کرنے والے تھے۔ پھر ان دو بزرگوں نے قرآن حکیم اور سنت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر عمل کیا اور طریق حکومت کو خوبصورت بنایا۔ اور آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے ذرہ بھر تجاوز نہ کیا، پھر وہ

دونوں یکے بعد دیگرے اس جہان فانی سے روانہ ہوگئے۔ خداوند تبارک وتعالے ان دونوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد میں غور کرو۔ اگر حضرات شیخین نے فدک کے معاملہ میں کوئی کام خلاف سنت نبی صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم کیا ہوتا تو آپ کی زبان حقیقت ترجمان سے یہ الفاظ مدحیہ ہرگز نہ نکل سکتے تھے۔ مذکورہ بالا کلمات مرتضویہ ڈنکے کی چوٹ سے اعلان کرتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضوان اللہ علیہما نے اپنی خلافت کے زمانہ میں کوئی کام قرآن حکیم اور سنت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے برخلاف نہیں کیا۔ چاہے کام فدک کے بارے میں ہو۔ چاہے وہ کام خمس کی تقسیم سے متعلق ہو۔ اور آخر میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی دعا اپنے ان دونوں دوستوں کے حق میں قابل دید ہے۔

"فرماتے ہیں خدا تعالے ان دونوں پر اپنی رحمت نازل کرے ——"

اور یہ شیعہ لوگ جس طرح پر ان دونوں بزرگوں کو یاد کرتے ہیں۔ وہ بھی معلوم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ان دونوں بزرگوں سے محبت دیکھو، اور شیعان علی رضؓ کی ان دونوں بزرگوں سے عداوت دیکھو، دعائے رحمت کا موجب محبت کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے! زمانۂ حال کے شیعہ ان دونوں بزرگوں کی عداوت سے مالامال ہیں۔ قرآن حکیم کے اندر مشرک اور کافر کے لئے دعائے خیر سخت ممنوع ہے۔ فرمایا ہے

ماکان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ من بعد ما تبین لھم انھم اصحب الجحیم (قرآن مجید)

یہ آیت مبارکہ گیارہویں پارے کی پہلی چوتھائی میں موجود ہے، کسی سُنّی حافظ سے [illegible] ملاحظہ [illegible] فرماویں۔

ارشادِ گرامی۲

ملاحظہ ہو، ناسخ التواریخ، کتاب دوم، جلد سوم، صفحہ ۱۴۲:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک تقریر کے دوران میں فرمایا

اما بعد فان اللہ بعث النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم فانقذ بہ من الضلالۃ ونعش بہ من الھلکۃ وجمع بہ بعد الفرقۃ ثم قبضہ اللہ الیہ وقد ادی ماعلیہ ثم استخلف الناس ابابکر ثم استخلف ابوبکر عمر واحسنا السیرۃ وعدلا فی الامۃ.

حمد وثنا کے بعد بات یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو لوگوں کی راہنمائی کے لئے مقرر فرمایا، اور آپ کے ذریعہ لوگوں کو گمراہی سے چھڑایا، اور آدمیوں کو آپ کے ذریعہ تباہی سے دور کیا۔ اور آپ ہی کے ذریعہ لوگوں کو باہمی جدائی کے بعد جمع کر دیا، پھر خدا تعالیٰ نے آپ کو اپنی جانب بلالیا، در انحالیکہ جو کچھ آپ کے ذمہ میں تھا۔ وہ ادا کر چکے تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سارے مسلمانوں نے ابوبکر رضؓ کو خلیفہ مقرر کیا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضؓ کو خلیفہ مقرر فرمایا، اور ان دونوں بزرگوں نے طریق حکومت کو خوبصورت اور نہایت اچھا بنایا، اور ساری امت میں انصاف قائم کیا، ترجمہ ختم

ناظرین کرام! اس مرتضوی ارشاد میں غور کریں، کیسی وضاحت اور صفائی سے ان دونوں بزرگوں کی حکومت کی تعریف کی ہے۔ اور ساری امت میں قیام عدالت کا کس خوبی سے اعلان فرمایا ہے۔ اگر فدک کے بارے میں ان دونوں

نے غصب اور ظلم کا ارتکاب کیا ہوتا تو حضرت علیؓ ان کی حکومت کو خوبصورت کیسے فرما سکتے تھے، پھر تو ان کی حکومت بدصورت ہوتی، جس حکومت میں نبی کے خاص رشتہ داروں پر ظلم روا رکھا جاوے اس حکومت کو اچھی حکومت کا لقب کون دے سکتا ہے؟ جس حکومت میں خاتم النبیین شفیع المذنبین فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کے ساتھ بے انصافی کی جائے اس حکومت میں قیام عدالت کے کیا معنی؟

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے یہ فقرے اس زمانہ کی یادگار ہیں جبکہ آپ سریر آرائے خلافت تھے۔ اور صاحب حکومت تھے۔ پس کوئی شیعہ اہل علم یہاں تقیہ کی آڑ لینے کی بے جا کوشش نہ کریں۔ اس لئے کہ شرائط تقیہ میں سے کوئی شرط بھی یہاں نہیں پائی جاتی، اور شرائط تقیہ چوتھے باب میں ذکر کر آیا ہوں دوبارہ دیکھ لی جاویں تو بہتر ہوگا۔

ارشاد گرامی

ملاحظہ ہو۔ شرح نہج البلاغة، جلد اول، از سید علی نقی مدظلہ صفحہ ۷۵:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو اراضی لوگوں کو برخلاف قانون شریعت دے دی تھیں۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے خلیفہ ہوتے ہی واپس کر لیں۔

اور فرمایا۔

واللہ لو وجدتہ قد تزوج بہ النساء وملک بہ الاماء لرددتہ

خدا کی قسم اگر عثمانؓ کی ناجائز عطا کردہ زمینیں میرے علم میں آجائیں تو میں واپس کر لوں گا۔ اگرچہ ان زمینوں کو مہر نکاح میں دے دیا گیا ہو، اور اگرچہ ان زمینوں سے باندیاں خریدی گئی ہوں۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ خدا کی قسم کھا کر فرما رہے ہیں۔ کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ناجائز کاموں کو برحال نہیں رکھوں گا بلکہ اس میں شریعت کے مطابق تغیر و تبدل کر دوں گا۔ چاہے اس میں کتنا ہی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ناجائز کاموں کو برحال رکھ دیں۔ اور ان میں شریعت کے مطابق تغیر تبدل نہ فرماویں۔ مراد میری فدک کی اراضی سے ہے کہ عثمانؓ کے ناجائز کام واجب التردید ہیں۔ تو شیخین کے ناجائز کام واجب الرد کیوں نہ ہوں گے؟ جس طرح عثمانؓ کی ناجائز طور پر دی ہوئی اراضی آپ نے واپس کی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح اگر حضرت ابوبکرؓ نے فدک غصب کر لیا ہوتا تو حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ اسے اصل مالکوں پر واپس کر کے دم لیتے۔ بھائی ناجائز ہر حال میں ناجائز ہی ہوتا ہے۔ چاہے حضرت عثمانؓ کریں۔ اور چاہے حضرت ابوبکر کریں۔ اور اسکی اصلاح کا فریضہ بھی برابر ہی رہتا ہے۔ کوئی عقلمند آدمی اس تفریق کو صحیح نہیں قرار دے سکتا، حضرت علیؓ کی ذات سے اس چشم پوشی کی امید ناجائز ہے، حضرت علی المرتضیٰ بھی ہوں اور پھر باطل بھی اپنی جگہ پر ڈٹا رہے۔ یہ بات غلط ہے۔

تو اور پلائے نہ ہمیں ہاتھ سے اپنے،
یہ بات ہے ساقی تو غلط بات ہے ساقی

واضح ہو گیا کہ صدیقی دستور متعلق فدک حضرت علیؓ کے یہاں صحیح تھا۔ ورنہ ضرور اس کو تبدیل کر کے دم لیتے۔

ارشادِ گرامی (۴۲)

ملاحظہ ہو۔ نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر۔ جلد دوم، صفحہ ۲۴۹:

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔

للہ بلاد فلان فقد قوم الاود وداوی العمد واقام السنۃ وخلف الفتنہ ذھب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرھا وسبق شرھا ادی الی اللہ طاعتہ واتقاہ بحقہ؛

ناظرین کرام! حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس کلام بلاغت نظام کے اندر فلاں سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس چیز پر شرح نہج البلاغۃ گواہ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کلام کے اندر صریح لفظ عمرؓ موجود تھا۔ جامع کتاب نہج البلاغۃ سید رضی نے فرط عداوت کی وجہ سے اس نام کو زبانِ قلم پر لانا مناسب نہ جانا تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا کلام اس طرح پر ہوگا۔ للہ بلاد عمرؓ یہ مدحیہ جملہ ہے عرب لوگ جب کسی کے کام کی بھاری مدح کرنا چاہتے ہیں تو خدا تعالےٰ کے نام سے ابتدا کرتے ہیں کسی کی سخاوت کی تعریف کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔ للہ در فلان اسی طرح کسی کی حکومت کے حسن و انتظام کی صفت کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔ للہ بلاد فلان پس حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اپنی حکومت کے زمانے میں حضرت عمر رضؓ کی حکومت کو یاد کرتے ہیں۔ اور تعریف کرتے ہیں کہ کیا ہی اچھا دور تھا حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا جس میں تمام شہر اسلامی حکومت کے باہم متفق تھے۔ تمام اہل اسلام کے اندر جذبات محبت بے شمار تھے، سب کے سب آپس میں بھائی بھائی تھے، تمام اسلامی شہروں کا نظم و نسق ایک تھا۔ ایک ہی شخص کے اشارے پر

تمام مسلمان متحرک ہو جاتے تھے۔ سبحان اللہ! کیا ہی اچھا دور خلافت تھا۔ جس میں مسلمانوں کو آپس میں کسی قسم کے اختلافات سے دوچار ہونا نہیں پڑا۔

راقم الحروف جو کچھ بھی عرض کر رہا ہے اپنی جانب سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ سارا مضمون اس کلام بلاغت نظام کے پہلے جملے سے نکل رہا ہے۔ للہ بلاد عمر، ایک ایسا جامع جملہ ہے جو حضرت عمرؓ کی پوری دس سالہ حکومت کو اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ یہاں تک کہ نماز تراویح بھی اس میں آگئی ہے۔ پس فدک کا انتظام بھی اس جملے میں آگیا ہے اور اس کی بھی مدح ہو چکی ہے۔ اور حضرت عمرؓ کی حکومت کی تعریف کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اپنے زمانۂ خلافت میں وہ اتفاق اور اتحاد بین المسلمین نظر نہ آیا۔ جو حضرت عمرؓ بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ؎

"قدر اچھوں کی ہوا کرتی ہے مر جانے کے بعد"

دوسرا جملہ ہے: فقد قوم الاود۔ یعنی اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کجی کو سیدھا کر دیا۔ یہ جملہ اور باقی آنے والے جملے سب کے سب پہلے جملے کی دلیل کے طور پر ذکر فرمائے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ساری اسلامی رعایا کے اندر کسی شخص کو ٹیڑھی چال چلنے نہیں دیا۔ جس کے ذہن میں کوئی شک و شبہ پیدا ہوا۔ فوراً دور کر دیا۔ یہی بیماری ہے۔ جس کے معالجے کی خبر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ آنے والے جملے میں دے رہے ہیں۔

تیسرا جملہ ہے: وداوی العمد۔ یعنی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیماری کا خوب علاج کیا۔

چوتھا جملہ ہے: واقام السنۃ۔ یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے

دستور کو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائم کیا۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدک کے بارے میں نبوی دستور کو ترک کر دیا تھا۔ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنی حکومت کے زمانے میں اسی نبوی دستور کو قائم نہیں کیا تھا تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کا یہ ارشاد کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ ارشاد مرتضوی ایک کھلی ہوئی دلیل ہے اس بات پر کہ فدک کے متعلق شیخین کا دستور بعینہٖ نبوی دستور تھا۔ اگر شیعہ کے مزعومات کو تسلیم کر لیا جاوے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس کلام میں کذب لازم آتا ہے۔

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔

پانچواں جملہ ہے: خلف الفتنۃ: یعنی باہمی لڑائی حضرت عمرؓ کے زمانۂ حکومت میں رونما نہیں ہوئی۔

ناظرین کرام! باہمی لڑائی جھگڑے کے نقصانات کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو کہ خود اس مصیبت سے دوچار ہوئے ہوں۔ پنجابی زبان میں ایک کہاوت ہے۔

جس کی پھٹی نہ ہو بوائی،
وہ کیا جانے پیڑ پرائی،

چونکہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے زمانۂ حکومت میں باہمی لڑائی نمودار ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حکومت کی تعریف میں ارشاد فرمایا، کہ حضرت عمرؓ کی حکومت کیا اچھی حکومت تھی کہ جس میں باہمی لڑائی کی بو تک نہیں پائی گئی۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ!

قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری
قدر گل بلبل بداند قدر یاراں شاہ علیؓ

چھٹا جملہ ہے: ذھب نقی الثوب یعنی اس جہان سے پاک دامن تشریف لے گئے۔

ناظرین کرام! حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی زبان حقیقت ترجمان سے حضرت عمرؓ کی پاک دامنی کی شہادت کے بعد بھی کسی اور شہادت کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ ہرگز نہیں جب حضرت علی المرتضیٰ نے خلیفہ ثانی لاثانی کو پاک دامن کے عظیم الشان لقب سے ملقب فرمایا تو اب کس کو مجال ہے کہ غصب فدک کا طعنہ زبان پر لائے۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ ٥

ساتواں جملہ ہے: اصاب خیرھا ترجمہ خلافت میں جو خوبیاں ممکن ہیں وہ سب حاصل کر لیں۔

ناظرین کرام! خلافت کی خوبی یہ ہے کہ پیغمبر کی اتباع اس قدر ہو کہ کوئی سنت چھوٹنے نہ پائے۔

آٹھواں جملہ ہے: وسبق شرھا یعنی خلافت میں جو بے اعتدالی اور شرارت ممکن ہے اس سے عمر بن خطاب دور نکل گئے۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! ان دونوں جملوں کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اتباع سنت میں اور اجتناب بدعت میں نہایت ہی تیز رفتار تھے، یہاں شیعہ حضرات سے پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے ہیں جیسا کہ تم لوگ گمان کرتے ہو کہ فدک چھین لیا، اور خلافت غصب کر لی۔ تو پھر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے یہ دونوں ارشادات کیسے صحیح ہو سکتے ہیں۔

نواں جملہ ہے ؛ ادی الی اللہ طاعتہ ؛ یعنی حضرت عمرؓ خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری بجالائے ۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! کیا غصب حقوق بھی فرماں برداری کی کوئی قسم ہے ۔ ہرگز نہیں، معلوم ہوگیا کہ غصب حقوق کی کہانی ساری کی ساری خود شیعہ کی زبانی ہے ۔ اگر اس کے لئے بھی کوئی بنیاد ہوتی تو وہ حضرت علیؓ سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی تھی، اور اگر آپ کے دل میں غصب فدک کا خیال بھی ہوتا تو ہرگز یوں نہ فرماتے کہ عمر بن خطاب خدا کی فرمانبرداری بجالائے ۔

دسواں جملہ ہے ؛ واتقاہ بحقہ یعنی حضرت عمر بن خطابؓ خدا سے ڈرتے رہے جس طرح ڈرنے کا حق ہے ۔ (ترجمہ ختم)

ناظرین کرام! مرتضوی ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ خلیفۂ ثانی لاثانی خدا تعالیٰ سے خوب ڈرتے تھے ۔ خوف خداوندی ہر وقت شامل حال رہتا تھا، ادھر ہمارے شیعہ بھائی ہیں کہ اپنے مزعومہ فسادات کی جڑ صرف خلیفۂ ثانی لاثانی کو مقرر کرتے ہیں ۔ جیسا کہ ان کی تصنیفات سے واضح ہے ۔

اب ہم حضرت علی المرتضیٰ کے فتاویٰ تسلیم کریں یا شیعہ مفتریات پر ایمان لائیں ۔ راقم الحروف کے یہاں بہتر بلکہ واجب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی تصدیقات پر یقین کیا جائے اور مفتریات شیعہ کو انہیں کے حوالے کر دیا جائے اور "عطائے تو بلقائے تو" کے مقولہ پر عمل کر لیا جاوے ۔

ارشاد گرامی (۵)

ملاحظہ ہو ۔ نہج البلاغۃ، مطبوعہ مصر، جلد سوم، صفحہ ۲۶۳،

ووليهم وال فاقام واستقام حتى ضرب الدين بجرانه ،

ترجمہ : ۔ اور مسلمانوں پر حاکم ہوا ایک شخص جس نے قائم کیا دین اسلام کو اور خود بھی دین اسلام پر مضبوط رہا تا آنکہ دین اسلام کو آرام حاصل ہوگیا ۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! یہ ارشاد مرتضوی آپ کے ایک طویل خطبے کا حصہ ہے ۔ جو آپ نے اپنی حکومت کے زمانے میں ارشاد فرمایا تھا، آپ نے اس خطبے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت کی مدح عظیم فرمائی ہے ۔ دین اسلام کو اونٹ سے تشبیہ دی ہے ۔ اونٹ جب آرام حاصل کرتا ہے اور سکھ اور چین سے ہمکنار ہوتا ہے ۔ تو اپنی گردن زمین پر ڈال دیتا ہے ۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ حکومت میں دین اسلام اس اونٹ کی مانند تھا جو نہایت آرام کی حالت میں اپنی گردن زمین پر ڈال دیتا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ دین اسلام فاروقی خلافت میں ہر قسم کے حملوں سے دشمنان دین سے محفوظ ہو چکا تھا، امام البلغا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے اس ارشاد نے خلیفۂ ثانی لاثانی کے متعلق سارے مطاعن کی فہرست کو جلا کر خاکستر کر دیا ہے اگر غصب فدک واقع میں ہو تو دین اسلام کو چین کس طرح نصیب ہوا ۔ نیز اگر غصب خلافت تصور کیا جاوے تو دین اسلام کے چین کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں ۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے ارشادات عالیہ جو کتب شیعہ میں موجود ہیں ۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حق میں صفائی کے عینی گواہ ہیں، اور حضرت ابوبکر صدیق نے فدک کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا تھا ۔ آپ کے ارشادات اس کی تصدیقات ہیں، پس اہل اسلام میں سے جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصدیقات پر ایمان نہیں رکھتا وہ آپ کے منکروں کی جماعت کا ممبر ہے، اور جو شخص تصدیقات مرتضویہ پر مکمل یقین اور کامل

ایمان رکھتا ہے وہ آپ کے محبوں کی جماعت کا فرد ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ فقیر پُرتقصیر راقم الحروف نے جس کام کا ارادہ کیا تھا وہ اس کے فضل وکرم سے مکمل ہوا۔ اب اسی کی خدمت میں عاجزانہ درخواست ہے کہ اس ٹوٹی پھوٹی تحریر کو اپنی خاص قبول سے سرفراز کریں۔ اور تمام اہل اسلام کے لئے اس مختصر سی کتاب کو دافع شبہات اور دافع توہمات بنائیں۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سید العالمین شفیع المذنبین وعلی الطیبین وعلی اصحابہ الطاہرین وسلم تسلیماً کثیرا کثیرا کثیراہ

حررہٗ

احمد شاہ عفا اللہ عنہٗ

بتاریخ ہفتم جون ۱۹۵۵ء مطابق

پانزدہم شوال المکرم ۱۳۷۴ھ ہجری،

ضمیمہ جات

میری کتاب "تحقیق فدک" نامی کا جواب ماسٹر منظور حسین صاحب اجنالوی نے "توثیق فدک" کے نام سے لکھا ہے۔ شیعہ مبلغ اعظم مولوی اسماعیل صاحب نے اس کی تقریظ کے ضمن میں اسے اعجاز حسینی قرار دیا ہے۔

(دیکھو توثیق فدک کا پیش لفظ صفحہ ۲)

اس لئے خیال آیا کہ تحقیق فدک کے اس دوسرے ایڈیشن کے ساتھ ضمیمہ جات کا سلسلہ شامل کر دیا جائے تاکہ کتاب ہذا کے پڑھنے والوں پر واضح ہو جائے کہ ماسٹر صاحب کی توثیق فدک کیا ہے ایک بحر جہالت ہے۔ جس کو شیعہ کے مبلغ اعظم گوجرہ کی صداقت آل جہانی کے مدیر "اعجاز حسینی" کا لقب دے رہے ہیں۔ اور واضح ہو گا کہ آپ نے اس فیاضی میں حضرت امام عالی مقام کے نام مبارک کی توہین کی ہے۔ کیا جاہلانہ تحریرات کو اعجاز حسینی کہنے سے اس عاشق قرآن، عاشق رسول، غواص بحر حقائق، عارف اسرار شریعت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی توہین نہیں ہے؟ تعجب ہے کہ شیعہ اہل علم حضرات میں سے کسی فرد نے بھی صدائے احتجاج بلند نہیں کی، اور نہ ہی کسی شیعہ کی رگ غیرت ہی جنبش میں آئی ہے۔ ضمیمہ جات کے اس سلسلے میں تحقیق فدک کے صفحہ کا نمبر دیا جائے گا اور توثیق فدک کے مزعومات کا خلاصہ درج کر کے حق تحقیق ادا کیا جائے گا۔ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبرا

چار سے زائد نکاح کی خصوصیت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ماسٹر صاحب نے قرآن حکیم کی آیت خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ سے استنباط فرمایا ہے۔ حالانکہ سورہ احزاب کی آیت مذکورہ کے ماقبل میں چار سے زائد نکاح پیغمبران کے جواز کا کوئی تذکرہ ہی نہیں۔ بلکہ اس آیت کے ماقبل میں تو اس عورت کا ذکر ہے جو اپنے آپ کو بغیر مہر کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نکاح میں دے دے۔ چنانچہ پوری آیت کے ترجمہ میں سید فرمان علی صاحب شیعی لکھتے ہیں اور ہر ایماندار عورت بھی حلال کر دی اگر وہ اپنے آپ کو بغیر مہر کے نبی کو دے دے۔ اور نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہتے ہوں۔ مگر اے رسول یہ حکم صرف تمہارے واسطے خاص ہے اور مومنین کے لئے نہیں،

(دیکھو حمائل شریف مترجم از سید فرمان علی صفحہ ۶۷۷)

"سر منڈاتے ہی اولے پڑے" مثل مشہور ہے۔ یہ کہاوت ماسٹر منظور حسین صاحب پر خوب پوری ہوئی ہے، تحقیق فدک کے پہلے فقرے کے جواب میں جہالت کے پھول بکھیرے ہیں۔

راقم الحروف مولف "تحقیق فدک" نے جب آپ کی "توثیق فدک" کے آغاز ہی میں جہالت کا کرشمہ دیکھا تو بلاکر زبانی دریافت کیا کہ جناب والا! یہ کیا بات ہے؟ فرمانے لگے میں نے صحیح لکھا ہے۔ اگر غلط ہوتا تو تقریظ کنندگان حضرات ضرور مجھے مطلع کرتے۔ میں نے عرض کیا کہ گھر میں اگر کوئی تفسیر قرآن موجود ہے تو دیکھ لو ــــ چنانچہ آپ نے فرمایا: کہ تفسیر حسینی میرے پاس موجود ہے، اس کا مطالعہ کر کے اطلاع دوں گا۔ دوسرے دن جب غریب خانہ پر تشریف

لائے تو فرمانے لگے۔ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ یہ خصوصیت تو واہبۃ النفس کے بارے میں ہے۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ جب غلطی واضح ہو چکی تو "صداقت، گوجرہ" میں اس غلطی کی اشاعت کر دو۔ تاکہ شیعہ حضرات آپ کی اس تفسیر کو صحیح جان کر گناہ گار نہ ہوتے رہیں۔ جواب میں فرمایا: "یہ کام بہت مشکل ہے۔ ایسا کون کر سکتا ہے"؟

میرے محترم ناظرین کتاب ہذا اسی ایک کارروائی سے تمام کتاب "تحقیق فدک" کے جواب نامی "توثیق فدک" کی علمی دیانت داری اور جہالت کی پردہ داری کو معلوم کر سکتے ہیں۔ یہاں تخصیص کی دلیل کا مطالبہ قرآن سے کیا ہے سُبْحَانَ اللہ! اپنے مذہب کی بھی خبر نہیں۔ باتفاق شیعہ و سُنی اصولیین اور فقہائے عظام حدیث صحیح اور حدیث مشہور تخصیص کی دلیل بن سکتی ہے۔

(دیکھو "تحقیق فدک" صفحہ ۴۴ تا صفحہ ۴۶)

خصوصیات نبویہ کے اثبات کے واسطے نصوص قرآنیہ کا التزام اس دنیا میں کسی عالم نے نہیں کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو سوال فدک کے جواب میں ایک حدیث پیش کی تھی۔ جس کے مشہور ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے اس حدیث کی تکذیب نہیں فرمائی۔ وہ دلیل خصوصیت ہی تو تھی۔ خدا جانے آپ کو کیوں نظر نہیں آئی۔ کہیں ایسا نہ ہو، کہ بصیرت کے ساتھ بصارت بھی رخصت ہو گئی ہو، اور سیدہ نساء عالمین رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا سوال لاعلمی کی وجہ سے نہ تھا۔ یہ آپ کی لاعلمی ہے۔ بلکہ آں جناب کا سوال صرف لوگوں کو یہ مسئلہ بتلانے کے لئے تھا۔ جیسا کہ میں نے تحقیق فدک کے صفحہ ۶۶ تا ۷۱ پر اس چیز کو خوب وضاحت سے لکھ دیا ہے۔

ماسٹر بے چارے نے میری کتاب "تحقیق فدک" پڑھی ہے نہ سمجھی ہے۔

یوں ہی جواب لکھنے کے شوق میں بدمست ہو گئے ہیں۔ اور گوجرہ کے اسماعیل کو "اعجاز حسینی" نظر آگیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث خصوصیت سماع فرما کر سیدۂ نساء عالم نے از راہ رضامندی خاموشی اختیار کی تھی۔ بھلا یہ ممکن بھی ہے کہ حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سن کر آپ خفا ہو جائیں؟ اس حقیقت کو میں نے "تحقیق فدک" کے صفحہ ۶۸ تا ۷۱ پر واضح کیا ہے۔ جس حدیث سے راقم آثم نے تخصیص کا استنباط کیا ہے۔ وہ اصول کافی کے صفحہ ۸ پر درج ہے۔ یہ فرمودات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہے۔ اور اس کے راوی حضرت امام جعفر صادق فرزند امام محمد باقر رضی اللہ عنہما ہیں۔ یہ نکتہ ماسٹر صاحب کے دربار عالیہ میں کون پیش کرے کہ راوی حدیث کے عالم حدیث بھی ہوتے ہیں۔ جانے بغیر روایت کرنا صرف اور صرف ماسٹر صاحب ہی کا کام ہے۔

آپ سے کس نے کہہ دیا کہ سنی اہل علم حضرت سیدنا ابو بکر صدیق کی روایت کو دلیل تخصیص بناتے ہیں؟ یہ غریب تو اصول کافی کی مذکورہ بالا حدیث رسول کو دلیل تخصیص بنا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق فدک کی سلیس اردو بھی ماسٹر صاحب کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ کتاب تحقیق فدک میں دلیل تخصیص کہیں بھی صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت کو نہیں بنایا گیا۔ جب ہمارا خطاب رافضہ سے ہے تو استدلال میں صدیقی روایت کو کیونکر پیش کر سکتے ہیں؟۔ اس قاعدے کو ہمیشہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔ اسی قاعدہ سے غافل ہونے کے سبب سے امام زہری کے تشیع کے اظہار پر ایک ہنگامہ برپا کر دیا گیا تھا۔ قیامت تو بہت دور ہے۔ راقم حروف نے اس مسئلہ کے بارے اہل بیت کے علم کو ثابت کر دیا ہے۔

(دیکھو تحقیق فدک، باب اوّل نیز دیکھو تحقیق فدک صفحہ ۶۲ تا ۶۷)

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۴۱

پہلی دلیل تخصیص ایسی حدیث ہے جس کو اہل بیت کے افراد کرام جانتے پہچانتے ہیں۔ اور چونکہ اس حدیث کے راویوں میں وہب بن وہب ابو البختری کا نام و نشان نہیں ہے۔ اس لئے اس کے ضعیف ہونے کا خیال خام خیالی ہے اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اگر علمائے اہل سنت حدیث رسول کے معانی سمجھنے سے قاصر ہوتے تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالےٰ وجہہ سواد اعظم کی تابعداری کا حکم ہرگز نہ دیتے۔ اور سواد اعظم کے اتباع کا علوی ارشاد نہج البلاغۃ جلد دوم، مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱ پر موجود ہے۔ فرمایا

وَالْزَمُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّ يَدَ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ.

اور بڑی بھاری جماعت کا دامن پکڑو۔ اس لئے کہ اس جماعت پر خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ دامن پکڑنے کا مطلب تابعداری کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟ اگرچہ شیعہ علما نے توثیق فدک پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ مگر بے چارے ماسٹر صاحب کو تخصیص کے مفہوم سے واقف نہیں کیا۔ اور راقم الحروف نے تحقیق فدک صفحہ ۴۴ پر جو تخصیص کا مفہوم اور مصداق بیان کیا ہے۔ وہ آپ کی سمجھ شریف میں نہیں آیا۔ اور یا یوں ہے کہ میری کتاب کا مطالعہ کئے بغیر تردید لکھنے بیٹھ گئے ہیں۔

توثیق فدک صفحہ ۲۷ پر ایک سوال کے نیچے تحقیق فدک کے ص۱۶ سے ایک عبارت جناب ماسٹر صاحب نے نقل کی ہے جو باوجود تلاش کے دستیاب نہیں ہوئی ہے خدا جانے ماسٹر صاحب نے یہ عبارت تحقیق فدک کے کون سے صفحہ سے نقل کی ہے معلوم ہوتا ہے اپنی طرف سے ایک عبارت تیار کر کے تحقیق فدک کے دامن سے

باندھ ڈالی ہے۔

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اس بہتان تراشی کے بعد بلافصل صاحب تحقیق فدک کے ذمہ ایک بہتان تراشی لگائی ہے کہتے ہیں مصنف صاحب فلک النجات نے ہرگز حدیث مذکورہ کو موضوع نہیں لکھا۔ یہ سراسر حضرت شاہ صاحب کی بہتان تراشی ہے۔ ایسا سفید جھوٹ لکھتے وقت خدا جانے جناب والا کو اپنی عدالت کا خیال کیوں نہیں رہا؟

(دیکھو توثیق فدک صفحہ ۲۸)

راقم الحروف صرف اس قدر گزارش کرتا ہے کہ مہربانی کر کے فلک نجات طبع اول، جلد اول صفحہ ۲۹۷ سطر ۴ دیکھ لیں۔ اگر وہاں سے اس حدیث کے موضوع ہونے کا خیال صاف طور پر درخشاں نظر آجائے تو اپنی کج فہمی کا یقین فرمالیں۔ اور اگر صفحہ مذکورہ پر یہ چیز نظر نہ آئے۔ تو میری ملاقات کے لئے کوئی وقت فارغ کریں۔ بفضلہ تعالےٰ اطمینان قلبی حاصل ہو جائے گا اور بہتان تراشی کے نسبت راقم آثم کی جانب کرنے سے تائب ہو جائیں گے کتاب کافی کی ساری حدیثوں کو میں نے کب صحیح کہا؟ اگر میں ان احادیث کو صحیح جانتا تو کافی مدت سے شیعہ ہو چکا ہوتا۔ بلکہ میں نے تو شیعہ علمائے عظام میں سے چار بڑے مجتہدین کی شہادت نقل کی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ کافی کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ اسی طرح من لایحضرہ الفقیہ کے شارح محقق کی عبارت کا خلاصہ درج کیا ہے۔ دیکھو تحقیق فدک ص۔ اور ماسٹر صاحب ہیں کہ اپنی کتاب توثیق فدک کے ص ۲۹ پر ایک سوال کے عنوان سے میرے ذمے لگا رہے ہیں کہ تحقیق فدک کا مصنف یوں کہتا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

میں نے اصول کافی سے متعلق جو کچھ بھی لکھا ہے وہ رافضی نظریات اور شیعہ تصورات کی روشنی میں لکھا ہے۔ اس لئے میری جانب سے بارہویں امام پر اعتراض کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بارہویں امام پر جو اعتراض بھی وارد ہوگا۔ وہ شیعہ تخیلات کی بنا پر ہی ہوگا۔ باقی رہا حدیث میراث کے معنی کا سوال تو میں نے تحقیق فدک صفحہ ۱۴ تا ۱۷ پر تمہارے اور تمہارے استاذ علی محمد اور حکیم امیرالدین کے تجویز کردہ معنی کی خوب خبر لی ہے۔ مجھے امید نہیں کہ آپ اس مقام کو سمجھے ہوں۔ اگر آپ نے تحقیق فدک کا یہ مقام سمجھ لیا ہوتا تو میری محنت اور کاوش کا نام نزاع اجتہادی ہرگز نہ رکھا ہوتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث میراث مرویہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالےٰ عنہ شیعہ نظریات کی رو سے صحیح ہے۔ اور اس کے معنی بھی وہی ہیں جو راقم الحروف نے لکھے ہیں۔ اور یہی معنی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے دل میں موجود تھے۔ اگر اس حدیث کے وہ معنی ہوتے جو علی محمد اور حکیم امیرالدین اور ماسٹر منظور حسین صاحبان کے اذہان سافلہ میں جاگزیں ہیں۔ اور یہی معنی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ذہن مبارک میں ہوتے تو اراضی فدک ضرور بضرور وارثان فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر لوٹا دیتے۔ اور جب ثابت ہو چکا کہ صاحب فلک کے مزعومہ معانی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذہن میں نہیں تھے۔ تو از خود ثابت ہو جائے گا۔ کہ باقی گیارہ بزرگ بھی اس اختراعی معنی سے خالی الذہن تھے۔ جیسا کہ "توثیق فدک" صفحہ ۳۰، سطر ۶ پر ماسٹر صاحب نے بقلم خود تحریر فرمایا ہے۔

" ان حضرات معصومین کی یہی تو خاصیت ہے جو چیز پہلے نے فرمائی درمیانی اور آخری نے اس کی تصدیق فرمادی "

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۱۲

صاحب فلک نے حدیث خصوصیت کے معنی اپنی کتاب میں لکھے ہیں۔ یہاں جواب الجواب میں دلائل عقلیہ اور شواہد نقلیہ کے زور سے ہم نے باطل کر دیئے ہیں۔ صفحہ ۱۵ تا ۲۰ مطالعہ کرنے کے بعد کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی یہی وجہ ہے کہ جناب صاحب توثیق رفیق یہاں شیعہ علمائے عظام کی بحر العلوی اور تقدس مآبی کے تذکرہ کے سوا کچھ لکھنے پر قادر نہیں ہو سکے۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۱۷

یہاں ماسٹر صاحب نے راقم تحقیق فدک کو ظاہر قرآن کا منکر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، مگر گزارش ہے کہ اگر عموم آیات قرآنیہ کی تخصیص بذریعہ حدیث نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم انکار قرآن ہے تو اس سے آپ کے مذہب کے مصنف بھی نہیں بچ سکتے۔ کیا آپ کے فقیہان عظام نے اپنی کتب فقہ میں نہیں لکھا؟ کہ کوئی بیوی اپنے خاوند کی غیر منقولہ جائداد کی وارث نہیں ہو سکتی۔ پس قرآن حکیم میں خدا تعالیٰ نے جو فرمایا وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے مردو! اگر تمہارے کوئی اولاد نہ ہو تو تمہاری بیویوں کے لئے تمہارے تمام متروکہ سے ایک چوتھائی ملے گی۔ اور اگر تمہارے کوئی اولاد ہو تو تمہارے تمام متروکات میں سے انہیں آٹھواں حصہ ملے گا۔ اس آیت میں غور کرو کیا یہاں منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کا کوئی بیان ہوا ہے؟ ہرگز نہیں شیعہ

مجتہدین نے احادیث آئمہ کرام کے ذریعہ اس آیت کے عموم کو خصوص سے بدل دیا یہ چیز شیعہ مذہب کے مسلمات میں سے ہے۔ مگر کیا کیا جائے جناب ماسٹر صاحب شیعہ مذہب کی ابجد سے بھی واقف معلوم نہیں ہوتے۔ اور گوجرہ کے اسماعیل صاحب ہیں کہ ان کی تحریرات میں اعجاز حسینی کا تماشا کر رہے ہیں۔

وزیرے چنیں شہر یارے چناں
جہاں چوں نگیرد قرارے چناں

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۱۹

تقیہ جان کے بچاؤ کے لئے ہوتا ہے۔ اور کتمان حق میں یہ شرط نہیں ہوتی اسی فرق کے بنا پر مولوی کلینی نے کتاب اصول کافی میں کتمان حق اور تقیہ کے باب الگ الگ قائم کئے ہیں۔ یہاں ماسٹر منظور حسین صاحب بری طرح کم فہمی کے شکار ہوئے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ کتمان حق، یعنی تقیہ دیکھو ان کی کتاب صفحہ ۲۴ جناب ماسٹر صاحب اجنالوی نے اپنی کتاب کے صفحۂ مذکورہ پر قرآن حکیم سے وہی پانچ آیات نقل کر دی ہیں۔ جو فلک نجات کے صفحہ ۴ پر درج ہیں۔ اور جن کے جوابات تحقیق فدک صفحہ ۱۷ پر نیز صفحہ ۴۲ تا صفحہ ۵۹ پر نہایت مفصل اور مدلل لکھے جا چکے ہیں۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۲۰

یہاں کتمان حق کے بارے جو احادیث آئمہ کرام اصول کافی سے نقل کی گئی ہیں۔ ان سے استنباط کیا گیا ہے کہ شیعہ علمائے عظام کے یہاں جو بات آئمہ کرام کی نسبت مشہور ہوگی وہ باطل ہوگی۔ اور جو بات بہ نسبت آئمہ کرام غیر مشہور ہوگی وہ حق و صداقت سے پُر ہوگی۔ ہمارے اس استنباط اور اجتہاد پر تو ماسٹر صاحب نے کوئی اعتراض نہیں کیا، اور نہ ہی ان کی طاقت ہے کہ اس پر کوئی اعتراض کر سکیں۔ ہاں کتمان حق کے اپنے اصول کو مدلل اور مبرہن کرنے کے درپے ہو گئے ہیں۔ سوال گندم جواب چیناں یہی تو ہے۔ آپ یوں سمجھ رہے ہیں کہ تحقیق فدک میں شیعہ کے اصول کتمان حق کی تردید ہو رہی ہے اس لئے آپ اس کے اثبات پر اصرار کرنے لگ گئے ہیں۔ حالانکہ تحقیق فدک کی کسی عبارت سے یہ چیز ثابت نہیں ہو رہی اشارۃً نہ کنایۃً، ان کی ناسمجھی اور کج فہمی کا رونا کب تک رویا جائے گا۔ نہ تو تقیہ اور کتمان حق کے فرق کو سمجھ سکے اور نہ ہی کتمان حق کے اصول سے جو کچھ استنباط کیا گیا ہے اس کی طرف متوجہ ہو سکے اور شیعہ کے مبلغ اعظم ہیں کہ ایسی تحریرات میں اعجاز حسینی کا نظارہ فرما رہے ہیں۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۲۶

پہلے میں لکھ آیا ہوں کہ تحقیق فدک میں خطاب اہل تشیع سے ہے۔ اس لئے ان کے مسلمات سے گفتگو کی جائے گی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے "تحفۂ اثنائے عشریہ" کے آغاز میں کیا خوب لکھا ہے کہ فرقہ شیعہ سے اس وقت تک گفتگو کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی، جب تک کہ ان کی مسلم کتابوں

سے نہ ہو۔ روایت صدیق اور روایت صادق دونوں ایک ہی مضمون بیان کر رہی ہیں۔ اس لئے میں نے بجائے روایت صدیق کے روایت صادق کو تخصیص آیت میراث کے سلسلے میں ذکر کر دیا۔ اس موقعہ پر بے چارے ماسٹر منظور صاحب بہت پریشان ہوئے ہیں۔ اور بار بار کہتے ہیں کہ تمہارا احادیث آئمہ معصومین سے کیا واسطہ؟

ابھی تک ان غریبوں کو اس بات کی بھی خبر نہیں کہ سنی لوگ آل و اصحاب دونوں کے اقوال اور اعمال کو حجت اور واجب التقلید جانتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ شیعہ کتب میں جو روایات آئمہ کرام و اہل بیت عظام کی جانب نسبت کر دی گئی ہیں وہ نسبت صحیح نہیں ہے اس لئے غور کرتے اور تفتیش کرتے ہیں کتب شیعہ میں جو آئمہ کرام کی حدیث ایسی ہو جس کی نسبت میں کوئی شبہ نہ ہو اس حدیث کو بسر و چشم قبول کرتے ہیں۔ اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیث میراث بھی اسی قبیلہ سے ہے۔ پس ہم کون ہوتے ہیں۔ کہ اس حدیث کو صحیح تسلیم نہ کریں! پس تعجب کی بات تو یہ ہو گی کہ شیعہ حضرات حضرت امام جعفر صادق کی حدیث میراث سے کنی کترا کر دور بھاگ جائیں۔ معلوم ہو گیا کہ صاحب فلک نجات بھی دل سے احادیث آئمہ کرام کو نہیں مانتا۔ ورنہ اس حدیث کے ہوتے ہوئے اس کی کیا مجال تھی کہ روایت صدیق بابت میراث پر اعتراض کرتا اور اس کو تخصیص کی قابلیت سے محروم کرتا۔

(دیکھو فلک نجات جلد اول، طبع اول صفحہ ۱۰۴، سطر ۱۲)

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۳۳ و ۳۴

اس موقعہ پر جو تقریر میں نے درج کی ہے وہ بر سبیل تنزل ہے۔ مراد میری یہ ہے کہ اگر عدم علم حدیث میراث تسلیم کر لیا جائے تو وجہ فرق یہ ہے کہ قاضی کو جس قدر اس حدیث کی ضرورت ہے دوسرے لوگوں کو اس مقدار میں ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر آپ اس مسئلہ میں میری تحقیق دیکھنا چاہتے ہیں تو میری کتاب تحقیق فدک صفحہ ۶۶، ۶۷، ۶۸ سے ملاحظہ کریں۔ جہاں میں نے دلائل اور براہین سے ثابت کیا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حدیث میراث کو جانتی تھیں۔ سوال فدک کی مدار لاعلمی حدیث میراث نہیں تھی، بلکہ سوال فدک تشہیر مسئلہ کے لئے کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس بار ضمیمہ میں اس کے شواہد اور نظائر پیش کئے جاویں گے۔

اس موقعہ پر منظور حسین صاحب اجنالوی نے اپنی توثیق رقیق میں ایک ایسی فریب کاری فرمائی ہے جس کی نظیر دنیائے اسلام میں ملنا سخت مشکل ہے اور اگر یہ کارروائی عمداً اور قصداً نہیں کی تو پھر جہالت کی بھی حد ہوگئی۔ تفسیر کبیر امام فخرالدین رازی سے ایک عبارت نقل کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میراث کی ضرورت علی اور فاطمہ اور عباس رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کو تھی۔ ابوبکر کو اس مسئلہ کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ صاحب ضرورت کو تو حسب ضرورت مسئلہ نہ بتلایا جاوے اور بتلایا جائے تو اس شخص کو جو ذرہ بھر ضرورت مند نہیں ہے۔ اور جناب ماسٹر منظور حسین صاحب نے عوام اور خواص کو یقین دلایا ہے کہ امام فخرالدین رازی کا یہ فیصلہ ہے اس فیصلہ نے تحقیق فدک کے مندرجات پر پانی پھیر دیا ہے۔

راقم الحروف احمد شاہ بخاری صاحبان انصاف کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ امام فخرالدین رازیؒ کی تفسیر کبیر کوئی نایاب کتاب نہیں ہے اس وقت تفسیر مذکور

میرے سامنے کھلی ہوئی موجود ہے۔ اس کے صفحہ ۱۵۷ جلد سوم پر تحت آیت یوصیکم اللہ۔ . . . . . آپ لکھتے ہیں، کہ اس آیت کی تخصیصات میں سے ایک تخصیص وہ بھی ہے جو اکثر مجتہدین کا مذہب ہے کہ پیغمبران علیہم السلام موروث نہیں ہوتے یعنی ان کی دنیاوی میراث کوئی نہیں ہوتی۔ اس تخصیص میں صرف شیعہ نے مخالفت کی ہے۔ اس کے بعد حضرت امام المفسرین فخرالدین رازیؒ نے شیعہ علماء کی تقریر اس مسئلہ میں نقل کی ہے۔ جس کا ایک ٹکڑا لے کر جناب ماسٹر صاحب نے تحقیق فدک کی تحقیقات پر بزعم خویش پانی پھیر دیا ہے۔ شیعہ علمائے عظام کی تقریر نوٹ کرنے کے بعد امام فخرالدین رازیؒ نے اپنی طرف سے اس کی نہایت تسلی بخش تردید کی ہے۔ اب کوئی صاحب انصاف ماسٹر صاحب سے پوچھے کہ آیا امام فخرالدین رازیؒ کا یہ فیصلہ ہے؟ تو اپنے فیصلہ کی خود ہی تردید میں کیوں مصروف ہو گئے اور اگر یہ شیعہ علمائے عظام کا فیصلہ ہے تو تحقیق فدک کی تحقیقات پر کیا اثرانداز ہو سکتا ہے!

کوئی اسماعیل گوجرہ سے دریافت کرے کہ یہی اعجاز حسینی ہے جو آپ نے توثیق رقیق میں دیکھا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مکائد شیعہ کی کوئی انتہا نہیں۔ اگرچہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے اپنے تحفہ میں ان کے مکائد کا شمار کیا ہے مگر یہ مکر و فریب ان مکائد میں سے ہے جو آپ نے تحفہ میں درج نہیں کئے۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۳۰

کسی حدیث کا متواتر ہونا اور چیز ہے اور صحیح ہونا دوسری چیز ہے اس موقعہ پر ماسٹر صاحب ان دونوں چیزوں میں فرق معلوم نہیں کر سکے اور شور مچایا ہے کہ

تو صاحب تحقیق فدک نے بخاری اور مسلم کی حدیثوں کو غیر صحیح کہہ دیا، خدا کے بندے! تیرے مرشد امیر الدین جھنگوی نے لکھا کہ حدیث غضب اہل سنت کے یہاں متواتر ہے۔ اور یہ بہتان عظیم تھا۔ اس لئے میں نے تحقیق فدک میں لکھا کہ روایت غضب متواتر نہیں بلکہ خبر واحد ہے؟ کیونکہ اس کا راوی ایک درجہ میں صرف ایک ہے اور وہ ابن شہاب زہری ہے۔ اگر ماسٹر صاحب میرے اس دعویٰ کی تردید کرنے کا شوق رکھتے تھے تو ان کا فرض تھا کہ ابن شہاب زہری کے علاوہ ہماری صحاح ستہ میں سے کسی دوسرے راوی کا نام پیش کرتے جو کام ان کے کرنے کا تھا اس پر تو قدرت نہ تھی۔ اور نہ آئندہ ہوگی۔ بس یوں ہی ناسمجھی سے تواتر کے انکار کو صحت کا انکار قرار دے دیا۔ اور تین چار صفحات سیاہ کر ڈالے۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۳۲

یہاں پہنچکر جناب ماسٹر منظور صاحب اجنالوی نے لفظ تعارض پر بڑے غضب کا اظہار کیا ہے۔ اور اس کو صاحب تحقیق فدک کی سینہ زوری قرار دیا ہے وغیرہ وغیرہ، اگر آپ تھوڑی تکلیف برداشت کر کے اپنے مرشد حکیم امیر الدین صاحب کی کتاب فلک نجات کو دیکھ لیتے تو سارے کا سارا غصہ اور تمام جوش غضب ٹھنڈا ہو جاتا۔ کیونکہ فلک نجات کے صفحہ ۴۳۹ پر جو کارروائی موجود ہے اس کو تعارض کے علاوہ کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ صفحہ مذکورہ پر پانچ جواب لکھے ہیں۔ یہ پانچوں جوابات ببانگ دہل اعلان کر رہے ہیں۔ کہ ہم تعارض کے جوابات ہیں۔ پس عجیب بات یہ ہے کہ رضامندی اور ناراضگی کی روایات میں تعارض ڈھونڈ کر کے جواب کی کوشش تو کی [illegible] حکیم امیر الدین، مرشد منظور حسین [illegible]

اور آپ کا تمام نزلہ گر رہا ہے۔ غریب خادم اہل بیت مؤلف تحقیق فدک پر سچ ہے نزلہ بر اندام ضعیف می ریزد، اور یوں کہنا کہ اصول کافی کی حدیث مندرجہ صفحہ ۷ میراث کی نفی کرتی ہے۔ اور من لایحضرہ الفقیہ کی حدیث میراث سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا میراث کو ثابت کرتی ہے۔

پس ان میں تعارض قائم ہو گیا۔ اور اندریں حالات مثبت کو نافی پر ترجیح ہوتی ہے۔ لہذا حدیث مندرجہ اصول کافی واجب الترک ہے۔ خود فریبی ہوگی یا ابلہ فریبی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ من لایحضرہ الفقیہ کی حدیث میراث فاطمہ قرآن کی صریح آیات کے مخالف ہے۔ تو وہ بالکل باطل ہو گئی۔ اب مثبت کو نافی پر ترجیح دینے اور مقدم کرنے کا قصہ ہی فضول ہے۔ روایت اور درایت کے لحاظ سے اگر دونوں روایتیں صحیح ہوتیں تو ترجیح کا مذکورہ قاعدہ کارآمد ہو سکتا تھا۔ ماسٹر صاحب اتنا بھی نہیں جانتے کہ اس قاعدے کو کہاں کہاں استعمال کیا جا سکتا ہے؟

سچ ہے جیسی روح ویسے فرشتے،

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۳۴ تا ۳۶

یہاں محمد بن حنفیہؓ نے اپنے دونوں بھائیوں حسنین کریمین سے علمی میراث کا جو مطالبہ کیا تھا تو اس کے جواب میں بروایت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحیفہ دیا گیا تھا۔ جس میں آئندہ سیاسی انقلابات مذکور تھے۔ امام جعفر صادقؓ فرماتے ہیں۔ کہ محمد ابن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو عجیب عجیب علوم ظاہر ہوتے تھے وہ اسی صحیفہ کا فیض ہوتا تھا۔ یہ تمام تفصیل، حدیدی جزو ہفتم صفحہ ۳۹۳ پر دیکھی جا سکتی ہے۔

یہاں بھی ماسٹر منظور حسین صاحب اجنالوی اپنی بے نظیر تحریر توثیق رقیق میں کج فہمی کا بری طرح شکار ہوئے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث از روئے درایت سخت کمزور ہے۔ لائق حجت نہیں ہو سکتی، کیونکہ علمی میراث قابل تقسیم نہیں ہے۔ مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ محمد ابن حنفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے صحائف علویہ کا مطالبہ کیا تھا۔ اور کون نہیں جانتا کہ کتابیں تقسیم ہوتی رہتی ہیں۔ ایک شخص کی علمی کتابیں اس کی اولاد میں تقسیم ہوتی رہتی ہیں۔ یہ کتابوں کی تقسیم علم ہی کی تقسیم تو ہے۔ راقم الحروف نے جو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے فرزندوں کے مکالمہ سے لفظ وراثت کے مال اور علم اور حکومت میں مشترک لفظی ہونے کا استنباط کیا ہے۔ اس پر بھی جناب ماسٹر صاحب چیں بجبیں نظر آتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے حسنین شریفین کی تائید کافی ہے ان کے مقابلہ میں محمد ابن حنفیہ کے کمالات کچھ نہیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ امامین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے لفظ وراثت سے مال کی وراثت مراد لی ہے۔ اس لئے ہر جگہ وراثت سے مراد مال کی میراث ہوگی۔ اور محمد بن حنفیہؓ نے لفظ وراثت سے جو علم کی وراثت مراد لی ہے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں کیونکہ آپ اگرچہ روحانی کمالات کے بدرجۂ اتم مالک ہیں۔ مگر حسنین کریمین کے کمالات کو نہیں پہنچ سکتے۔

ناظرین کرام! غور کا مقام ہے کہ ایک عربی لفظ کے معنی دریافت کرنے میں روحانی کمالات کا کیا دخل ہو سکتا ہے؟ اس کے واسطے تو اہل زبان ہونا کافی ہے۔ مذہب کو بھی اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں ہے۔ کیا عربی الفاظ اور تراکیب کے مفہوم معین کرنے میں جاہلیت کے شاعروں کا کلام استعمال نہیں کیا جاتا جن کا اسلام بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔

دوسری عرض یہ بھی ہے کہ جو معنی قرینے کا محتاج ہو وہ حقیقی معنی ہرگز نہیں کہلا سکتا۔ مجازی معنی ہمیشہ قرینہ کے محتاج ہوا کرتے ہیں۔ اس بات کو علمائے معانی نے اپنی کتابوں میں ہزار دفعہ لکھا ہے۔

جناب ماسٹر صاحب نے جو مثال یہاں ذکر کی ہے۔ وہ عجیب تر ہے۔ اتنا بھی نہیں سمجھے کہ لفظ عالم کا معنے تینوں مقاموں میں ایک ہی ہے جاننے والا ہاں مفعول بہ مذکور نہیں ہے۔ اس لئے اس کی تعیین حسب موقعہ ہوگی۔ یہاں حقیقت اور مجاز کا کوئی قصہ ہی نہیں۔ یہ زمانہ بھی دیکھا جس میں حقیقت و مجاز کے معنی سے جاہل حضرات صاحب تصنیفات بن گئے۔

یہاں بھی حسب عادت ایک عظیم فریب کاری کو ماسٹر صاحب نے استعمال فرمایا ہے۔ دیکھو توثیق فدک صفحہ ۵۸، فتاوئے عزیزی کے ترجمہ سرور عزیزی، جلد اول صفحہ ۳۳۹ سے ایک عبارت نقل کی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ وقف کیا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف نے اس موضع کو جس کی مدین معلوم ہیں۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام کے لئے اور ایسا وقف کیا کہ حضرت فاطمہ کے سوا دوسرے کے لئے وہ موضع حرام کر دیا گیا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کے لئے یہ وقف ہمیشہ کے لئے کر دیا۔ اور یہ شرط فرما دی کہ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد یہ موضع ان کی ذریات کے لئے وقف رہیگا تو جو شخص یہ سن کر وقف کو تبدیل کر دے تو اس کا گناہ تبدیل کرنے والوں پر ہے تحقیق ہے کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

ناظرین کرام! سرور عزیزی میرے سامنے کھلی ہوئی ہے۔ بے شک اس کے صفحہ ۳۳۹ پر عربی عبارت بمعہ ترجمہ مذکور درج ہے مگر صفحہ ۳۳۸ تا ابتدائے صفحہ ۳۴۰ سوال مذکور ہے، جو کسی شیعہ نے حضرات خاتم المحدثین دہلوی کی خدمت

میں بھیجا ہے۔ چنانچہ اس سوال کے جواب کو سرورِ عزیزی کے صفحہ ۲۴۰ سے لیکر صفحہ ۲۴۶ تک تحریر فرمایا ہے۔ پس عبارت وقف نامہ شیعہ سائل کے سوال میں درج ہے۔ اس کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی طرف منسوب کرنا اور پھر ہمارے سامنے بطور احتجاج اور الزام پیش کرنا فریب کاری میں اپنی نظیر آپ نہیں تو اور کیا ہے؟ اور یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ شیعہ معترض نے یہ عبارت معارج النبوت سے نقل کی ہے۔ حالانکہ معارج النبوت میں اس وقف نامے کا نام و نشان نہیں ہے۔ اگر توثیق فدک کے مؤلف میں جرأت ہے تو . . .
. . . معارج النبوت سے نکال کر دکھلادیں۔ یہ کتاب کوئی نایاب نہیں ہے۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۳۶

یہاں جو حدیث حدیدی شرح نہج البلاغة سے پیش کی گئی ہے وہ شیعہ کی مشہور اور معروف کتاب دلائل الامامت کے صفحہ ۳ پر بھی موجود ہے۔ مگر باوجود اس کے ماسٹر منظور حسین صاحب اجنالوی ابن ابی الحدید کے تشیع کی نفی میں مصروف ہیں۔ ہماری اس دلیل چہارم کے جواب کے لئے صرف ابن ابی الحدید کے مذہب کی تحقیق کفایت نہ کرے گی۔ بلکہ دلائل الامامت کو بھی اہل سنت کی تصنیفات ثابت کرنا ہوگا۔

اس حدیث میں ماسٹر منظور حسین صاحب نے تسلیم کرلیا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالے عنہا نے وراثت سے مراد وراثت مال کی نہیں لی۔ بلکہ اخلاق کی وراثت مراد لی ہے۔ حالانکہ اپنی کتاب کے صفحہ ۵۵ پر
[illegible]

معنی مجازی ہیں۔ کیا خوب کہہ گئے ہیں کہنے والے:

"دروغ گورا حافظہ نباشد"

مطالبۂ فدک کی تحقیق میری کتاب کے صفحہ ۶۸ و ۶۹ پر آرہی ہے۔ وہاں سے واضح ہوگا کہ مطالبہ لاعلمی پر مبنی نہ تھا۔ بلکہ غرض تشہیر مسئلہ تھی۔

ضمیمۂ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۳۹

کون کہتا ہے کہ اہل بیت کا مذہب وہ ہے جو اصول کافی اور من لایحضرہ اور "استبصار" اور "تہذیب الاحکام" میں مرقوم ہے؟ یہ تو ابو بصیر مرادی اور زرارہ صاحبان کی تصنیف شدہ روایات ہیں۔ جن پر ائمہ کرام اہل بیت عظام نے بار بار لعنت کی ہے۔ (دیکھو رجال کشی، مطبوعہ بمبئی)

سُبحَانَ اللہ! من لایحضرہ الفقیہ میں مندرجہ حدیث امام محمد باقر رضی اللہ عنہ تو قرآن کی مفسر اور مبین ہو سکتی ہے۔ مگر اصول کافی کی حدیث امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یُوصِیکُمُ اللہ کی تفسیر اور تخصیص نہیں کرسکتی۔ کیا شیعہ مذہب کے مجتہدین عظام نے کہیں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اصول کافی کی احادیث لائق تخصیص نہیں اور من لایحضرہ الفقیہ کی احادیث قابل تخصیص ہیں۔ بلینوا توجروا یہ بھی عجیب بات ہے کہ من لایحضرہ الفقیہ کی روایت کو مخالفت صراحت قرآن ہونے کی وجہ سے ہم نے حسب قاعدہ شیعہ باطل قرار دیا ہے۔ اور جناب منظور حسین صاحب ہیں کہ اس حدیث سے آیت سورہ نساء وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ . . . . کی تخصیص کا راگ الاپ رہے ہیں۔

"[illegible]"

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۴

ہماری چھٹی عقلی دلیل کی تردید تو آپ کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لئے بجائے اس دلیل کے جوابات لکھنے کے ہماری عقل پر مرثیہ خوانی شروع کر دی۔ کافی سے زیادہ مرثیہ خوانی کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزندانِ نرینہ آپ کی وفات کے بعد زندہ رہتے تو وہ کھاتے پیتے کہاں سے ؟ معلوم ہوتا ہے کہ جناب ماسٹر صاحب خداوند تبارک وتعالیٰ کی رزاقی کے معتقد نہیں۔ کیا قرآن میں وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ موجود نہیں ہے ؟ کیا اس دنیا میں میراث کے علاوہ خدا تعالیٰ نے کوئی ذریعہ معاش نہیں بنایا! پیغمبر تو عام انسانوں سے خاص ہیں۔ ان کی تو بات ہی اور ہے۔ عامۃ الناس کو لے لیجئے۔ کیا جو مسلمان تنگدستی اور فاقہ مستی کے عالم میں مرجائے۔ اس کی اولاد بھوکوں مرجاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رزاقی کے نمونے شمار سے باہر ہیں۔ مولوی سعدی مرحوم نے بوستاں میں کیا خوب لکھا ہے۔

بحکمت جو بر کس بہ بند در ے،
کشاید بفضل و کرم دیگر ے،

ابھی تک جناب ماسٹر صاحب کو اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ کے معنی ہی نہیں آئے۔ قرآن کی آیات کے معانی تو بعد کی بات ہے۔ آپ نے اس گھڑی تک کسی استاد سے قرآنِ حکیم کی عبارت بھی صحیح نہیں کی۔ حسب زعم شیعہ کے مبلغ اعظم "اعجاز حسینی" تو جب مستحق ہوتا کہ آپ بغیر استاد کے قرآن حکیم کی عبارت اور معانی کے حافظ ہو جاتے۔ اچھا کوئی بات نہیں [illegible]

کرلیں۔ تاکہ ہماری دلیل ششم پڑھنے کے بعد آپ کو جو وسوسے عارض ہوئے ہیں۔ ان سے گلوخلاصی ہو جائے۔ واقعی آپ سے پہلے شیعہ وسُنی حضرات میں کوئی بھی ایسا نہیں ہوا جس نے کہا ہو کہ پیغمبران علیہم السلام کے پاس دنیاوی مال کا نہ ہونا موجب نفرت ہوتا ہے۔ اس لئے ان حضرات کا دولت مند ہونا لازمی امر ہے۔ اس لئے آپ کے عنوان "انکشاف حقیقت" کی میں بھی داد دیتا ہوں لیکن ساتھ ہی عرض گزار ہوں کہ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے اور اس میں سلسلہ انبیائے کرام علیہم السلام جاری ہوا ہے کوئی ایک متنفس بھی ایسا دکھایا نہیں جا سکتا جو پیغمبر کی دولت مندی دیکھ کر اس کی طرف راغب ہوا ہو۔ حضرت عبداللہ بن سلام عالم یہود نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک چہرہ دیکھا تو بے ساختہ کہنے لگا۔ کہ جھوٹے لوگوں کے چہرے ایسے نہیں ہوا کرتے اور اسلام کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو گیا۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۴۳

شیعی دلائل کے جواب میں ہم نے التزام کیا ہے کہ ان کے مسلمات سے لکھا جائے۔ اسی واسطے آپ کو تینوں آیات کی تقریر اور تفسیر میں کتب شیعہ کے حوالہ جات ملیں گے۔ اصول مناظرہ کے لحاظ سے ماسٹر منظور حسین صاحب کا حق یہ تھا کہ کتب شیعہ کے حوالہ جات کے جواب لکھتے۔

ناظرین کرام! توثیق فدک صفحہ ۷۰ تا ۸۰ دیکھ جائیں آپ کو کہیں بھی شیعی کتب کے حوالہ جات کا جواب نہیں ملے گا۔ ہاں خلاف اصول مناظرہ ایک جدید راستہ نکالا ہے۔ اور راقم الحروف کے تفسیری نوٹوں کو امام فخر الدین

راز یؒ اور امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے خلاف قرار دے کر رد کرنے کی
سعی کی ہے ۔ پس لازم ہے کہ ہم اس مال کے بارے بھی تحقیق طلب حضرات کو
واقفیت بہم پہنچائیں ، اور ماسٹر صاحب کی فریب کاری کی وضاحت کردیں ۔
توثیق رفیق کے صفحہ ۲۷ پر امام فخرالدین رازیؒ کی تفسیر کبیر سے یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ
فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ سے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا
رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا حجت پکڑنا لکھا ہے ۔ مگر یاد رہے کہ امام رازیؒ نے
شیعہ کی تقریر نقل فرمائی ہے ۔ جس میں یہ فقرہ بھی موجود ہے "شنیدہ کے بود
مانند دیدہ" ، ماسٹر صاحب نے لوگوں کو یقین دلایا ہے کہ امام رازیؒ کی یہ تحقیق
ہے ، اور حقیقت میں وہ خود شیعہ کی تقریر ہے ۔ جو امام رازیؒ نے نقل کی ہے ۔
پس ماسٹر صاحب کو ادھر سے شیعہ کی تقریر نقل کرنے کی کیا حاجت تھی ؟ خود
ہی فرما دیتے کہ مابدولت یوں کہتے ہیں ۔ کس کو مجال انکار تھی ؟

فدا ہوں میں تری کس کس ادا پہ
ادائیں لاکھ اور بے چارہ دل ایک

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے واقعی اس احتجاج کا ذکر فرمایا
ہے ۔ مگر آپ نے اپنی تقریر کے آخر میں فرمایا ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق
رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس قدر نرمی کا رویہ اختیار کیا کہ جناب سیدہ راضی ہو
گئیں ۔

ماسٹر منظور حسین صاحب نے توثیق فدک کے صفحہ ۲۷ پر جہاں شاہ
ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عبارت نقل کی ہے وہاں پوری چالاکی سے تقریر کا
آخری فقرہ پی گئے ہیں ۔

نیز گزارش ہے کہ امام ولی اللہ محدث دہلویؒ اس حادثہ کے رونما ہونے

کے وقت بذات خود تو موجود نہ تھے ۔ کسی کتاب سے یہ چیز نقل فرمائی ہے ۔ مگر
منقول عنہ کا نام ذکر نہیں فرمایا ۔ اس لئے یہ چیز مبنی بر تحقیق نہیں ۔ حضرت شاہ
ولی اللہ صاحب کی اسی تقریر میں ایک اور چیز بھی ایسی ہے جو اس شان کی نہیں
ہے ۔ حدیث کنز العمال کی بحث میں ہم اس نکتہ کو واضح کریں گے انتظار فرمائیے گا

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۴۶

سورۂ مریم کی آیت زکریا علیہ السلام کی جو تفسیر راقم الحروف نے لکھی ہے
وہ بہت سے مفسرین کرام کے مطابق ہے ۔ دیکھو تفسیر کشاف جار اللہ زمخشری
مطبوعہ مصر ، جلد دوم صفحہ ۲۷۴ ۔ وَالْمُرَادُ بِالْاِرْثِ اِرْثُ الشَّرْعِ وَالْعِلْمِ
لِاَنَّ الْاَنْبِیَآءَ لَا تُوَرِّثُ الْمَالَ ۔ ترجمہ :- اور اس آیت میں علم اور شریعت
کی میراث مراد ہے ۔ کیونکہ پیغمبران علیہم السلام کسی کو اپنے مال کا وارث
نہیں بناتے ۔ ترجمہ ختم

تفسیر ابن کثیر جلد سوم صفحہ ۱۱۱ قَالَ مُجَاهِدٌ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی یَرِثُنِیْ وَ
یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ کَانَ وِرَاثَتُهٗ عِلْمًا ۔ یعنی حضرت مجاہد کہتے ہیں ۔ کہ
اس آیت شریفہ میں علم کی وراثت کا مذکور ہے ۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام
کی وراثت بھی علمی میراث تھی ۔ یہاں کوئی مال کی وراثت نہ تھی ۔ اور حضرت حسن
بصریؒ نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا یَرِثُ نُبُوَّتَهٗ وَعِلْمَهٗ
یعنی زکریا علیہ السلام کا فرزند جو ہوگا تو وہ آپ کی نبوت اور علم شریعت کا وارث
بنے گا ۔ اور حضرت ابو صالح فرماتے ہیں ۔ یَکُوْنُ نَبِیًّا کَمَا کَانَتْ اٰبَآؤُهٗ
اَنْبِیَآءَ ۔ یعنی زکریا علیہ السلام کا فرزند بھی پیغمبر ہوگا ۔ جیسا کہ اس کے باپ دادا

پیغمبران خدا تھے۔ علامہ ابن کثیر نے سدی کا قول بھی نقل کیا ہے فرماتے ہیں وَقَالَ السُّدِّیُ یَرِثُ نُبُوَّتِیْ وَنُبُوَّۃَ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۔ یعنی سدی نے کہا کہ زکریا علیہ السلام کا فرزند اس کی نبوت اور آل یعقوب کی نبوت کا وارث ہوگا۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ بھائی زکریا پر رحمت نازل کرے۔ اس کے پاس کوئی مال نہ تھا جس وقت کہ اس نے خدا تعالیٰ سے بیٹا طلب کیا تھا۔ حضرت حسن بصریؒ سے بھی یہ مرفوع حدیث مروی ہے۔ اب واضح ہوگیا کہ حضرت مجاہد جو کہ ابن عباس کے شاگرد خاص ہیں۔ سورۂ مریم کے کیا معنی لیتے ہیں۔ اسی طرح حضرت ابو صالح اور جناب سدی صاحب اور حضرت قتادہ کی تفسیر بھی معلوم ہوگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ علمائے تفسیر قرآن حکیم کے مذاہب نقل کرنے میں ابن کثیر کا درجہ بہت بلند ہے امام فخرالدین رازیؒ اگرچہ عقلیات میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ مگر نقل اقوال مفسرین اور روایات حدیث میں تحقیق اور جد وجہد سے کام نہیں لیتے۔

شرح مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۹۲ پر جو کچھ مذکور ہے وہ تو منظور حسین صاحب کے خیالات کی تردید کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر حسن بصری کے قول کی تردید فرمائی ہے۔ حضرت حسن بصری کے قول کو ذکر کرتے وقت زعم استعمال کیا ہے۔ جو قول باطل یا اعتقاد باطل کے معنی دیتا ہے، اور آخر میں جاکر واضح کر دیا ہے کہ آیت سورۂ مریم میں نبوت کی وراثت مراد ہے۔ حیران ہوں کہ ماسٹر منظور حسین صاحب نے اس موقعہ پہ امام نووی کی شرح سے حوالہ پیش کرنے کی زحمت کیوں اٹھائی؟ امام نووی نے تو یہاں میراث پیغمبران کو ناممکنات میں سے ٹھہرایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ماسٹر صاحب [illegible] ملاحظہ نہیں کی۔ یونہی سنی سنائی لکھ ماری

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علمائے تفسیر کے بیانات مختلف ہیں۔ اس لئے کہ آیت کے ماقبل اور مابعد کو دیکھ کر معنی کی تعیین کرنا ضروری ہے جیسا کہ میں نے تحقیق فدک میں وضاحت سے لکھ دیا ہے۔ ماسٹر صاحب کو لازم تھا کہ تحقیق فدک میں راقم الحروف نے جو دلائل قائم کئے ہیں ان کے جوابات لکھنے کی سعی کرتے سورۂ مریم کی آیت کی تفسیر کے جو دلائل ذکر کئے گئے ہیں۔ انہیں تو ماسٹر صاحب نے چھوا تک نہیں، اور امام رازی اور ابن جریر طبری اور نووی شارح مسلم کے اسمائے گرامی لکھ کر جان چھڑانے کی بے جا کوشش میں مصروف ہوگئے ہیں۔ ممکن ہے کہ زمانۂ حاضرہ کے مناظرہ کے اصول میں یہ چیز بھی داخل کر دی گئی ہو۔ یہاں ایک نکتہ ایسا ہے جس کا بیان کر دینا ضروری ہے اور وہ نہایت باریک ہے اس لئے ناظرین کرام کو اس طرف پوری توجہ دینی چاہیئے۔

ضروری نکتہ

مفسرین میں ایک نہایت قلیل تعداد ان بزرگوں کی ہے جو میراث کے مسئلہ میں انبیائے عظام علیہم السلام میں تفریق کے قائل ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیاوی میراث کا نہ ہونا آپ کی خصوصیت ہے۔ آپ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی دنیاوی میراث صحیح تھی۔ فاضل ابن جریر طبری نے جو سورۂ مریم کی آیت زکریا علیہ السلام میں مالی میراث مراد لی ہے تو اس کی بنیاد یہی تفریق ہے۔ کوئی توثیق فدک کے بلے چارے مؤلف سے پوچھے کہ بھائی! ابن جریر طبری کی تفسیر سے آپ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ جبکہ وہ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیاوی میراث کا قائل نہیں ہے۔ شیعہ وسنی نزاع دراصل آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیاوی میراث میں ہے۔ اور جمہور مفسرین و محدثین کسی قسم کی تفریق کے قائل نہیں ہوئے۔ بلکہ عدم میراث میں تمام پیغمبران علیہم السلام

کو برابر جانتے ہیں۔ پس ماسٹر منظور حسین صاحب اس نکتہ کی بے خبری کی وجہ سے ابن جریر طبری کا حوالہ دے رہے ہیں۔ اگر آپ یا آپ کے منیر کار اس نکتہ سے خبردار ہوتے تو اس قدر فضیحت ہونے کی انہیں کیا ضرورت تھی؟

احتجاجات کی حقیقت

ماسٹر منظور حسین صاحب نے اپنی کتاب میں نیز فلک النجات کے ہر دو مؤلفین نے احتجاج علیؓ اور احتجاج فاطمہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر حد سے زیادہ زور دیا ہے، کہتے ہیں کہ ان بزرگوں کا احتجاج ہی تخصیص کی جڑ کاٹ دینے کے لئے کافی ہے۔ احتجاج سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے واسطے ازالۃ الخفاء کی عبارت پیش کی ہے۔ اور احتجاج سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے لئے کنز العمال کی ایک روایت پیش کی ہے۔ تحقیق فدک کے صفحہ ۶۸ پر راقم الحروف نے تحریر کیا ہے کہ سیدنا آل نبی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوال میراث کی اصل وجہ تشہیر مسئلہ تھی۔ پس ضروری تھا کہ جن جن نصوص سے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے تھے ان کا ذکر بھی مجلس میں کر دیا جاتا۔ چنانچہ سیدۃ نسائے عالم نے سورۂ نساء کی آیت وصیت جس کا پہلا فقرہ ہے یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ۔ بھی ذکر کر دی تاکہ اس استدلال کا بھی جواب باصواب ہو جائے۔ اور قیامت تک راہ راست کے تلاش کرنے والے سمجھ لیں کہ اس آیت کے خطاب سے آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مستثنیٰ ہیں۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جو جواب میں ایک مرفوع حدیث پیش کی تھی تو آپ کا مقصد یہی تھا کہ اس آیت میں تخصیص ہے۔ یہی چیز تھی جس کی تشہیر سیدۂ نسائے عالم تھی اور اسی واسطے آپ نے اس جواب کو صحیح قرار دیا، اور اس باب میں آئندہ گفتگو کی حاجت نہ

دیکھی، تفصیل عنقریب آرہی ہے انتظار فرمائیے گا۔

کنز العمال جلد سوم صفحہ ۱۴۳ پر سے جو روایت پیش کی گئی ہے، اس میں حضرت علی کا احتجاج سورۂ مریم اور سورۂ نمل کی آیت سے مذکور ہے۔ مگر نہایت افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ جناب ماسٹر صاحب نے اس روایت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اگر اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی جناب کا مقصد پورا نہیں ہوتا، کیونکہ اس روایت میں صراحۃً مذکور ہے کہ حضرت صدیق اکبر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا جواب باصواب سن کر تینوں حضرات خاموش ہو گئے۔ کنز العمال کی اس روایت میں کوئی فقرہ ناراضگی کا مذکور نہیں ہے۔ اور خاموشی کو ناراضگی کی دلیل بنانا اس شخص کا کام ہے جو روزمرہ کے محاورات سے نابلد ہو۔ کسی اہل علم سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے اور جواب باصواب آجائے تو خاموشی لازمی ہوتی ہے پھر نہ مناظرہ کی ضرورت باقی رہتی ہے نہ مجادلہ کی، شیعہ حضرات سے کوئی پوچھے کہ خاموشی کا ترجمہ ناراضگی دنیا کی کون سی کتاب میں ہے؟

خطبۂ لمہ یہ خطبہ مرویات مخصوصہ شیعہ میں سے ہے اس کے مندرجات سے استدلال مضحکہ خیز بات ہے علمائے لغت نے جو اس خطبہ کے مشکل الفاظ کی تشریح کی ہے تو اس سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ان کے یہاں اس خطبہ کی نسبت بھی صحیح اور تصدیق شدہ ہے۔ چونکہ یہ خطبہ عربی کلمات اور محاورات پر مشتمل تھا۔ اس لئے علمائے لغت کا فرض تھا کہ اس کی تشریح کر دیں۔ اہل لغت تو ہر مشہور عربی فقرے کی تشریح لکھیں گے۔ ورنہ ان کی کتاب نامکمل رہے گی۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ اس شہرت میں واقعیت کس قدر ہے؟

سیوطی کا سکوت کہتے ہیں کہ ایک بازار میں ایک ہی چیز کے دو نرخ اچھے نہیں ہوتے مگر ماسٹر صاحب کی منڈی

میں ہمیشہ دو نرخ ہوا کرتے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی کی خاموشی کو تو رضامندی کی دلیل ٹھہرایا ہے۔ مگر حضرت عباس اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سکوت کو ناراضگی کے معنی میں لیا ہے۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۶۰

حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مناقب اور فضائل کا کوئی سُنی انکار نہیں کرتا جیسا کہ میں نے اصل کتاب میں لکھا ہے۔ ماسٹر منظور حسین صاحب بھی عجیب ہیں کہ ہمارے اقرار پر اعتبار نہیں کرتے اور جلال الدین سیوطی کی خاموشی کو رضامندی یقین کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہمیں بھی اپنے پر قیاس کر رہے ہیں۔ چونکہ شیعہ اصول میں تقیہ کو بہت ہی اہمیت ہے، اس لئے ان کی کسی بات پر اعتبار ناممکن ہے۔ شیعہ عقائد کی بنا پر کسی رافضی کی زبان پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ یہی چیز ہے جو منظور حسین صاحب کے دل و دماغ پر قبضہ کئے ہوئے ہے اور اہل سنت کے خادموں میں اس کا نظارہ کر رہے ہیں، بے چارے اپنے مذہب میں اور ہمارے مذہب میں جو عظیم فرق ہے اس کو بالکل بھول گئے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے کسی موقعہ پر حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تکذیب نہیں کی۔ کسی کے دعوے پر ثبوت کا طلب کرنا ہرگز تکذیب نہیں ہوتی۔ اگر دعوے پر دلائل کا طلب کرنا اور استغاثہ پر گواہوں کی جستجو تکذیب ہے تو جس قدر قاضی اور جج اور مجسٹریٹ ہیں، سب کے سب مسلمانوں کی تکذیب کرنے والے اور مومنوں کو جھٹلانے والے ہوں گے، کیونکہ مجسٹریٹ کے یہاں جو شخص بھی دعویٰ پیش کرے گا۔ اس سے دلیل یا شاہد طلب کیا جائے گا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ

وجہہ ایک استغاثہ کے سلسلہ میں قاضی شریح کی عدالت میں پیش ہوئے تھے۔ قاضی صاحب نے حضرت علی المرتضیٰ کی تعظیم کی اور بہ نسبت دوسرے فریق کے حضرت علی مرتضیٰ سے امتیازی سلوک روا رکھا تو خود حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے قاضی صاحب کو ڈانٹ پلائی، اور اس امتیاز کا نام ظلم رکھا۔ کیا کوئی عقلمند آدمی کہہ سکتا ہے کہ قاضی شریح نے حضرت علی کی تکذیب کی؟ حصول انصاف اور قیام انصاف کے جو قاعدے شریعت میں مقرر ہیں۔ قاضی اگر ان پر عمل پیرا نہ ہو تو وہ قاضی کاہے کا ہوگا؟ قاضی کے یہاں انصاف جبھی زندہ رہ سکتا ہے کہ وہ قوانین انصاف کی پابندی کرے۔ اگر قاضی انصاف کے قواعد کو شخصیتوں پر قربان کر دے تو وہ اور سب کچھ ہوگا مگر قاضی نہ ہوگا۔ اگر قاضی شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصاف کے قوانین پر عمل پیرا ہو کر حضرت علی کی تکذیب نہیں کی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کے دعوے کے ثبوت طلب کر کے کس طرح تکذیب کر لی۔؟ امام فخر الدین رازی نے سورۂ حشر کی آیات کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے لَکِنَّنِیْ لَا اَعْرِفُ صِحَّةَ قَوْلِكَ۔ جس کے معنی یہ ہے کہ میری معرفت اور علم میں آپ کے قول کا ثبوت موجود نہیں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ اپنے قول کا ثبوت پیش کیجئے۔ پس حضرت صدیق اکبرؓ نے یوں نہیں کہا کہ آپ کاذبہ ہیں، بلکہ یہی کہا کہ میرے علم میں اس دعوے کی دلیل نہیں ہے۔ لہذا آپ شرعی دلیل سے ہمیں واقف کریں۔۔ کیا منظور حسین صاحب دلیل کے مطالبے کو تکذیب کا نام دیتے ہیں۔

امام رازی کے اس فقرہ میں جو لفظ صحت ہے وہ بمعنی ثبوت ہے۔ عربی لغت میں لفظ صحت معنی میں ثبوت کے استعمال ہوتا رہتا ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر نے ان کے کہا ہے۔ صَحَّ عِنْدَ النَّاسِ اِنِّیْ عَاشِقٌ + لٰکِنَّھُمْ

لَمْ یَعْرِفُوْا عِشْقِیْ لِمَنْ ۔ یہ بات لوگوں کے نزدیک ثابت ہو چکی ہے کہ میں عاشق ہوں، لیکن انہیں میرے معشوق کا کوئی پتہ نہیں۔ شیعہ مناظرین کا مبلغ علم یہی ہے کہ لفظ صحت صرف ایک معنی میں استعمال ہوتا ہے جو فساد کی ضد ہے یا مرض کی سمت مخالف ہے۔ امام فخر الدین رازی کے مذکورہ فقرے کو اگر صحیح تسلیم کیا جاوے تو صحت بمعنی ثبوت ہے اور اس فقرے سے طلب ثبوت مراد ہے، اور اگر اس فقرہ کی سند تلاش کی جائے تو یقیناً ناکامی ہوگی، اگرچہ امام رازی نے لکھ دیا ہے، مگر میرے جیسا طالب علم اگر سند کا مطالبہ کر دے تو اہل علم کی مجالس میں اس کو خلاف قانون نہیں قرار دیا جا سکتا۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۶۲

راقم الحروف نے ناراضگی سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کا جو عنوان تجویز کیا ہے وہ اپنے اعتقاد کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے کیا ہے اگر اس روایت پر اپنا اعتقاد ہوتا تو جزم ویقین کے عنوان سے شروع کرتا ماسٹر صاحب نے یہاں میری کارروائی کو تجاہل عارفانہ قرار دیا ہے۔ دیکھو توثیق فدک صفحہ ۹۲ اس خدا کے بندے کو ابھی تک تجاہل عارف کا معنی ہی معلوم نہیں۔ صیغۂ مجہول استعمال کرنے کو یہ غریب تجاہل خیال کر رہا ہے۔ اس جہالت پر تالیف کا اشتیاق اچنبھا نہیں تو اور کیا ہے؟

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۶۳

فروع کافی کی وہ حدیث جس میں ظالم حاکم کے پاس مقدمہ لے جانا منع کیا گیا ہے، اس حدیث کے جواب میں یہاں منظور حسین صاحب نے عجیب منطق

چلائی ہے، اپنی توثیق فدک کے صفحہ ۹۳ پر لکھتے ہیں کہ جناب فاطمۃ الزہرا کا فریق ثانی کون تھا؟ مطلب آپ کا یہ ہے کہ دو عدد مومن اپنا تنازعہ ظالم حاکم کے پاس لے جائیں تو منع ہے۔ اور اگر ایک مومن یہ کام کرے تو بالکل صحیح اور درست ہے فروع کافی کی حدیث میں اس ممانعت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ظالم سے کوئی چیز وصول کرنا حرام ہے خواہ وہ اپنا حق ہی کیوں نہ ہو۔

ناظرین کرام! شیعہ کی حدیث کو سامنے رکھیں، اور منظور حسین صاحب کے جواب کو بھی ملاحظہ کریں کیا اس کو جواب کا نام دینا مناسب ہے؟ اجتہاد کے عذر کو رفع کرنے کے لئے مطالبۂ میراث بھی عجیب ہے بلکہ عجیب تر ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو سوال فدک کے جواب میں حدیث مرفوع پیش کر رہے ہیں۔ ایسی حدیث جس کو اصول کافی . . . . اور من لایحضرہ الفقیہ اور تنزیہ الانبیاء میں از روئے معنی کے صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم تحقیق فدک کے پہلے باب میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ بھلا اس کارروائی کو اجتہاد کا نام دیا جا سکتا ہے؟ اجتہاد تو وہاں ہوتا ہے جہاں خدا اور رسول کا واضح فرمان دستیاب نہ ہو سکے۔ حیرانی کی بات ہے کہ شیعہ علمائے زمانہ نے اس مجموعۂ جہالت کی تائید کس دل گردہ سے کی ہے؟ ممکن ہے کہ وہ بھی ایسے ہی ہوں۔ ؎

وزیرے چنیں شہریارے چناں،
جہاں چوں نگیرد قرارے چناں،

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۶۵

یہاں بھی ماسٹر منظور حسین صاحب نے حسب دستور خویش ایک بہتان عظیم

گھڑ لیا ہے۔ اپنی توثیق کے صفحہ ۹۴ پر لکھتے ہیں" جیسا کہ اس پر بخاری کا فقرہ " فَغَضِبَتْ فَاطِمَةُ حَتّٰی مَاتَتْ " گواہ ہے" راقم الحروف اعلان کرتا ہے کہ یہ فقرہ بخاری شریف میں نہیں ہے، اگر ماسٹر صاحب اور ان کے معاونین علمائے شیعہ میں ہمت ہے تو صحیح بخاری سے یہ فقرہ بلفظہا نکال کر دکھائیں، اور اگر یہ فقرہ کتاب مذکور سے پیش نہ کر سکیں اور ہرگز پیش نہیں کر سکیں گے تو افترا پردازیوں سے باز آجائیں اور ایسے گندے مناظرہ سے توبہ کریں۔

مخبوط الحواسی کا ایک نمونہ

یہاں ماسٹر صاحب نے اپنی توثیق صفحہ ۹۶ پر ایک الزامی جوابات کا سلسلہ چالو کیا ہے اس میں جس قدر غور کیا جائے۔ اسی قدر آپ کی مخبوط الحواسی عالمِ آشکارا ہوتی ہے اتنی بھی تمیز نہیں رہی کہ الزام کس کو دے رہا ہوں، اور دینا کس کو چاہیئے وہ اپنے زعم فاسد میں تو مجھے الزام دے رہے ہیں، اور موسیٰؑ و ہارونؑ کا فرعون سے مطالبہ ذکر کر کے اس مسئلہ کو غلط ثابت کر رہے ہیں جو مَیں نے ظالم حاکم کے پاس مقدمہ لے جانے کی ممانعت میں لکھا ہے مگر بے ہوشی کا یہ عالم ہے کہ اتنا بھی نہیں سمجھ سکے کہ یہ مسئلہ اہل سنت کا ہے یا شیعہ کا ؟

مَیں نے صاف لکھ دیا ہے کہ ظالم حاکم کے پاس مقدمہ لے جانیکی ممانعت فروع کافی جلد سوم صفحہ ۲۲۵ پر موجود ہے، اور امام جعفر صادق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیث کی عبارت بھی میں نے یہاں درج کر دی ہے پس ماسٹر صاحب اپنے دماغ پر ہاتھ دھر کے بتلائیں کہ وہ امام جعفر صادقؒ کی حدیث مندرجہ فروع کافی کی تردید کر رہے ہیں یا مصنف تحقیق فدک کو الزام دے رہے ہیں ؟ اور اس کے بعد جو سورۂ ہود کی آیت وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا تحریر کی ہے۔ اس سے بھی امام جعفر صادق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تکذیب کر رہے ہیں

اگر شیعہ مذہب کو آپ جیسے دو اڑھائی اور موید دستیاب ہو گئے تو شیعہ سُنی نزاعات بہت جلد ختم ہو جائیں گے۔ سچ ہے ـــــــ ع

"ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہاتھ پر حسنین شریفین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیعت کا قصہ رجال کشی میں مذکور ہے۔ اس سے بھی ...... فروع کافی کی حدیث مذکورہ کی تکذیب اور تردید ہوتی ہے۔ اسی طرح یزید کے ہاتھ پر حضرت محمد ابن حنفیہ کی بیعت کا قصہ جو البدایہ والنہایہ میں درج ہے وہ بھی آپ ہی کے عقیدہ کی تردید کے واسطے کافی ہے۔ بہرحال اپنی توثیق کے صفحہ ۹۶ اور ۹۷ پر جو الزامات بزعم خویش ہم پر عائد کئے ہیں وہ سب کے سب فروع کافی جلد سوم صفحہ ۲۲۵ کی حدیث کی بیخکنی کر رہے ہیں۔ اور آپ کہتے ہیں کہ یہ جوابات آخری اور الزامی جوابات ہیں۔ مدرسہ رافضیہ سرگودھا کے کسی مدرس سے ہی پوچھ لیتے کہ الزام کے معنی کیا ہیں ؟ اور اس کے مواقع کیا کیا ہیں ؟

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۶۸

مطالبۂ میراث کی جو توجیہ میں نے بیان کی ہے، اس پر جناب ماسٹر صاحب بڑے چیں بجبیں ہوئے ہیں چنانچہ اپنی مزعومی توثیق کے صفحہ ۹۹ پر لکھتے ہیں۔ اگر یہ مقصد ہوتا تو قرآنی استدلالات پیش نہ کرتیں " راقم الحروف کہتا ہے کہ قرآنی آیات کیوں پیش نہ فرماتیں۔ آپ کا تو فرض تھا کہ جن آیات اور احادیث سے میراث پیغمبران کے استدلال کا احتمال ہو سکتا تھا اس کو ذکر فرما دیتیں تاکہ اس کا جواب لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ نیز آئندہ کوئی یوں نہ کہے کہ یہ حدیث یا آیت مخفی رہی۔ اگر قرن اوّل کو معلوم ہو جاتی تو فیصلہ دوسری طرح ہوتا۔ اسی طرح عقلی دلیل

بھی پیش فرمائی تاکہ دنیا کو اس کا جواب بھی معلوم ہو جائے۔

اس موقع پر ماسٹر صاحب نے آپ کا تادم مرگ ابوبکر پر ناراض ہونا بھی بخاری مسلم کے حوالہ سے درج کر کے میری تحقیق کو گرانے کی کوشش کی ہے مگر افسوس کہ تادم مرگ ابوبکر پر جناب سیدہ کا ناراض ہونا نہ بخاری میں ہے نہ مسلم کی صحیح میں۔ آئندہ اوراق میں انشاء اللہ تعالیٰ بخاری کی اس حدیث کا بیان کیا جائے گا۔ جس سے شیعہ حضرات تادم مرگ ناراضگی اخذ کرتے رہتے ہیں۔

حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں فدک کا مطالبہ کیا تھا تو وہ میراث کی تقسیم کی درخواست نہ تھی بلکہ وہ تو وقف کی تولیت کا مطالبہ تھا۔ حضرت علی چاہتے تھے کہ آدھا میری تولیت میں ہو اور حضرت عباس چاہتے تھے کہ آدھے کا متولی مجھے بنایا جائے۔ یہ نصفا نصفی چونکہ تقسیم میراث پر مبنی ہوتی تھی، اور اس سے بطور میراث قبضہ کا اشتباہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے وقف کی تولیت کی تقسیم سے انکار فرما دیا۔ کہا کہ تم دونوں مل کر اس وقف کی تولیت کو نباہ سکتے ہو تو بہتر اور اگر تم دونوں اتفاق کیساتھ فدک کا انتظام نہیں کر سکتے تو مجھے واپس کر دو میں خود انتظام کر لوں گا۔ ہمارے شراح حدیث نے مذکورہ بالا تفصیل درج کی ہے۔ مگر ماسٹر صاحب کی بلا جانے کہ حدیث کیا ہے؟ اور شرح حدیث کیا ہے؟

اب واضح ہو گیا کہ میری تحقیق کی تردید کے واسطے شیعہ کے یہاں کوئی کام کی چیز نہیں ہے۔ جن دنوں میں نے تحقیق فدک میں مطالبۂ میراث کی بنا تشہیر مسئلہ کو مقرر کیا تھا ان دنوں خیال تھا کہ شیعہ میں سے جو لوگ میری تردید لکھیں گے وہ مجھ سے اس کی نظیر کا مطالبہ کریں گے۔ مگر افسوس کہ اس وقت

تک کسی شیعہ نے اس طرف توجہ نہیں کی، اس واسطے میں بھی سردست اس کی نظیروں کو لپیٹ کے رکھ دیتا ہوں۔

نوٹ:۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے جواب سے معلوم ہو گیا کہ آپ نے فدک کے انتظام کا متولی اپنی خلافت کے آغاز میں حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں کو بنا دیا تھا، اس مشترک تولیت وقف میں پھر جھگڑا ہو گیا تھا۔ اس واسطے دوبارہ دربار خلافت میں مرافعہ ہوا۔ پس جو لوگ دن رات شور مچاتے ہیں کہ اہل بیت سے فدک چھین لیا گیا تھا، وہ بتائیں کیا چھین لینا اسی کا نام ہے؟ ——— حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ایام خلافت میں اگر فدک کا متولی حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو بنا دیا جاتا تو اسی وقت سے یہ تنازعہ شروع ہو جاتا ممکن ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی فراست نے انہیں بتلا دیا ہو کہ اس وقف کا ہاشمیوں کو متولی بنانا جھگڑے کا موجب ہو گا۔ اور ان میں سے کسی ایک بزرگ کو متولی فدک بنانا دوسروں کی ناراضگی کا موجب ہو گا ——— یہ چیز پہلے واضح نہ ہوئی لیکن جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنی خلافت کے آغاز میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو متولی وقف بنا دیا اور یہ تولیت موجب نزاع ہو گئی تو معلوم ہو گیا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کا انتظام فدک کو اپنے ہاتھ میں رکھنا مصلحت عظیمہ پر مبنی تھا۔

مسلم شریف کی روایت

حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے تنازع کی روایت مسلم اور بخاری دونوں

میں موجود ہے۔ مگر آثم، کاذب، غادر اور خائن کے چاروں لفظ صحیح بخاری میں نہیں ہیں۔ اسی طرح اور محدثین نے بھی اس روایت میں مذکورہ بالا چار کلمے درج نہیں کئے

اس واسطے علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں لکھ دیا ہے کہ اصل روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ اور فاضل نووی نے بھی شرح مسلم میں اسی حدیث کے تحت لکھا ہے کہ مسلم کے ایسے نسخے بھی دیکھنے میں آئے ہیں جن میں یہ چاروں کلمات موجود نہ تھے۔ پس مسلم کی اس روایت کو مذکورہ بالا چار کلمات کے ثبوت کے لئے پیش کرنا غلط ہوگیا۔ کیونکہ الزام مسلمات خصم سے دیا جاتا ہے۔ اور ہمارے علماء نے ان چار کلمات کو فرمودۂ عمر تسلیم کیا ہے نہ قول عباس اور نہ ہی ارشاد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۷۱

ابن میثم بحرانی کی وہ روایت جس میں رضامندی فاطمہ رضی اللہ عنہا مذکور ہے اس کے بارے میں شیعہ کی طرف سے جس قدر شبہات پیش کئے جاسکتے تھے۔ تحقیق فدک میں ان کے مفصل اور مدلل جوابات لکھ دئے گئے ہیں۔ جناب ماسٹر صاحب نے جو کچھ یہاں تحریر کیا ہے۔ اس کا جواب ہوچکا ہے۔ چنانچہ بحرانی کی روایت رضامندی کے ضعیف ہونے اور مشہور روایات کے مخالف ہونے کو ایک سوال کی صورت میں ہم نے اپنی کتاب "تحقیق فدک" کے صفحہ ۵۷، پر درج کیا ہے، اور پھر اس کے بعد پانچ عدد جوابات تحریر کئے ہیں۔ جن کو ماسٹر صاحب نے چھوا تک نہیں ہے۔ یہ پانچوں جوابات صفحہ ۵۷ سے لے کر صفحہ ۶۷ تک چلے گئے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ماسٹر صاحب نے ادھر التفات ہی نہیں فرمائی۔

یا ممکن ہے کہ ان جوابات کو توڑنے کا حوصلہ نصیبوں میں نہ آیا ہو۔ علامہ بحرانی شیعی نے رضامندی سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث درج کر کے شیعہ متکلمین کو ایک سخت مصیبت میں ڈال دیا ہے، اور صاحب درہ نجفیہ نے اس حدیث کی تصدیق کر کے سونے پر سہاگہ کی کہاوت کو تازہ کر دیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ علامہ بحرانی اور صاحب درہ نجفیہ نے ناراضگی سیدہؓ کی روایت کو بھی درج کیا ہے، اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان دونوں شیعی حضرات نے ناراضگی کی حدیث کو مشہور اور متفق علیہ قرار دیا ہے۔ مگر ظاہر و باہر ہے کہ جب ان کے یہاں یہ روایت مشہور اور متفق علیہ ہے تو اس کے مقابلہ میں انہیں کے نزدیک کوئی حدیث ضرور غیر مشہور اور غیر متفق علیہ ہوگی۔ اگر ایسا نہیں تھا۔ بلکہ شیعہ کے نزدیک صرف ناراضگی کی حدیث موجود تھی، تو اس کو مشہور اور متفق علیہ کا لقب دینے کی کیا ضرورت تھی؟ درحقیقت یہ ہے کہ شیعہ علماء کا ناراضگی کی روایت کو مشہور اور متفق علیہ کا لقب دینا ہی اطلاع دیتا ہے کہ ان کے یہاں کوئی روایت غیر مشہور اور غیر متفق علیہ بھی ہے جس میں رضامندی سیدہ مذکور ہے اسی واسطے ان دونوں شیعہ متکلمین نے آخر میں رضامندی سیدہؓ کی حدیث درج کر دی اور اس کے عنوان میں صیغۂ مجہول اس کے غیر مشہور اور غیر متفق علیہ ہونے کے لئے اختیار کیا۔ مگر جناب ماسٹر صاحب اور ان کے معاونین شیعہ علمائے عظام بے فکر رہیں۔ یہ روایت کسی صورت میں سنی مصنفین کی نہیں ہوسکتی۔ اس روایت کو اہل سنت کی روایت ثابت کرنے کے لئے ضروری ہوگا کہ اہل سنت کی مشہور و معروف کتابوں سے نکال کر دکھلادیں۔ ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغۃ کو اہل سنت و الجماعت کی کتاب مقرر کرنا اور ابن میثم کی روایت رضامندی سیدہ کو حدیدی سے منقول قرار دینا پریشان خیالی اور بے چارگی کی ایک زندہ مثال ہے۔ شیعہ مذہب

جس ملک کی پیداوار ہے وہ ایران ہے کیا وہاں کے علمائے شیعہ ابن ابی الحدید کو اہل سنت والجماعت کا فرد جانتے ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو اس کتاب کی پیشانی پر ایرانی طبع کنندگان نے ترجمہ شارح کے ضمن میں اس کو شیعی کیوں لکھا ہے؟ اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حدیدی اور ابن میثم بحرانی کی روایات میں فرق موجود ہے جو ایک دوسرے سے نقل کرنے کی تردید کے واسطے کافی شافی ہے۔ جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو ابن میثم بحرانی کی روایت رضامندی سیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا مروبہ اہل سنت نہ رہی، اب جو شخص اس روایت کو مرویات اہل سنت میں سے ثابت کرنے کی تمنا کرے گا۔ اس کا فرض ہوگا کہ الفاظ ومعانی کے اختلاف کو مدِنظر رکھ کر اپنا مقصد ثابت کرے۔ سیرت حلبیہ جلد سوم کی روایت کے الفاظ اور معانی ابن میثم کی روایت کے الفاظ ومعانی سے کوئی میل نہیں کھاتے اسی طرح فتح الباری کی روایت رضامندی سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے الفاظ اور معانی ابن میثم کی روایت سے بہت مختلف ہیں۔ اس لئے میرا دعویٰ مندرجہ تحقیق فدک صفحہ ۸۲ بالکل بجا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ماسٹر صاحب اسم اشارہ کا مقصد نہیں پاسکے، اور میرے مبلغ علم کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ پرانے فلسفی کہا کرتے تھے ایک شخص ایک ہی وقت میں دو چیزوں کی طرف توجہ نہیں کرسکتا۔ غالباً انہوں نے مصنف توثیق فدک کی نظیریں ملاحظہ کی ہوں گی۔ اسے میرے عزیز! جن حلقوں کو تم علمی حلقے سمجھ رہے ہو۔ وہ علمی حلقے نہیں ہیں، زیادہ سے زیادہ انہیں فلمی حلقے کہا جاسکتا ہے۔ جنہیں علم کی خبر نہیں، کیا وہ بھی علمی حلقے شمار ہو سکتے ہیں؟ سچ ہے ؎

ہر کس بخیالے خوش مجنوں بجنوں
كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ

مرسل حدیث کی بحث یہاں بے فائدہ ہے جو ماسٹر صاحب نے اپنی توثیق رفیق کے صفحہ ۱۰۹ سے شروع کر رکھی ہے۔ میری کتاب تحقیق فدک کے صفحہ ۸۲ پر جواب چہارم مذکور ہے، جو سراسر شیعہ کے ایک اصول کی بنا پر تحریر کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ شیعہ روایات میں اختلاف واقع ہو جائے تو جو روایت اہل سنت کی روایت کے مطابق ہو اس کو ترک کر دو۔ اس اصول کی بنا پر میں نے لکھا تھا کہ کتب شیعہ میں جو غضب اور ناراضگی کی روایت ہے وہ چونکہ اہل سنت کی اس روایت کے موافق ہے جس کو ابن شہاب زہری نے روایت کیا ہے۔ اس لئے واجب الترک ہوگی۔ اور کتب شیعہ کی رضامندی سیدہ کی روایت اہل سنت کی کسی روایت کے موافق نہیں ہے بلکہ سراسر مخالف ہے۔ اس لئے شیعہ اصول کے لحاظ سے واجب القبول ہوگی۔ مرسل ہونا یا غیر مرسل ہونا اس اصول کو بیکار نہیں کرسکتا۔ اگر کسی حدیث کا مرسل ہونا مذکورہ بالا قاعدہ پر اثر انداز ہوسکتا ہے تو حوالہ کیوں نہیں دیا؟ کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ جو کچھ تم لکھ دو گے اسے مرقوم امام معصوم قرار دیا جائے گا۔؟

تمہارا یہ قاعدہ تو فرمودۂ امام ہے۔ کیا تم اپنے قیاس کے زور سے امام معصوم کے فرمان کو رد کرتے ہو؟

ائمہ کرام اہل بیت عظام

ان بزرگوں کے مذہب کی تحقیق کی ضرورت ہو تو آپ کیا کوئی شخص بھی شیعہ کتب اور روایات کی بنا پر نہیں کرسکتا۔ کیونکہ شیعہ کے نزدیک ظہور امام مہدی تک کا زمانہ تقیہ کا زمانہ ہے۔ پس گیارہ اماموں نے جو کچھ فرمایا ضرور تقیہ کے تحت

ہو گا۔ پس اگر امام رضا رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہماری ایک بڑی نیک اور پرہیزگار ماں تھی جو ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں پر ناراض فوت ہوئی تھی۔ تو آپ نے تقیہ سے یوں فرمایا ہے کوئی دشمن شیخین مجلس میں موجود ہو گا جس کو خوش کرنے کے لئے آپ نے یوں ارشاد فرمایا۔ اس بات کے حضرت امام علی رضا دل سے معتقد نہ تھے پہلے احتمال تقیہ کو دُور کرو۔ پھر امام ہشتم کے قول سے استدلال کرو۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ ائمہ کرام سے روایت کرنے والے سب کے سب ملعون ہیں۔ ہماری جانب سے نہیں بلکہ حضرات ائمہ کرام کی طرف سے راویانِ مذہب شیعہ پر از روئے کتب شیعہ لعنت وارد ہوئی ہے۔ جیسا کہ رجال کشی اور رجال مامقانی میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ پس ائمہ کرام کی زبانی ملعون راویانِ مذہب کی روایت پر اعتبار کس طرح کیا جا سکتا ہے ؟ حقیقت یہ ہے کہ راویانِ رفض و تشیع نے جو کچھ بھی روایت کیا ہے وہ خود ساختہ مال ہے، اور ائمہ کرام کے دامن سے زبردستی باندھ دیا گیا ہے۔ پس ہم دراصل امام جعفر صادق یا امام محمد باقر کے منکر نہیں ہیں بلکہ ہم تو صرف ان لوگوں کے منکر ہیں جنہوں نے اپنے جی سے روایات تیار کر کے نیک اور پاک لوگوں کے ذمے لگا دی ہیں۔ روضۂ کافی کی روایت کا جواب بھی آ گیا کہ امام محمد باقر نے ازراہِ تقیہ یوں کہہ دیا ہو گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جو وعدہ سیدہ رضی اللہ عنہا سے کیا تھا پورا کیا۔ اور آخر تک خرچ دیتے رہے۔ جیسا کہ ہم نے حدیدی اور بحرانی اور علی نقی ایرانی کے حوالہ جات سے لکھا ہے۔ اس موقعہ پر ماسٹر منظور حسین صاحب نے لکھا ہے کہ ابوبکر نے وعدہ پورا نہ کیا اور حضرت سیدہ کو خرچ نہ دیا۔

اپنے زعم فاسد کی تائید کے لئے مسلم شریف سے ایک فقرہ نقل کیا ہے۔ فَاَبیٰ اَبُوْبَکْرٍ اَنْ یَدْفَعَ شَیْئًا اِلیٰ فَاطِمَۃَ ۔ اور خود ہی ترجمہ کیا ہے کہ ابوبکرؓ

نے انکار کر دیا کہ کوئی چیز بھی جناب فاطمہ علیہا السلام کو دے۔

راقم الحروف عرض گزار ہے کہ اس فقرے کا مطلب جو ماسٹر صاحب نے لکھا ہے وہ غلط ہے۔ کیونکہ سوال میراث فدک کا تھا۔ عام لینے دینے کا کوئی سوال نہ تھا۔ پس جواب بھی یہی ہو گا۔ کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ازراہِ میراث فدک کے دینے سے انکار کر دیا۔ جو لوگ انکارِ مطلق اور انکار مقید میں فرق نہیں جانتے وہ اگر انصاف کا خون کرنے پر تل جائیں تو کیا بعید ہے ؟ سوال کے قرینے سے جواب میں تخصیص اور تقیید شائع ذائع ہے۔ مگر جب علم سے کچھ واسطہ ہی نہ ہو تو کیا علاج ؟

مسلم شریف کی روایت کا جو مطلب ہم نے بیان کیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ یہی روایت بخاری شریف، جلد اوّل صفحہ ۴۳۵ پر موجود ہے۔ عبارت یوں ہے فَاَبیٰ اَبُوْبَکْرٍ عَلَیْھَا ذٰلِکَ ۔ یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی چیز کا انکار کیا جو حضرت سیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے طلب کی تھی۔ اس عبارت میں اسم اشارہ لائق توجہ ہے۔ اشارہ اسی چیز کی جانب ہے جو اس سے ماقبل مطالبہ میں مذکور ہے۔ اور مطالبہ فدک وغیرہ کا میراث کی راہ سے مطالبہ ہے نیز یہی روایت صحیح بخاری جلد دوم، صفحہ ۶۰۹ پر موجود ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں فَاَبیٰ اَبُوْبَکْرٍ اَنْ یَدْفَعَ اِلیٰ فَاطِمَۃَ مِنْھَا شَیْئًا ۔ یعنی حضرت صدیق اکبرؓ نے انکار کیا اس چیز کے دینے کا جس کا حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا تھا۔ اس روایت میں مِنْھَا کی ضمیر قابل غور ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ صحیح مسلم کے فقرے کا مطلب وہ نہیں ہے جو ماسٹر صاحب نے لیا ہے۔ تمام خرابی اور فضیحت کا سبب کوتاہ نظری اور جہالت ہے۔ اب ہم تقریظ نویسندگان توثیق رفیق سے دریافت کرتے ہیں کہ مسلم کی روایت کے جس فقرے

سے ماسٹر صاحب نے بالکل کچھ نہ دینے کا استنباط کیا ہے۔ اس سے پہلے اسی صحیح مسلم کی اسی روایت میں کیا یہ فقرہ موجود نہیں ہے؟ اِنَّمَا یَاْکُلُ اٰلُ مُحَمَّدٍ فِیْ هٰذَا الْمَالِ ——— دیکھو صحیح مسلم، جلد ۲، صفحہ ۹۱ اور کیا یہ فقرہ فرمودۂ صدیق اکبر نہیں ہے؟ کیا اس فقرہ کا ترجمہ یہی نہیں ہے؟

"کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کی خوراک اس مال میں ہوگی۔"

جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقرار کر رہے ہیں کہ آل نبی کی خوراک فدک کی آمدنی سے مہیا کی جائے گی تو متنازعہ فیہ فقرے کا مطلب کس طرح لیا جا سکتا ہے کہ ابوبکر نے انکار کر دیا کہ کوئی چیز بھی جناب فاطمہؓ کو نہ دے حقیقت یہ ہے کہ ماسٹر صاحب نے اس فقرے کا ترجمہ لکھتے وقت ماقبل کو دیکھا نہ مابعد پر نظر کی اور اس بے نمازہ کا پارٹ ادا فرمایا جو نماز کے ترک پر سورۂ نساء کی آیت سے استدلال کرتا تھا۔ اور جب کسی نے جواب میں گزارش کی کہ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی بھی مابعد میں موجود ہے اس کا بھی دھیان کرو، تو پوری بے تکلفی سے کہنے لگے کہ بھائی سارے قرآن پر تمہاری ماں نے عمل کیا ہے؟

ماسٹر صاحب نے اپنی رقیق توثیق کے صفحہ ۱۳ پر لکھا ہے کہ میں نے اس کتاب کا مسودہ تیار کر کے محققین علمائے کرام شیعہ کے پیش کیا ہے۔ جنہوں نے حرف بحرف سن کر تقریظیں لکھیں ہیں۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ایسے ہی محققین نے حرف بحرف سن کر تصدیق کی ہے۔ تو ان کے مبلغ علم کے چہرے سے پردہ اٹھ گیا۔ سچ ہے۔ ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ نیکاں زند

ضمیمۂ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۸۶

علامہ ابن میثم بحرانی شیعی کی روایت میں آیا ہے فَرَضِیَتْ بِذٰلِكَ یعنی حضرت سیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا اس پر خوش ہوگئیں۔ اس فقرے کا ترجمہ صاف تھا۔ مگر ہٹ دھرمی کی برکت سے ماسٹر صاحب نے اس کا ترجمہ یوں کر دیا۔ پس اس بات پر جناب فاطمہ علیہا السلام قناعت کر گئیں۔ اور اپنے دل میں سمجھے کہ جواب ہوگیا ——— دیکھو توثیق رقیق فدک صفحہ ۱۱۲ و صفحہ ۱۱۳ ماسٹر صاحب کے خیال میں سمایا ہے، کہ قناعت میں رضامندی نہیں ہوتی، بلکہ ناراضگی رہتی ہے۔ اگر کتب لغت میں اپنی نگاہوں کو استعمال فرماتے تو یقیناً دیکھ لیتے کہ قناعت میں بھی رضامندی ہی جلوہ گر ہے ملاحظہ ہو ——— لسان العرب جلد ۸، صفحہ ۲۹۷ قَنِعَ بِنَفْسِهٖ قَنَعًا وَقَنَاعَةً ——— رَضِیَ یعنی قناعت معنی میں رضامندی کے ہے۔ اسی طرح قاموس، جلد سوم صفحہ ۲۱ پر ہے وَالْقَنَاعَةُ الرِّضَا بِالْقَسْمِ۔ یعنی تقسیم پر رضامندی کا نام قناعت ہے اسی طرح منتہی الارب جلد سوم صفحہ ۵۵۶ پر ہے قَنَاعَةٌ کَسَحَابَةٍ۔ خورسندی یعنی قناعت سَحَابَةٌ کے وزن پر ہے اور معنی میں خوشنودی کے ہے۔ صاحب منتہی الارب نے اسی باب میں آگے چل کر لکھ دیا ہے کہ قَانِعٌ وہ ہے جو اپنے حصے پر خوشی ظاہر کرے۔ ماسٹر صاحب نے اس موقعہ پر لکھا ہے کہ رضا کا صلہ بائے موحدہ ہو تو اس کے معنی قناعت کے ہوتے ہیں۔ خوشنودی کے نہیں ہوتے بضرورت ہے کہ اس مفروضہ کی بھی قلعی کھول دی جائے۔ قرآن حکیم کی سورۂ یونس میں ہے ———

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا

يَكْسِبُوْنَ ٥

اس میں شک نہیں کہ جن لوگوں کو قیامت میں ہماری بارگاہ کی حضوری کا کھٹکا نہیں اور دنیا کی چند روزہ زندگی سے نہال ہو گئے۔ اور اسی پر چین سے بیٹھے ہیں، اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا اُن کے کرتوت کی بدولت جہنم ہے ——— دیکھو حمائل شریف مترجم سید فرمان علی شیعی، مطبوعہ ایران، صفحہ ۳۳۱

جناب ماسٹر صاحب اس آیت میں غور کر کے دیکھیں کہ یہاں رضا کا صلہ بائے موحدہ ہے یا نہ؟ اور آپ کے مولوی فرمان علی صاحب جو ترجمہ میں نہال ہو گئے لکھ رہے ہیں یہ نہال ہو جانا رضامندی ہے یا ناراضگی ہے۔؟ پرائمری سکول کے بچے بھی جانتے ہیں کہ کمال خوشنودی اور اعلیٰ درجہ کی رضامندی کو نہال ہو جانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مولوی فرمان علی صاحب شیعی کے ترجمہ میں غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ رضا کے بعد بائے موحدہ عَنْ حرف جر کا معنی دیتی ہے اسی لئے آپ نے ترجمہ میں وہ حرف رکھا ہے جو عَنْ کے ترجمہ رکھا جاتا ہے۔ یہی مولوی فرمان علی رافضی شیعی سورۂ توبہ میں رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں ———
خدا اُن سے راضی اور وہ خدا سے خوش ——— اب دونوں ترجموں میں غور کرو ایک آیت میں رضا کے بعد عَنْ ہے اور دوسری آیت میں فعل رضا کے بعد بائے موحدہ ہے۔ اور دونوں کا ترجمہ ایک ہی طرح سے کیا ہے معلوم ہوا کہ رضا کے بعد بائے موحدہ بھی معنی عَنْ کے ہوتی ہے۔ چونکہ شیعہ کے یہاں قرآن حکیم موجب اطمینان نہیں ہوتا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتب معتبرۂ شیعہ سے بھی رضامندی جس کا صلہ بائے موحدہ ہو اور معنے میں خوشنودی کے ہو پیش کر دیا جائے۔

ناسخ التواریخ، جلد سوم، از کتاب دوم صفحہ ۲۶ پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ایک طویل خطبہ درج ہے۔ جس کا ایک فقرہ یہ ہے وَاَنَا رَاضٍ بِحُجَّةِ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَعِلْمِهٖ فِيْهِمْ۔ اس فقرے کے ترجمے میں صاحب ناسخ لکھتے ہیں، " ومن بحجت خدا و امر او در حق ایشان خوشنودم۔ " نیز صفحہ ۱۳۱، پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد موجود ہے ——— وَسَاقَهُمُ الشَّيْطَانُ لِطَلَبِ مَا لَا يَرْضَى اللّٰهُ بِهٖ ——— یعنی شیطان انہیں اس چیز کی طلب کے لئے چلا ہے جس پر خدا تعالےٰ خوش نہیں ہیں۔ ———

نجاشی انصاری جو شیعان علی میں سے تھے ایک قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

رَضِيْنَا بِقَسْمِ اللّٰهِ اِنْ كَانَ قِسْمُنَا
عَلِيٌّ وَّاَبْنَاءُ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ

یعنی ہم خدا تعالیٰ کی اس تقسیم پر بہت خوش ہیں جو ہمارے حصہ میں علیؓ اور نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حسنؓ اور حسینؓ آئے ہیں۔ یہ شعر ناسخ مذکور کے صفحہ ۳۹ پر موجود ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ایک اور خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

فَقَالُوْا اِلَيَّ بَايِعْ فَاِنَّ الْاُمَّةَ لَا تَرْضٰى اِلَّا بِكَ ——— یعنی لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تو لوگوں کو اپنی بیعت میں لے لے۔ اس لئے کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بغیر کسی پر خوش نہ ہو گی ——— دیکھو ناسخ التواریخ کتاب صفین، از کتب امیر المومنین علی علیہ السلام صفحہ ۲۴۱ ——— نیز ناسخ التواریخ، جلد سوم، از کتاب دوم صفحہ ۱۱۹ پر ایک شعر درج ہے ؎

لٰكِنَّ نَفْسِيْ تُحِبُّ الْعَيْشَ فِيْ شَرَفٍ
وَلَيْسَ يَرْضٰى بِذُلِّ الْعَيْشِ اِنْسَانُ

لیکن میرا دل عزت کی زندگی محبوب رکھتا ہے۔ اور بات یہ ہے کہ کوئی آدمی بھی ذلت کی زندگی پر خوش نہیں ہوتا۔

اُمید ہے کہ ناظرین کرام سمجھ گئے ہونگے کہ رضا کا صلہ بائے موحدہ ہو تو بھی خوشنودی کے معنی دیتی ہے۔ اور جو قانون ماسٹر صاحب نے گھڑا تھا۔ وہ بالکل عربی زبان سے جہالت پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن ہیثم بحرانی کی وہ روایت جس میں رضا مندیٔ سیدہ صراحتہً مذکور ہے۔ متکلمین شیعہ کے واسطے ہزار پریشانی کا باعث ہے۔

یہ پریشان خیالی نہیں تو اور کیا ہے جو ماسٹر صاحب اس روایت کو منقول از کتب اہل سنت قرار دے رہے ہیں۔ ——— دیکھو توثیق فدک صفحہ ۱۱۰ ——— اور جس کتاب کو کتاب اہل سنت مقرر کر کے اتحاد روایت کا دعوے کیا ہے وہ عجیب تر ہے۔ کہتے ہیں کہ حدیدی شرح نہج البلاغۃ ——— اہل سنت کی کتاب ہے کیونکہ اس کا مصنف ابن ابی الحدید سُنی ہے۔ مگر ابن ابی الحدید کے سُنی ہونے کی تردید کے حدیدی جلد اول کے ابتدا میں جو ترجمہ الشارح مذکور ہے۔ کافی ہے جہاں آپ کا شیعی ہونا واضح لکھا ہے۔ حدیدی شرح نہج البلاغۃ تو متنازعہ فیہ ہے۔ ہمارے نزدیک شیعہ کی کتاب ہے، اور تمہارے نزدیک اہل سنت والجماعۃ کی کتاب ہے۔ اس لئے اصول مناظرہ کے لحاظ سے ماسٹر صاحب کے لئے جائز نہ تھا کہ حدیدی کو اس سلسلہ میں پیش فرماتے۔ کیا اس کے علاوہ اہل سنت کی کوئی کتاب نہیں؟ لاکھوں کتابیں اہل سنت والجماعت کے فضلا کی تالیف ہیں جن کے سُنی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگر ابن ہیثم بحرانی کی روایت رضامندی سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کتب اہل سنت والجماعت سے منقول ہے تو ان کتابوں میں سے نکال کر پیش کرو۔ جن کے سنی تالیف ہونے میں کلام نہ ہو۔

دُوسری گزارش

دوسری گزارش یہ ہے کہ ابن ہیثم بحرانی کی روایت اور ابن ابی الحدید کی روایت میں کافی اختلاف ہے دونوں روایتوں کو سامنے رکھئے۔ الفاظ اور معانی اور مضمون میں واضح فرق نظر آئے گا جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ باوجود اس اختلاف معانی اور مضمون کے ابن ہیثم بحرانی کی روایت کو حدیدی کی شرح نہج البلاغۃ، جلد دوم، صفحہ ۲۹۶ سے منقول تبلانا اور دونوں روایتوں کے اتحاد کا دعوے کرنا ایک ایسا فرضی قصہ ہے جسے واقعیت کی بو تک حاصل نہیں ہوئی

تیسری گزارش

تیسری گزارش یہ ہے کہ ابن ابی الحدید نے یہ روایت احمد بن عبدالعزیز جوہری بصری کی کتاب السقیفہ سے نقل کی ہے۔ اول تو کتاب السقیفہ ہی اپنے مؤلف کے مذہب کے واشگاف کرنے میں بے غبار ہے۔ کتاب السقیفہ کے مطالعہ کرنے کے بعد کوئی منصف نہیں کہہ سکتا کہ اس کا مصنف سنی ہے۔ شیعہ مزعومات کو پوری احتیاط سے اس کتاب میں درج کیا گیا ہے۔ دوسرے احمد بن عبدالعزیز جوہری کو شیخ طوسی نے امامیہ رجال کی فہرست میں درج فرمایا ہے۔ اور ان کے سنی ہونے کا کوئی اظہار نہیں فرمایا یہ ان کے شیعی ہونے کی واضح دلیل ہے۔ چنانچہ علامہ طباطبائی کا ارشاد تنقیح المقال کے فائدہ ۱۹ میں یوں تحریر کیا ہے۔

اَلظَّاهِرُ اِنَّ جَمِيْعَ مَاذَكَرَهُ الشَّيْخُ فِي الْفِهْرِسَتِ مِنَ الشِّيْعَةِ الْاِمَامِيَّةِ اِلَّا مَنْ نَصَّ عَلَيْهِ عَلٰى خِلَافِ ذٰلِكَ۔

"یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو شیخ طوسی نے اپنی کتاب نامی فہرست میں ذکر کیا ہے وہ سب کے سب شیعہ امامیہ میں سے ہیں۔ مگر وہ لوگ جن کے بارے میں اس کے خلاف وضاحت کر دی ہے"

بھلا اس عالم کو بھی کوئی مجہول الحال لکھ سکتا ہے؟ جس کی تصنیف مشہور عالم ہو اور شیعی مصنفین اس کے فیوضات سے مالا مال ہو چکے ہوں۔ جس شیعہ فاضل نے کتاب السقیفہ تصنیف کی ہے اس کے احسانِ عظیم کو شیعہ قوم قیامت تک فراموش نہیں کر سکتی۔

شیعہ وسُنّی میں فرق

جناب ماسٹر صاحب اس خیال میں ہیں کہ جو شخص بھی حضرت صدیقِ اکبر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایماندار جانتا ہے وہ سُنّی ہے اور جو شخص ایسا نہیں ہے وہ شیعہ ہے۔ اسی وجہ سے آپ ابن ابی الحدید کو سُنّی قرار دیتے ہیں ——— حالانکہ شیعہ وسُنّی میں یہ تفریق بالکل سطحی اور عامیانہ ہے جو شخص شیعہ کے باہمی اختلافات اور ان کے تعدد مسالک کو جانتا ہے وہ مذکورہ بالا امتیاز کو لاشئے قرار دیتا ہے قاضی نور اللہ شوستری نے جو شیعہ وسُنّی میں تفریق کی ہے وہ ایک خاص غرض پر مبنی ہے وہ بھی حقیقت کی ترجمانی نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ شیعہ وسُنّی دو الگ الگ مذہب ہیں۔ ہر ایک کے اصول وفروع جدا جدا ہیں۔ اہلِ سنت کے اصول وفروع کے لئے مستقل کتابیں ہیں۔ اسی طرح شیعہ کے اصول وفروع کے بیان میں بھی مستقل تصنیفات ہیں۔ اہلِ سنت کے ممبر اپنے خاص اصول وفروع کی کتابوں میں جو کچھ درج ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور شیعہ لوگ اپنے اصول وفروع کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ صرف خلافت کے مسئلہ کو باعث تفریق بنانا ظلم عظیم ہے۔ خود ہی ہمارے پاکستان میں ایسے شیعہ اہلِ علم بھی ہیں جو سیدنا حضرت صدیقِ اکبر ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور سیدنا حضرت فاروقِ اعظم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کامل ایماندار اور ان کی خلافت کو خلافتِ راشدہ جانتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے تمام اصول وفروع میں پکے شیعہ ہیں۔ جیسا کہ مولانا مظہر علی صاحب اظہر جن کو شیعہ لوگ اپنے تبلیغی اجتماعات میں لیکچروں کے واسطے دعوت دیتے رہتے ہیں۔ اور جن کے شیعہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ مگر باوجود اس کے آپ لکھنؤ میں مدح صحابہ کا جھنڈا لے کر گئے تھے۔ اور اپنے رفقاسمیت گرفتار ہوئے تھے۔ اگر اس بات میں شبہ ہو تو احرار لیڈروں سے خط وکتابت کریں۔

قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں ان شیعہ حضرات کا بھی تذکرہ کیا ہے جن کے شیخین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے مناقب کے بیان میں قصیدے موجود ہیں۔ اگر طوالت سے نہ ڈرتا تو وہ قصیدے نقل کر دیتا ——— ابن ابی الحدید صرف شیعی نہیں بلکہ غالی شیعوں میں سے ہے۔ جیسا کہ اس کے سات قصیدے شاہد ہیں۔ شیعہ وسُنی میں امتیاز کے لئے اصطلاح کو مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اگر اصطلاح سے قطع نظر کر لیا جائے اور صرف لغوی معانی کو سامنے رکھ کر شیعہ وسنی میں امتیاز قائم کرنے کی سعی کی جائے تو اس میں کامیابی ممکن نہ ہوگی۔ کیونکہ لغوی معنی کے لحاظ سے سنی وہ ہے جو سنتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تابعداری کرے۔ اور ظاہر ہے کہ شیعہ لوگ بھی سنتِ رسولؐ ہی کی تابعداری کا دم بھرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ جن اعمال کو وہ سنتِ رسُولؐ سمجھتے ہیں ہم انہیں ہرگز سنتِ رسُولؐ نہیں یقین کرتے۔ پس لغوی معنی کے اعتبار سے تمام شیعہ لوگ سُنی ہیں۔ اسی طرح عربی لغت کے لحاظ سے شیعہ گروہ اور جماعت کو کہتے ہیں اگر اس کی اضافت حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ہو اور شیعۂ علی کہا جائے تو کون کہتا ہے کہ سُنی حضرات جناب سیدنا علی مرتضیٰ کی جماعت نہیں

ہیں ؟ پس لغت عرب کے اعتبار سے تمام سُنی لوگ شیعہ کہلا سکتے ہیں۔ کتب شیعہ میں تو شیعۂ معاویہؓ کی ترکیب بھی موجود ہے۔ اب واضح ہوگیا کہ شیعہ و سُنی کی تفریق لغت کے اعتبار سے ممکن نہیں۔ بلکہ اصلاح کو دیکھنا ہوگا۔ اور ظاہر باہر ہے کہ اصلاحِ متکلمین فریقین میں شیعی وُہ ہے جو مخصوص اصول و فروع کا پابند ہو، اسی طرح سنی وہ ہے جو ایک خاص قسم کے اصول و فروع کا معتقد ہو۔ اگر ابن ابی الحدید نے متکلمین شیعہ کی چند ایک روایات کو غلط قرار دیا ہے تو کیا ہوا ؟ شیعہ کی جن روایات اور عقائد کی اس نے تائید کی ہے ان کا بھی تذکرہ کرنا چاہیئے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ علمائے ایران اور مجتہدین لکھنؤ نے جو ابن ابی الحدیدؒ کو شیعہ لکھا ہے۔ انہوں نے صحیح لکھا ہے۔ اور ماسٹر منظور حسین صاحب نے جو اس کے سُنی ہونے پر زور دیا ہے۔ سخت بے جا ہے۔ اور ماسٹر صاحب نے جس راہ میں قدم رکھا ہے وُہ سنگلاخ اور بہت ہی کٹھن راستہ ہے۔ ایک تو ابنِ میثم بحرانی کی روایت کو بعینہا وہ روایت ثابت کرنا جو ابن ابی الحدید میں ہے مشکل ہے۔ دوسرے ابن ابی الحدید کو سنی ثابت کرنا اس سے بھی مشکل ہے۔ آپ کے لئے نہایت آسان راستہ یہ تھا کہ ابن میثم بحرانی کی زبانی کہلوا دیتے کہ مَیں نے یہ روایت اہل سنت کی کتابوں سے وصول کی ہے۔ یا پھر بذاتِ خود اہل سنت کی مسلم کتابوں سے یہی روایت نکال کر دکھلا دیتے۔

ضمیمۂ تحقیقِ فدک صفحہ نمبر ۸۳

اس لئے کہ اس قسم کی کوئی روایت اہل سنت کی کتابوں میں موجود نہیں ہے راقم الحروف نے جس وقت یہ فقرہ لکھا اس وقت اس کے علم میں سیرتِ حلبیہ اور

فتح الباری شرح صحیح بخاری کی وہ روایت موجود تھی جو ماسٹر صاحب پیش کر کے بغلیں بجا رہے ہیں، اور لوگوں کو باور کرا رہے ہیں کہ مؤلف ______ تحقیق فدک کو ان روایات کا علم نہیں تھا، جواب میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ سب کچھ جاننے والا صرف خدا تعالےٰ ہے۔ خدام اہل سنت تو انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی سب کچھ جاننے میں خدا کا شریک نہیں جانتے۔ چہ جائیکہ کسی اہل علم کے بارے اس قسم کا خیال ظاہر کریں۔ اور راقم الحروف تو اپنے آپ کو تمام فضلائے کرام اہل سنت سے کم علم جانتا ہے۔ علمائے اہل سنت میں اس وقت بھی ایسے حضرات موجود ہیں جن کے سامنے اپنے آپ کو ایک طالب علم خیال کرتا ہوں بس جو چیز مجھے معلوم نہیں ہے۔ اس کے بارے اپنی لاعلمی کا اظہار کوئی باعث شرم اور موجب حجاب نہیں ہے۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ تحقیقِ فدک میں درج شدہ فقرہ صرف یہ بات ظاہر کرنے کے لئے لکھا گیا ہے کہ ابن میثم بحرانی کی شرح نہج البلاغۃ میں جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رضامندی کی روایت موجود ہے وہ اس مضمون کے ساتھ اہل سنت کی کسی کتاب میں موجود نہیں ہے۔

اب ناظرین کرام ! سیرتِ حلبیہ اور فتح الباری شرح صحیح بخاری کی روایات کو سامنے رکھ کر بتلائیں کہ آیا ابن میثم کی روایت کا مضمون مذکورہ دونوں کتابوں کی روایات میں دیکھا جا سکتا ہے ؟ اگر جواب صیغۂ اثبات میں ہے تو ابن میثم بحرانی کی روایت کو حدیدی شرح نہج البلاغۃ میں سے منقول بتلانے کی کیا ضرورت تھی ؟ صاف لکھ دیتے کہ ابن میثم بحرانی کی روایت مشتمل بر رضامندیٔ سیدۂ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیرتِ حلبیہ اور فتح الباری سے منقول ہے۔ اگرچہ یہ بات بھی فساد سے خالی نہ ہوتی۔ مگر اتنا تو ہو جاتا کہ فرضی منقول عنہ اہل سنت کی مسلم کتابیں تو پیش ہو جاتیں ______ حدیدی کی طرح فرضی منقول عنہ مشکوک تو قرار نہ دیا

جاتا ـــــــ معلوم ہوگیا کہ سیرت حلبیہ اور فتح الباری میں ابن میثم بحرانی کی روایت کا مضمون موجود نہیں ہے۔ صرف ایک رضامندی کے فقرہ کے اشتراک سے آپ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ جبکہ باقی تمام اجزائے روایت مختلف ہیں اور یہی اختلاف ہے جو آپ کو حدیدی کی طرف دھکیل کر لے گیا ہے۔ اگرچہ حدیدی اور محدث بحرانی کی روایتوں میں بھی اختلاف موجود ہے مگر وہ نسبتاً تھوڑا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ شارح بحرانی شیعی کی روایات رضامندی میں ابتدائی رضامندی ہے، اور فتح الباری و سیرت حلبیہ میں بعد از غضب رضامندی ہے۔ اگر بصیرت کی ہمراہی نصیب ہو تو یہ فرق عظیم ہے۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۸۱

جواب سوم کی تردید کرتے ہوئے ماسٹر منظور حسین صاحب اپنی توثیق فدک کے صفحہ ۱۱۳ پر لکھتے ہیں "دربارِ حاکم میں جتنے دعوے بی بی پاک نے کئے حضرت علی برابر قرآن و حدیث سے احتجاج کرتے رہے۔ زبان سے جتنا ہو سکا اتنا کیا جس پر بی بی ناراض ہوئی اس پر حضرت امیرؓ بھی ناراض رہے"۔

ناظرین کرام! میری کتاب تحقیق فدک صفحہ ۸۱ سامنے رکھ کر منظوریات کا مطالعہ کریں۔ تو معلوم ہوگا کہ اس کو جواب کا نام دینا بھی ظلم عظیم ہے۔ غصب حقوق کے موقع پر صرف زبان کے استعمال سے تو کمزور ترین آدمی بھی عاجز نہیں ہوتا اگر حسب زعم شیعہ بالخصوص ماسٹر منظور حسین صاحب حضرت علیؓ نے بھی صرف زبانی جمع خرچ سے کام لیا تو اس دنیا کے کمزور ترین انسان میں اور اسد اللہ الغالب [illegible] عنہا کی امداد کے موقعہ پر وہ قوت

اور طاقت بیدار نہ ہو جو اُحد، بدر، حنین، خندق، تبوک، اور خیبر میں جلوہ گر ہوئی تھی تو منصفوں کے نزدیک پر پشہ کی وقعت بھی نہیں رکھتی۔ اگر حضرت شیرِ خدا رضی اللہ عنہ اس موقعہ پر زور آزمائی کرتے اور زور بازو کو استعمال فرماتے تو حسب دستور فتح مندی انہیں کے قدم چومتی، اور اگر مارے جاتے تو شہید ہو جاتے۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد کتب حدیث فریقین میں ہے۔ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ۔ یعنی جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔ اور ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرام میں سے ہر ایک متنفس خدا کی راہ میں شہادت کا جویاں تھا۔ ڈاکٹر اقبال نے اسی مضمون کا ترجمہ کیا ہے ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی،

اس سے بڑھ کر حضرت علی مرتضیٰ کو کیا چاہیئے تھا! ایک منصوص حق کی خاطر شہید ہو جانے سے بڑھ کر کون سی سعادت مندی کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا فرض صرف زبانی تقریروں سے ادا ہو گیا تھا تو پھر حضرت سیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے ازراہِ طعن و ملامت آپ سے کیوں فرمایا۔

یَابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اِشْتَمَلْتَ شَمْلَۃَ الْجَنِیْنِ وَقَعَدْتَ حُجْرَۃَ الظَّنِیْنِ ـــــــ اے ابو طالب کے بیٹے! اپنے آپ کو چادر میں لپیٹ لیا ہے، جیسا کہ ماں کے پیٹ میں بچہ ایک پردہ میں لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ اور حجرہ میں چھپ کر بیٹھ گیا ہے۔ جیسا کہ تہمت زدہ لوگوں سے چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں۔۔

کیا کوئی اہل زبان یا عربی دان مذکورہ بالا کلام سیدہ کو رضامندی کے اظہار کے واسطے قرار دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ اس کلام سے ناراضگی اور فرطِ غضب ٹپک رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنا فرض اعانت ادا نہیں کیا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے طرزِ عمل کے بارے میں حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فتوےٰ صحیح اور درست تھا جن کے مقابلے میں تاویلات منظور یہ کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ دراصل ماسٹر صاحب اس موقع پر حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فہم و فراست پر مطمئن نہیں ہیں۔ کیونکہ جنابہ سیدہؓ تو حضرت علیؓ کے طرزِ عمل سے ناخوش ہیں۔ اور ماسٹر صاحب ہیں کہ حسب زعم شیعہ علوی طرزِ عمل کی تصحیح اور تصویب کے واسطے تاویلات رکیکہ کام میں لارہے ہیں اس موقعہ پر شیعہ مصنفین نے ایک وصیت بھی تصنیف کر ڈالی ہے۔ جس کی نسبت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کر دی ہے۔ اور جس کا مضمون یہ ہے۔

"کہ اے علی! میرے بعد صبر سے کام لینا ہوگا" چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اقرار کیا کہ اے رسولِ خدا! میں صبر کا دامن ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ چاہے اس میں میری عزت کی ہتک بھی ہو جائے۔ اور چاہے سنن نبویہ کو بیکار کر دیا جائے۔ اور چاہے خانہ کعبہ کو گرا دیا جائے۔ اور چاہے کتاب خدا کو پھاڑ ڈالا جائے۔ اور چاہے میری ڈاڑھی میرے لہو سے رنگ کر دی جائے ——

دیکھو اصول کافی مطبوعہ تہران صفحہ ۶۸۔

یہی وصیت ہے جس کا دن رات ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ اور منظور حسین صاحب اپنی کتاب کے ہر ایک صفحہ پر جس کو دہراتے رہتے ہیں۔ اب عقل و بصیرت سے حصہ رکھنے والے اس وصیت میں غور کریں۔

کیا ایسی وصیت ممکن بھی ہے؟ کیا ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس قسم کی وصیت حضرت علیؓ سے ارشاد فرماویں؟ جس میں قرآن و حدیث اور کعبۃ اللہ اور عزتِ نفس سے بے پرواہی کا اقرار لیا گیا ہو۔

اس وصیت نامہ کی تصنیف کی ضرورت شیعہ مصنفین کو اس وقت پیش آئی۔ جب خدام اہل سنت والجماعت نے رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کی تشریح کرتے ہوئے صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کے باہمی تعلقات اور حسنِ معاملات کو دنیا کے سامنے رکھا۔ تحقیقِ فدک صفحہ ۸۱ پر ثابت کیا گیا ہے کہ اگر شیعہ عقائد کے مطابق تسلیم کر لیا جائے۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا حضرت صدیقِ اکبرؓ سے ناراض ہوئی تھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ حضرت علیؓ پر ناراض نہ ہوں۔ کیونکہ دونوں بزرگوں کے جرم میں حسب مزعومات شیعہ کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر صدیق اکبر غصب اراضی فدک کے مجرم ہوئے ہیں۔ تو حضرت شیرِ خدا امداد پر قدرت رکھتے ہوئے اور فدک واپس دلانے پر قادر ہوتے ہوئے حضرت سیدہؓ کی امداد نہ کرنے کے مجرم ہیں۔ اس موقعہ پر مذکورہ بالا فرضی وصیت شیعہ کو کام دیتی ہے۔ اور بے تکلف کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو اپنی طاقت کے استعمال کی اجازت نہ تھی۔ حسب وصیت پیغمبرؐ زور آزمائی نہیں کر سکتے تھے۔

کیا کوئی شیعی محقق ہے جو اس رازِ سربستہ کو کھولے۔ اور ہمیں بتلائے کہ حضورؐ کی زندگی میں شیرِ خدا کو اپنی طاقت کے استعمال کی اجازت تھی۔ چنانچہ آپ نے بہت سے میدان مارے، اور ناممکن قلعے فتح کئے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنے والے زمانوں میں حضرت شیرِ خدا کو پابند کر دیا اور تاکید کر دی کہ میرے بعد آپ کو اظہارِ طاقت استعمال قوت ممنوع ہے؟ حالانکہ آنحضورؐ کے بعد اسلام کو شیرِ خدا کی خداداد شجاعت اور بہادری کی زیادہ ضرورت تھی —— معلوم ہو گیا کہ یہ وصیت نامہ من گھڑت ہے۔ اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اگر دو منٹ

کے لئے اس وصیت نامہ کو درست تسلیم کر لیا جائے تو حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی اعانت دربارہ فدک اس سے مخصوص ہو سکتی تھی۔ بلکہ میرا دعویٰ ہے کہ بصورت صحت وصیت مذکورہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی امداد اور آپ کے واسطے استعمال طاقت اس وصیت سے مخصوص اور مستثنیٰ ہے۔ علم اصول فقہ کی اصطلاح میں اس کو عام مخصوص البعض کہا جاتا ہے۔ عام مخصوص البعض جس طرح اہل سنت والجماعت کے یہاں بکثرت پایا جاتا ہے۔ اسی طرح مجتہدین شیعہ نے بھی اس کو بے شمار مواضع میں استعمال کیا ہے۔ یہ چیز مُسلّم ہے اس واسطے کسی کتاب کے حوالے کی ضرورت نہیں۔ البتہ کسی عام سے کسی جزئیہ کو مخصوص ثابت کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ سو اس وصیت سے حضرت سیدہ کی اعانت کو مخصوص اور مستثنیٰ ثابت کرنے کے لئے وہ حدیث مرفوع دلیل ہے۔ جس کو شیعہ و سُنّی محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔

اَلْفَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّیْ فَمَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ اَوْ کَمَا قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

یعنی فاطمہ میرے بدن کا ایک حصہ ہے۔ پس جس نے اس کو دکھایا اس نے مجھے دکھایا۔ اور جس نے مجھے دکھایا اس نے خدا تعالیٰ کو دکھایا۔

یہ حدیث بتلا رہی ہے کہ سیدہ فاطمہؓ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدنِ مبارک کا ایک حصہ ہے۔ پس جس طرح حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں آپ کی ہر طرح سے حفاظت کی ہے۔ اور آپ کے دشمنوں کو تلوار کی نوک سے دشمنی کا مزہ چکھایا ہے۔ اسی طرح حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہر طرح سے حفاظت اور آپ کے دشمنوں کو کیفر کردار تک

پہنچانا آپ کا فریضہ ہے۔ اس حدیث کا پہلا فقرہ ہی مفروضہ وصیت کی تخصیص کے لئے کافی ہے ——— اور اگر حدیث مذکورہ کے فقرۂ ثانی میں غور کیا جائے تو وہ بھی دلیل تخصیص بننے کے لئے تیار ہے، کیونکہ اگر غصب فدک شیعہ خیالات کے مطابق حضرت سیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے دکھیا ہو جانے کا سبب ہے تو اسد اللہ الغالب کی شجاعت اور ذوالفقار کا حرکت میں نہ آنا اور حسب روایت احتجاج طبرسی حجرے میں روپوش رہنا بدرجہا زیادہ موجب ایذا ہے۔ اس لئے یہ فقرہ بھی بتلا رہا ہے کہ اس فرضی وصیت سے جس کو اصول کافی میں مولوی ابو جعفر کلینی نے روایت کیا ہے ——— حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس قسم کے مواقع میں امداد بھی مخصوص ہے۔ اس دنیا کے مسلمات میں سے ہے کہ جو عزیزیہ امداد کے موقع پہ باوجود قدرت کے امداد نہیں کرتا۔ اس میں اور دشمن میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

منصور حلاج کو لوگ پتھر مار رہے تھے۔ تو آپ خوش خرم تھے لیکن جب شبلی نے ایک گلاب کا پھول آپ کی طرف پھینکا تو زار و قطار رونے لگے۔ ——— اس کی وجہ یہی تھی کہ دوسرے نامحرم تھے۔ اور حضرت شبلیؒ محرم تھے اور عزیز۔

اس وصیت کو مخصوص البعض بنانے سے شیعہ کو چارہ نہیں ہے۔ اگر مخصوص البعض تسلیم نہیں کریں گے تو صفین کی جنگ کا کیا جواب دیں گے۔ جب صبر کی وصیت تھی تو صفین کی جنگ میں سامان جنگ کیوں جمع کیا گیا تھا ——— ؟ اس سوال کے جواب میں بغیر اس[1] کے شیعہ متکلمین کیا کہہ سکتے ہیں کہ ایک مرفوع حدیث نے اس لڑائی کو مباح کر دیا تھا[1] ———

---

[1] تو اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ حدیث بضعہ مذکورہ نے بھی حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی امداد کو اور آپ کے واسطے طاقت کے استعمال کو مباح کر دیا تھا۔

اب دو سنٹ گزر چکے ہیں۔ اس لئے فرضی وصیت کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ شیعہ مصنفین کے ہر ایک فرد نے اس وصیت کو آڑ بنایا ہے کیونکہ اس وصیت کے تسلیم کر لینے سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر ایک ایسا اعتراض وارد ہوتا ہے جس کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تیئیس برس کی طویل مدت میں حضرت علیؓ کو صبر کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ آپ کی خداداد شجاعت اور بے حساب طاقت کو سلام کی خاطر استعمال فرمایا۔ لیکن وفات کے بعد صبر کی وصیت کر کے طاقت کے استعمال کو روک دیا۔ فرائض خداوندی اور حدود الٰہی مٹا دیئے جائیں تو کوئی پرواہ نہیں معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی زندگی میں اسلام کی حفاظت منظور تھی وفات کے بعد اسلام کی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی پرواہ نہ تھی۔ کیا خدا تعالےٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف (۲۳) تیئیس برس کی مدت تک اسلام کی اشاعت اور حفاظت کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ اس کے بعد اسلام کی اشاعت اور حفاظت آپ کے پروگرام سے خارج تھی۔ حَاشَا وَکَلَّا جب قیامت تک آپ رسول ہیں۔ آپ کے بعد کسی ہستی کے رسول بنائے جانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے تو پھر آپ اپنے عزیزوں، مخلصوں کو کس طرح وصیت کر سکتے ہیں۔ کہ اسلام اور اس کے احکام مٹا دیئے جائیں تو بھی اپنی تلواروں کو حرکت نہ دینا اور فرائض خداوندی اور حدود الٰہی کو معطل کر دیا جائے تو بھی صبر کے دامن کو قابو میں رکھنا ہوگا سبحان اللہ! عجیب وصیت ہے۔ قرآن پھاڑ دیا جائے کعبۃ اللہ گرا دیا جائے تو بھی ہاتھ پاؤں کو حرکت دینا موجب گناہ ہے۔ پھر اسلامی غیرت کس جانور کا نام ہے! ماسٹر صاحب اپنی توثیق فدک کے صفحہ ۱۱۳ پہ لکھتے ہیں کہ زبان سے جتنا ہو سکا اتنا کیا۔ خدا کے بندے! کیا یہ موقعہ تقریروں اور لیکچروں کا موقعہ تھا؟ زبانی جمع

خرچ اور شیر خدا کیا یہ دونوں کلمے آپس میں کوئی مناسبت بھی رکھتے ہیں۔؟ باطل کو جس قدر ملمع کر کے خوبصورت بنایا جائے آخر باطل ہی رہتا ہے۔ وہ حق نہیں بن جاتا اور عقلمند آدمی دیر یا سویر معلوم کر ہی لیتا ہے۔ چنانچہ ماسٹر صاحب کی قلم ملمع رقم سے بھی ایک ایسا فقرہ ٹپک پڑا جو اس جعلی وصیت کے باطل ہونے پر روشنی ڈال رہا ہے۔

دیکھیئے وہ اپنی توثیق فدک کے صفحہ ۱۱۴ پہ لکھتے ہیں۔

"بموجب وصیت پیغمبرؐ حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کو اتنا ہی کرنا مطلوب تھا جو زبان سے دنیا کو کر دکھایا اگر یہ قصہ نہ ہوتا تو واقعی یہ امور ناشائستہ اہل بیت کو پیش نہ آتے۔ خیبر و خندق کے معرکے فتح کرنے والی تلوار کند نہ ہو گئی تھی۔"

ناظرین کرام! منظور حسین صاحب کی مذکورہ عبارت میں سرسری نگاہ ڈالنے سے واضح ہو رہا ہے کہ اہل بیت کو جس قدر ناشائستہ حالات پیش آئے آپ کے نزدیک ان کا واحد سبب یہی وصیت پیغمبرؐ ہے۔ پس جو چیز امور ناشائستہ کا سبب ہے کیا وہ شائستہ اور برحق ہو سکتی ہے؟ امور ناشائستہ سے ماسٹر صاحب کی مراد فدک کا چھن جانا اور خلافت متصلہ سے محروم ہو جانا اور بزعم شیعہ غاصبوں کی اقتدا میں چوبیس برس نماز پڑھنا وغیرہا ہیں۔ جب ماسٹر صاحب کے نزدیک ان تمام خرابیوں کی اصل جڑ وہ وصیت پیغمبرؐ ہے۔ تو حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر ناراضگی بے جا ہے۔ بلکہ شیعی دنیا کو وصیت کرنے والے پر ناراض ہونا چاہیئے۔ اور کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خفا ہوں مگر از روئے تقیہ اس چیز کو ظاہر کرتے ہوں۔ اگر دوسرے شیعہ لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خفا نہ بھی ہوں

تو ماسٹر صاحب کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ناراضگی تو ان کی اپنی عبارت سے ٹپک رہی ہے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رضامندی کی تشریح

کتاب تحقیق فدک از صفحہ ۷۱ تا صفحہ ۸۷ پر شیعی روایات سے نیز عقلی دلیل سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راضی تھیں۔ کسی قسم کی رنجش اور کشیدگی واقع نہ ہوئی تھی۔ اور ابن میثم شیعی کی مذکورہ روایت پر جو اعتراضات وارد ہو سکتے تھے ان کے جوابات حسب مسلمات شیعہ تفصیل کے ساتھ درج کر دیئے تھے۔

اب اس ضمیمہ میں کتب اہل سنت والجماعت سے مسئلہ رضامندی لکھا جاتا ہے

دیکھو کتاب ریاض نضرہ جلد اول صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ مصر

(۱) عَنْ عَامِرٍ قَالَ جَآءَ اَبُوْبَکْرٍؓ اِلٰی فَاطِمَۃَؓ وَقَدِ اشْتَدَّ مَرَضُہَا فَاسْتَاْذَنَ عَلَیْہَا فَقَالَ لَہَا عَلِیٌّ ہٰذَا اَبُوْبَکْرٍ عَلَی الْبَابِ یَسْتَاْذِنُ فَاِنْ شِئْتِ اَنْ تَاْذَنِیْ لَہٗ؟ قَالَتْ اَوَذَاکَ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ نَعَمْ فَدَخَلَ فَاعْتَذَرَ اِلَیْہَا وَکَلَّمَہَا فَرَضِیَتْ عَنْہُ

عامر بن شعبی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے۔ درحالیکہ آپ کا مرض شدت اختیار کر چکا تھا۔ پس گھر میں داخل ہونے کے لئے اذن طلب کیا۔ تو حضرت علی مرتضیٰ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ یہ ہیں حضرت ابوبکرؓ دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں اندر آنے کو اذن طلب کرتے ہیں۔ پس اگر آپ چاہتی ہیں کہ ان کو اندر آنے کے لئے اذن

دے دیں۔ تو ضرور دے دیں۔ حضرت سیدہ فاطمہؓ نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آیا یہ چیز آپ کو محبوب ہے؟ جواب ارشاد فرمایا: کہ ہاں یہ چیز مجھے محبوب ہے۔ پس اذن مل جانے پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے عذر پیش کئے اور گفتگو کی پس حضرت فاطمہؓ حضرت صدیق اکبرؓ سے راضی ہو گئیں۔

(۲) کتاب مذکور جلد مذکور صفحہ ۱۵۷ پر ــــــــــــ وَعَنِ الْاَوْزَاعِیْ قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ فَاطِمَۃَ بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَضِبَتْ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَخَرَجَ اَبُوْبَکْرٍ حَتّٰی قَامَ عَلٰی بَابِہَا فِیْ یَوْمٍ حَارٍّ ثُمَّ قَالَ لَا اَبْرَحُ مَکَانِیْ حَتّٰی تَرْضٰی عَنِّیْ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ عَلَیْہَا عَلِیٌّ فَاَقْسَمَ عَلَیْہَا لِتَرْضٰی فَرَضِیَتْ خَرَّجَہُ ابْنُ السَّمَّانِ فِی الْمُوَافَقَۃِ

امام اوزاعی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول خدا کی بیٹی فاطمہؓ ابوبکرؓ پر ناراض ہوئی۔ پس ابوبکر سخت گرمی کے وقت آپ کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ اور کہا جب تک دختر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی نہ ہوں گی میں اس مکان کو ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ پس حضرت علی گھر میں داخل ہو گئے اور حضرت فاطمہ کو تاکید کی کہ راضی ہو جائیں۔ پس آپ راضی ہو گئیں۔

ناظرین کرام! پہلے پہل ان دونوں روایات کی تصدیق اور تصویب درج کی جاتی ہے۔ اس کے بعد تشریح کی جائے گی۔ جس سے وہ علوم ظاہر ہوں گے جو ان روایات میں مضمر اور پوشیدہ ہیں۔

تصحیح روایات رضامندی

پہلی روایت جو کہ حضرت عامر شعبی سے مروی ہے اس کی تصحیح اور تصدیق کرنے والوں کے اسمائے گرامی مع حوالہ جات کتب ملاحظہ ہوں۔

(۱) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی کتاب "فتح الباری" شرح صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۱۵۱ پر لکھا ہے ——— وَاَخْلَقُ بِالْاَمْرِ اَنْ یَّکُوْنَ کَذٰلِکَ لِمَا عُلِمَ مِنْ وُفُوْرِ عَقْلِهَا وَدِیْنِهَا عَلَیْهَا السَّلَام

اور رضامندی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مناسب ترین چیز ہے۔ کیونکہ آپ کی عقلمندی اور دینداری کی کثرت کا تقاضا یہی ہے۔

(۲) علامہ حافظ الحدیث شیخ بدر الدینؒ عینی کی کتاب "عمدۃ القاری" شرح صحیح بخاری، مطبوعہ مصر، جلد ۱۵، صفحہ ۲۰

(۳) شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب "مدارج النبوت" جلد دوم، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ، صفحہ ۴۹۵ پر رضامندی فاطمہؓ کی روایت کو تحقیقی روایت قرار دیا ہے۔

(۴) طبقات کبریٰ۔ از ابن سعد، مطبوعہ بیروت، جلد ۸، صفحہ ۲۷

(۵) علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب "البدایہ والنہایہ" جلد ۵ صفحہ ۲۸۹ ——— پر رضامندی فاطمہؓ کی روایت کی سند کو جید اور قوی کہا ہے۔

(۶) سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۳۹۹ ——— اور امام اوزاعی کی روایت کی تصدیق اور تصحیح کرنے والے شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی ہیں دیکھو آپ کی کتاب "مدارج النبوت" جلد دوم، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ صفحہ ۴۹۶

میرے نزدیک امام فخر الدین رازی بھی امام اوزاعی کی روایت کے مصدق اور تصحیح اور توثیق کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۵۷

حدیث مرسل حجت ہے

چونکہ ماسٹر منظور حسین صاحب نے اپنی توثیق فدک کے بہت سے مقامات پر رضامندی سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کو مرسل ہونے کی بنا پر مردود قرار دیا ہے۔ اس لئے یہاں مرسل روایت کی حجیت و عدم حجیت کے مسئلہ کو ذرا تفصیل سے لکھا جاتا ہے ——— حدیث مرسل وہ حدیث ہے جس کا پہلا راوی صحابی مذکور نہ ہو، اور روایت مرسل وہ ہے جس کا اول راوی یعنی واقعہ کا مشاہدہ کرنے والا مذکور نہ ہو واقعی مرسل روایت کے قبول اور عدم قبول میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ مرسل حدیث کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ ملا علی قاری کی شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱۱ پر ہے ——— اِعْلَمْ اَنَّ کَوْنَهٗ خَبَرًا ضَعِیْفًا لَا یُحْتَجُّ بِهٖ اِنَّمَا هُوَ اِخْتِیَارُ جَمَاعَةٍ مِّنَ الْمُحَدِّثِیْنَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ وَطَآئِفَةٍ مِّنَ الْفُقَهَآءِ وَاَصْحَابِ الْاُصُوْلِ وَقَالَ مَالِكٌ فِی الْمَشْهُوْرِ عَنْهُ وَاَبُوْ حَنِیْفَةَ وَاَصْحَابُهٗ وَغَیْرُهُمْ مِّنْ اَئِمَّةِ الْعُلَمَآءِ کَاَحْمَدَ فِی الْمَشْهُوْرِ عَنْهُ اِنَّهٗ صَحِیْحٌ تُحْتَجُّ بِهٖ بَلْ حَکٰی اِبْنُ جَرِیْرٍ اِجْمَاعَ التَّابِعِیْنَ بِاَسْرِهِمْ عَلٰی قَبُوْلِهٖ وَاِنَّهٗ لَمْ یَاْتِ عَنْ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اِنْکَارُهٗ وَلَا عَنْ اَحَدٍ مِّنَ الْاَئِمَّةِ بَعْدَهُمْ۔

جان لو کہ حدیث مرسل کا ضعیف ہونا اور قابل حجت نہ ہونا محدثین کی ایک جماعت کے پسندیدہ ہے۔ اور امام شافعی کا قول یہی ہے اور فقیہوں اور اصولیوں کی ایک جماعت بھی اسی طرح کہتی ہے لیکن امام مالک سے جو بات مشہور ہے اور امام ابو حنیفہ اور ان کے تمام شاگرد اور ان کے علاوہ علماء اسلام کے امام جیسا کہ امام احمد سے مشہور ہے۔ یہ سب کے سب کہتے ہیں کہ مرسل حدیث صحیح ہے۔ اور اس سے حجت قائم ہوتی رہتی ہے۔ بلکہ علامہ ابن جریر طبری نے حدیث مرسل کے قبول کرنے

پر تمام تابعین کا اجماع نقل کیا ہے۔ اور اس بات کا بھی دعویٰ کیا ہے کہ تابعین میں سے کسی شخص سے حدیث مرسل کا اظہار منقول نہیں ہے۔ اور نہ ہی تابعین کے بعد دوسری صدی کے آخر تک کسی مجتہد سے حدیث مرسل کا انکار منقول ہے۔

ناظرین کرام! حضرت ملاّ علی قاری کی عبارت مذکورہ میں غور کرو۔ مرسل حدیث کے بارے میں کس صفائی سے اختلاف بیان فرمایا ہے امام شافعی اور محدثین کی ایک جماعت اسی طرح فقہا کی ایک جماعت اور اصولیوں کی ایک جماعت کا مختار یہ ہے کہ مرسل ضعیف ہے۔ لائق حجت نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ بلا فاصلہ امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کا مذہب اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کے تمام شاگردوں کا مذہب نقل کیا ہے۔ کہ حدیث مرسل حدیث صحیح ہے۔ لائق حجت ہے۔ صاحب فلک نجات اور اس کے مقلد ماسٹر منظور حسین صاحب تدریب راوی صفحہ ۶۶ سے آدھی بات نقل کرتے ہیں۔ اور آدھی بات ترک کر دیتے ہیں۔ تدریب راوی صفحہ ۶۶ پر بے شک امام شافعی کا قول حدیث مرسل کے ضعیف ہونے اور نا قابل احتجاج ہونے کے بارے میں لکھا ہے مگر اس کے بعد صفحہ ۶۷ پر درج ہے کہ امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد رحمہم اللہ تعالےٰ حدیث مرسل کو صحیح مانتے ہیں۔ اور اس کو قابل حجت جانتے ہیں ——

—— بتلایئے ماسٹر صاحب! صاحب تحقیق فدک حنفی ہیں یا نہیں؟

—— اگر وہ حنفی ہے اور یقیناً حنفی ہے تو حدیث مرسل اس کے یہاں صحیح اور لائق حجت ہوئی یا نہیں؟ نقل مذہب میں خیانت کرتے ہیں اور دل میں خیال کرتے ہیں کہ تحقیق فدک کا جواب لکھا گیا۔ تحقیق فدک کا جواب اسی طرح مشکل ہے جس طرح کہ تحفہ اثنا عشریہ کا جواب مشکل ہے۔

حدیث مرسل کے بارے میں شرح سفر سعادت مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔ صفحہ ۷ پر لکھا ہے۔

"ونزد امام ابو حنیفہؒ وامام مالک رحمۃ اللہ علیہما مقبول است مطلقاً وایشاں گویند کہ ارسال بجہت کمال وثوق واعتماد است زیرا کہ کلام در ثقہ است و اگر نزد وے صحیح نمی نمود وارسال وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نمی گفت"

شیخ عبد الحق صاحب دہلویؒ کی عبارت مذکورہ کا مطلب یہ ہے:

کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک کے نزدیک حدیث مرسل ہر حال میں حجت ہے۔ یہ حدیث کسی دوسری سند سے مروی ہو یا نہ ہو۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم معتبر راوی کی مرسل قبول کرتے ہیں۔ اور جو راوی معتبر ہے اسے حدیث کے صحیح ہونے پر کمال اعتبار اور پورا اعتماد ہے۔ اس لئے اس نے اوپر کا راوی ساقط کر دیا ہے اگر یہ حدیث اس کے نزدیک صحیح نہ ہوتی تو وہ اوپر کے راوی کو ہرگز ساقط نہ کرتا اور حدیث کی نسبت خدا کے رسول کی طرف ہرگز نہ کرتا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ جس طرح تدریب الراوی اور ملا علی قاری کی کتاب شرح نخبتہ الفکر اور شیخ عبد الحق دہلویؒ کی کتاب شرح سفر السعادت سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے تمام شاگرد اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث مرسل حجت ہے صحیح ہے۔ اسی طرح حنفی اصول فقہ کی تمام کتابوں میں درج ہے۔ کہ حدیث مرسل حجت ہے۔ بلکہ حنفی اصولی حضرات تو پوری سند والی حدیث پر مرسل کو ترجیح دیتے ہیں۔ جیسا کہ اصول فقہ کی مشہور و معروف درسی کتاب حسامی مطبوعہ مجتبائی دہلی، صفحہ ۶۷ پر ہے وَھُوَ فَوْقَ الْمُسْنَدِ فَاِنَّ مَنْ لَمْ یَتَّضِحْ لَہُ الْاَمْرُ نَسَبَہٗ اِلٰی مَنْ سَمِعَہٗ مِنْہُ لِیُحَمِّلَہٗ مَا تَحَمَّلَ عَنْہُ —— اور وہ مرسل جو ہے تو مسند، یعنی

پوری سند والی پر فوقیت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ جس شخص پر اس حدیث کا معاملہ واضح نہیں ہوا۔ اس نے اس حدیث کی نسبت اس کی طرف کر دی جس سے سُنی تھی۔ تاکہ جو بوجھ راوی نے اٹھایا ہوا ہے۔ وہ اس شخص پر رکھ دے جس سے سُنی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ راوی جب مروی عنہ کا نام ذکر کرتا ہے تو وہ اپنی گردن سے بوجھ اتار کر مروی عنہ کی گردن پر رکھتا ہے اور حدیث کے صحیح ہونے کی ذمہ داری لینے سے پہلو تہی کرتا ہے اور لوگوں کو اطلاع دے دیتا ہے کہ بھائی میں نے تو یہ حدیث فلاں بزرگ سے سماعت کی ہے۔ تم خود تحقیق کر لو۔ اگر وہ مروی عنہ معتبر ہے تو اس کی روایت کو قبول کر لو۔ اور اگر تمہارے نزدیک وہ معتبر نہیں ہے تو حدیث کو قبول نہ کرو۔ لیکن جو راوی اپنے اوپر کے درجے کے راوی کا نام ذکر نہیں کرتا وہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی ذمہ داری لیتا ہے اور اس کی صحت کا مدعی ہے۔ پس اگر حدیث مرسل ثقہ راوی نے روایت کی ہے تو اس کے صحیح اور قابل حجت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ کی طرف جو نسبت کیا گیا ہے کہ وہ مرسل کو حجت تسلیم نہیں کرتے اس میں بھی تفصیل ہے۔

چنانچہ تدریب الراوی صفحہ ۶۷ پر ان مرسل حدیثوں کا مذکور موجود ہے جن کو امام شافعیؒ نے قبول کیا ہے۔ بلکہ صاحب تدریب نے امام نووی شافعی سے نقل کیا ہے کہ جو لوگ امام شافعیؒ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ کسی صورت میں بھی حدیث مرسل کو قبول نہیں کرتے وہ غلط کہتے ہیں۔ کیونکہ امام شافعیؒ رحمہ اللہ تعالیٰ کچھ شرائط کے ساتھ حدیث مرسل کو قبول کر لیتے ہیں۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ حنفی اور مالکی اور حنبلی بھی ہر ایک مرسل کو تو قبول نہیں کرتے۔ یہ حضرات بھی مرسل کے راوی کے ثقہ اور معتبر ہونے کی شرط لگاتے ہیں۔

جیسا کہ شیخ عبدالحقؒ صاحب کی مندرجہ بالا عبارت میں بصراحت مذکور ہے۔ پس خوب واضح ہو گیا کہ حنفیوں کے نزدیک حدیث مرسل لائق حجت ہے بشرطیکہ اس کا راوی معتبر اور صدوق ہو۔

رضامندی سیدہ فاطمہؓ کے راویوں کا حال

ریاض نضرہ سے جو رضامندی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایات نقل کی گئی ہیں۔ ان میں سے پہلی روایت کے راوی عامر شعبی ہیں۔ اور دوسری روایت کے راوی امام اوزاعی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی ثقاہت اور صداقت لکھ دی جائے تاکہ روایات مذکورہ کے مرسل ہونے کی وجہ سے جو شکوک پیدا کئے گئے ہیں وہ کافور ہو جائیں۔

عامر بن شراحیل شعبی

بذل المجہود شرح ابوداؤد مطبع نامی میرٹھ ہند صفحہ ۵۵۔

ثِقَةٌ مَشْهُوْرٌ فَقِيْهٌ فَاضِلٌ يَقُوْلُ وَاَدْرَكْتُ خَمْسَمِائَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَقَالَ ابْنُ مَعِيْنٍ وَاَبُوْ ذُرْعَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ الشَّعْبِيُّ ثِقَةٌ.

"عامر بن شراحیل شعبی ثقہ مشہور ہوئے ہیں۔ اور قرآن و حدیث کے اسرار جاننے والے صاحب فضیلت ہیں۔ خود انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے پانچ سو صحابیوں کی زیارت کی ہے اور ابن معین اور ابو ذرعہ رازی اور ان کے علاوہ بہت سے ائمہ جرح و تعدیل نے کہا ہے کہ شعبی معتبر راوی ہیں۔

اسی طرح البدایہ والنہایہ میں علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

كَانَ الشَّعْبِيُّ مِنْ شَعْبِ هَمْدَانَ كُنْيَتُهُ اَبُوْ عَمْرٍو كَانَ عَلَّامَةَ اَهْلِ

الْكُوْفَةِ وَكَانَ إِمَامًا حَافِظًا ذَا فُنُوْنٍ وَقَدْ أَدْرَكَ خَلْقًا مِنَ الصَّحَابَةِ وَرَوَى عَنْهُمْ وَعَنْ جَمَاعَةٍ مِّنَ التَّابِعِيْنَ وَعَنْهُ أَيْضًا رَوَى جَمَاعَةٌ مِّنَ التَّابِعِيْنَ قَالَ أَبُوْ مِجْلَزٍ مَا رَأَيْتُ أَفْقَهَ مِنَ الشَّعْبِيِّ

"کنیت شعبی کی ابو عمرو تھی، اور وہ قبیلہ ہمدان کی شاخ میں سے تھا۔ اور تمام کوفہ کے اہل علم میں سے زیادہ عالم تھا۔ اور علوم شرعیہ میں امام اور خوب حافظ تھا۔ علم حدیث کے تمام فنون کا ماہر تھا۔ اور صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت کی زیارت کی تھی۔ اور ان سے روایات اخذ کی تھیں۔ اور تابعین کی جماعت سے بھی روایات حاصل کی تھیں۔ اور امام شعبی سے بھی تابعین کی جماعت نے روایات حاصل کی تھیں۔

حضرت ابو مجلز فرماتے ہیں کہ میں نے شعبی سے زیادہ کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔

(دیکھو البدایہ والنہایہ جلد نہم صفحہ ۲۲۰ مطبوعہ مصر)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ تدریب الراوی، معرفت حفاظ کے باب ۹۳ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ الْعُلَمَاءُ أَرْبَعَةٌ سَعِيْدُ ابْنُ الْمُسَيِّبِ بِالْمَدِيْنَةِ وَالشَّعْبِيُّ بِالْكُوْفَةِ وَالْحَسَنُ بِالْبَصْرَةِ وَمَكْحُوْلٌ بِالشَّامِ۔

اور امام زہری نے فرمایا ہے کہ بہت بڑے عالم چار ہیں۔ سعید بن مسیب مدینہ منورہ میں، شعبی کوفہ میں۔ حسن بصرہ میں اور مکحول شام میں۔

اس عبارت میں عالم سے مراد قوی حافظہ والے ہیں۔ کیونکہ باب ۹۳ حفاظ حدیث کی معرفت کے واسطے منعقد کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اوپر کی عبارت میں صراحت موجود ہے ——— (دیکھو تدریب الراوی مطبوعہ مصر صفحہ ۲۷۵)

طبقات ابن سعد میں ہے ——— عَنْ مَكْحُوْلٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَعْلَمَ بِالسُّنَّةِ مَاضِيَةٍ مِّنَ الشَّعْبِيِّ ——— مکحول

سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے کوئی اہل علم ایسا نہیں دیکھا جو گزرے ہوئے واقعات کا امام شعبی سے زیادہ جاننے والا ہو۔ (دیکھو طبقات ابن سعد مطبوعہ بیروت، جلد ششم، صفحہ ۲۵۴)

نوٹ:۔ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ بھی گزرے ہوئے واقعات میں سے ہے۔ نیز یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ گزرے ہوئے واقعات سے مراد صحابہ کرام کے واقعات ہیں۔ کیونکہ ہمارے سلف صالحین کا مقصود صحابہ کرام کے واقعات کی جستجو تھی۔ عام تاریخی واقعات سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

اسی طرح تنسیق النظام فی مسند الامام صفحہ ۶۲ پر ہے۔

وَكَانَ الشَّعْبِيُّ إِمَامًا عَظِيْمًا جَامِعًا لِلتَّفْسِيْرِ وَالْحَدِيْثِ وَالْفِقْهِ

"یعنی شعبی تفسیر قرآن اور حدیث رسول اور ان دونوں کی فقہ میں عظیم الشان امام تھے"

امام اوزاعی

طبقات ابن سعد، جلد ہفتم، صفحہ ۴۸۸، مطبوعہ بیروت میں ہے کہ امام اوزاعی کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ اور بیروت میں اقامت پذیر تھے۔ اور وہاں ہی ان کی وفات ۱۵۷ھ میں ہوئی۔ درحالیکہ ان کی عمر ستر برس کی تھی۔ اور ان کی صفات میں ابن سعد لکھتے ہیں۔

وَكَانَ ثِقَةً مَأْمُوْنًا صَدُوْقًا فَاضِلًا خَيِّرًا كَثِيْرَ الْحَدِيْثِ وَالْعِلْمِ وَالْفِقْهِ حُجَّةً۔

"اور امام اوزاعی بڑے معتبر تھے۔ ان سے کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔ بہت ہی سچے تھے۔ صاحب فضل اور عمدہ خصلت رکھتے تھے۔ علم حدیث اور علم قرآن اور علم فقہ ان کے پاس بہت تھا۔ اور ان کی روایات واجب التسلیم اور قابل احتجاج ہیں۔"

اسی طرح امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ اوزاعی کی جلالت شان وعلو مرتبت اور کمال فضیلت اور امامت علم حدیث پر اجماع منعقد ہو چکا ہے دیکھو مسلم شریف، مطبوعہ اصح المطابع دہلی، جلد اول، صفحہ ۱۱۔

اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ مَهْدِيٍّ اَئِمَّةُ النَّاسِ فِي الْحَدِيْثِ فِيْ زَمَانِهِمْ اَرْبَعَةٌ مَالِكُ ابْنُ اَنَسٍ بِالْحِجَازِ وَالْاَوْزَاعِيُّ بِالشَّامِ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ بِالْكُوْفَةِ وَحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ بِالْبَصَرَةِ۔

"عبد الرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں۔ کہ دوسری صدی ہجری میں تمام محدثین کے امام چار بزرگ تھے۔ حجاز مقدس میں امام مالک بن انس۔ ملک شام میں امام اوزاعی، کوفہ کے علاقہ کے میں سفیان ثوری، اور بصرہ میں حماد بن زید رحمہم اللہ تعالیٰ۔

(دیکھو تدریب الراوی مطبوعہ مصر، صفحہ ۲۷۵، باب ۹۲)

ناظرین کرام! انصاف کی نگاہ کو استعمال کریں گے تو اس نتیجہ پر ضرور پہنچیں گے کہ عامر شعبی اور امام اوزاعی ان تمام صفات سے موصوف ہیں جو روایت حدیث میں ثقاہت اور صداقت کا فائدہ دیتی ہیں۔ اگرچہ یہ دونوں بزرگ رضامندی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے عینی شاہد قرار نہیں دیئے جا سکتے اس لئے کہ یہ دونوں بزرگ اس وقت عالم وجود میں نہیں آئے تھے۔ بلکہ کئی برس بعد میں پیدا ہوئے۔ مگر چونکہ ثقاہت اور صداقت اور امامت پر ان دونوں کی اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اس واسطے ان کی مرسل روایت حجت ہے۔ اس روایت کو مردود قرار دینے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ امام فن جرح و تعدیل علامہ عجلی کا قول مشہور ہے۔ کہ امام شعبی جس روایت کو مرسل بناتے ہیں وہ ضرور صحیح ہوتی ہے

——— دیکھو مقدمہ مسند امام اعظم، صفحہ ۶۲ اور امام ابوداؤد سجستانی کا ارشاد ہے کہ ابراہیم نخعی کی مرسلات سے کبھی عامر شعبی کی مرسلات مجھے زیادہ محبوب ہیں ——— دیکھو "تنسیق النظام" برائے مسند امام صفحہ ۶۲۔

اب خوب واضح ہو گیا کہ رضامندی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت اگرچہ مرسل ہے۔ مقبول ہے۔ صحیح ہے۔ لائق حجت ہے۔ ماسٹر منظور حسین صاحب کی تمام کارروائی ہرزہ سرائی سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔

شیعی نقطہ نظر سے مرسل کی بحث

جس طرح سنی علمائے کرام کے نزدیک مرسل روایت کے واجب القبول ہونے کی صورتیں ہیں جیسا کہ گزرا۔ اسی طرح شیعی مصنفین کے یہاں بھی مرسل روایات کلی طور پر مردود نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے یہاں بھی ثقہ اور معتبر راویوں کی مرسلات واجب القبول ہوتی ہیں ——— چنانچہ شیخ عبد اللہ مامقانی نے مقیاس الہدایہ صفحہ ۴۸ پر پورے دس عدد محققین شیعہ کے نام تحریر کر کے لکھا ہے کہ یہ لوگ مرسل روایات کو ضعیف جانتے ہیں۔ اور باوجود اس کے انہوں نے اس راوی کی مرسل کو مستثنیٰ کر لیا ہے۔ جو نیک ہو اور غیر ثقہ راویوں سے روایت نہ کرتا ہو۔ جیسا کہ ابن ابی عمیر کی مرسل روایت کو مسند کی قوت میں رکھتے ہیں۔ فاضل مامقانی کی عبارت یوں ہے۔

وَاسْتَثْنَوْا مِنْ ذٰلِكَ الْمُرْسِلَ الَّذِيْ عُرِفَ اَنَّ مُرْسِلَهٗ عَدْلٌ مُتَحَرِّزٌ عَنِ الرِّوَايَةِ عَنْ غَيْرِ الثِّقَةِ كَابْنِ اَبِيْ عُمَيْرٍ مِنْ اَصْحَابِنَا.

ترجمہ کا خلاصہ اوپر دے دیا گیا ہے۔ اس لئے تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد شیخ عبداللہ مامقامی کتاب مذکور کے صفحہ ۴۹ پہ لکھتے ہیں کہ ثقہ راوی کی مرسل روایت کا قبول کر لینا ابن ابی عمیر اور صفوان بن یحییٰ، اور عبدالرحمٰن بن یونس اور بزنطی کے ساتھ کچھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ غیبتِ صغریٰ کے بعد علمائے شیعہ کی مرسل روایات بھی مقبول ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔
شیخ صدوق[1] صاحب، من لایحضرہ الفقیہہ اور شیخ ابوجعفر[2] طوسی، اور حسن[3] بن علی بن ابی عقیل، اور محمد بن احمد جنید اسکافی اور علامہ نجاشی،

ناظرین کرام! پر اب تو خوب واضح ہو گیا ہو گا کہ رضامندی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کو مرسل کہہ کر مردود نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ باتفاق شیعہ و سُنی اصولیین مرسل حدیث کا راوی جب کہ ثقہ اور عادل ہونے کے ساتھ ساتھ غیر معتبر اور ضعیف راویوں کی روایت سے پرہیز کلی رکھتا ہو تو اس کی مرسل حدیث میں وہی قوت ہے جو مسند یعنی پوری سند والی روایت میں ہوا کرتی ہے۔ اور اس مضمون میں دکھایا جا چکا ہے کہ رضامندی سیدہ رضی اللہ عنہا کی روایت گو مرسل ہے لیکن اس کے راوی بڑے معتبر اور خوب عادل اور غیر معتبر لوگوں کی روایات سے پرہیز رکھنے والے ہیں۔ اہل علم طبقہ میں کون ہے؟ جو امام اوزاعی اور امام شعبی پر عدالت اور ثقاہت اور ضبط اور دیانت کے لحاظ سے حرف گیری کی مجال رکھتا ہو۔

حدیث رضامندی کے معارف

حسب وعدہ رضامندیٔ سیدہؓ کی حدیث کے علوم و معارف پیش کئے جاتے

ہیں۔ پہلی روایت عامر بن شراحیل شعبی کی ہے۔ جس کا پہلا فقرہ حضرت صدیق اکبر ابوبکر صدیق اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کے لئے تشریف لانے کو واضح کر رہا ہے۔ اگر اس تشریف آوری کو عیادت کے واسطے تسلیم نہ کیا جائے۔ تو مرض اور شدت مرض کا ذکر بے کار ہو جاتا ہے۔ عیادت کا تعلق جذبات محبت سے ہوا کرتا ہے۔ انسان کی جس شخص سے محبت نہیں ہے۔ اس کی عیادت کو نہیں جاتا۔ پس اس قاعدہ نے بتلا دیا کہ حضرت خلیفۂ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل بیت نبویؐ سے عقیدت اور محبت کے جذبات بہت ہی مضبوط تھے۔ کینہ اور بغض کا پروپیگنڈا کرنے والے بنظر انصاف دیکھیں اور خدا تعالےٰ کو حاضر ناظر جان کر بتلائیں کہ انسان جس سے بغض اور کینہ رکھتا ہو کیا اس کی عیادت کے لئے جانے کو تیار ہوتا ہے؟ بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونا از روئے قرآن حکیم منع ہے۔ اس لئے جب تک اجازت حاصل نہ ہوئی آپ خانۂ سیدہؓ میں داخل نہیں ہوئے۔ سبحان اللہ! کس قدر تعمیل قرآن حکیم کا خیال ہے؟ اگر آج بھی مدعیانِ اسلام احکامِ الٰہی کی تعمیل میں یہی عملی جذبہ اپنے اندر پیدا کر لیں تو بہت جلد معاشرہ کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

جب حضرت سیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ آیا حضرت ابوبکر کا گھر میں آنا آپ کو محبوب ہے؟ تو آپ نے اقرار کیا کہ ہاں یہ چیز مجھے محبوب ہے۔ اس محبوبیت کے اقرار نے دوسری جانب سے بھی بغض و کینہ کی پارینہ داستانوں کا صفایا کر دیا۔ دیکھئے! اگر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے دل میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں کچھ بغض اور کینہ موجود ہوتا تو حضرت سیدہؓ سے دریافت کرنے کی بھی کوئی حاجت نہ ہوتی۔ بلکہ صاف فرما دیتے کہ اس وقت مریض شدت مرض کی وجہ سے عیادت کا تحمل

نہیں کر سکتا۔ پھر جس وقت مریض افاقہ میں ہوگا۔ اس وقت آپ بصد شوق عیادت کریں۔ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمت میں حضرت سیدہ ؓ کے پہنچے ہیں اور عیادت میں جو قدرے تاخیر ہوگئی تھی اس کی معذرت پیش کی ہے تو آپ ؓ نے رضا اور خوشی ظاہر فرمائی۔ اس موقع پر ان دونوں بزرگ ہستیوں کے مابین جو گفتگو ہوئی وہ اگرچہ تفصیل کے ساتھ مجھے دستیاب نہ ہو سکی۔ مگر البدایہ والنہایہ میں علامہ ابن کثیر دمشقی نے کچھ فقرے ذکر کر دیئے ہیں۔

فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا تَرَكْتُ الدَّارَ وَالْمَالَ وَالْاَهْلَ وَالْعَشِيْرَةَ اِلَّا ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَمَرْضَاةِ رَسُوْلِهٖ وَمَرْضَاتِكُمْ اَهْلُ الْبَيْتِ ثُمَّ تَرَضَّاهَا حَتّٰى رَضِيَتْ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۸۹)

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے کہا: "کہ خدا کی قسم! میں نے جو مکہ شہر کے مکان، مال اور عزیز واقارب چھوڑے تھے۔ تو اس سے مقصد صرف خدا تعالیٰ کی رضامندی اور اس کے رسول کی رضامندی اور تمہاری رضامندی تھی اے نبی کے گھرانے کے لوگو!" اس کے بعد رضامندی طلب کرتے رہے یہاں تک کہ آپ راضی ہوگئیں۔

دوسری روایت امام اوزاعی ؒ کی ہے۔ جس کے پہلے فقرے ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کو حضرت سیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے ناراض ہو جانے کی اطلاع ہوئی تو فوراً آپ کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ اور باوجود اس کے کہ وہ سخت گرمی کے ایام تھے۔ عہد کیا کہ جب تک دختر رسول ؐ راضی نہ ہوں گی میں یہاں سے نہ جاؤں گا۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے رضامندی کی اطلاع دے کر صدیق اکبر کے اضطراب کو دور کر دیا۔

اس واقعہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو

جو تعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا، وہ بہت اعلیٰ درجے کا تھا، اور اس قدر مضبوط تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لخت جگر کی ناراضی کی خبر سن کر وہ قف اضطراب ہو گئے۔ اور شدت گرمی کی پرواہ کون کرتا؟ جب کہ امیر المومنین ہونے کے خیال نے بھی اس راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی۔ سبحان اللہ ایسا بے نفس انسان چشم فلک نے دیکھا ہی نہیں۔ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسالت جاری ہوتی تو یہ ہستی ضرور بضرور رسول بنائی جاتی۔

ان دونوں رضامندی سیدہ ؓ کی روایات میں ایک بات اور بھی قابل غور ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضامندی کے سوال میں حضرت صدیق اکبر ؓ کے شفائتی معلوم ہو رہے ہیں۔ اگر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے دل میں صدیق اکبر ؓ سے متعلق کچھ رنجش ہوتی، تو رضامندی کے شفیع کیوں بنتے؟ معلوم ہوا کہ حضرت سیدہ ؓ کی ناراضی کا حضرت مرتضیٰ پر کوئی اثر نہ تھا۔ اگر آپ کے ناراض ہو جانے سے صدیق اکبر ؓ پر حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی ناراض ہو گئے ہوتے تو اس معاملہ میں شفاعت کیوں کرتے؟

جب ہم نے عامر شعبی اور امام اوزاعی کی ہر دو مذکورہ روایات کو اصول حدیث کے لحاظ سے صحیح اور مستند روایات کے درجہ پر پہنچا دیا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان کے علوم و معارف کو دنیا کے سامنے پیش نہ کریں۔ اس سلسلہ میں ایک اور نکتہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

یہ دونوں روایات متفق ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت سیدہ ؓ کی ناراضگی کی اطلاع پہنچی [illegible] سے معلوم ہوا کہ مطالبۂ فدک کے واسطے حضرت سیدہ ؓ در بار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں ہرگز تشریف نہیں لائی تھیں۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہا اراضی فدک کے مطالبہ کے لئے

دربارِ خلافت میں تشریف لے آئی تھیں۔ اور انکار میراث پر ناراض ہوگئی تھیں تو ناراضگی کی اطلاع ملنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ اس صورت میں تو ناراضگی صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مشاہدات میں سے ہوتی۔ اطلاع دینے لینے کی کوئی حاجت ہی نہیں رہتی۔ اور صحیحین کی روایات بھی اُسی چیز کی تصدیق کرتی ہیں۔ کیونکہ مسلم شریف، جلد دوم، صفحہ ۹۱ پر جہاں حدیث فدک آئی ہے لکھا ہے)
اِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَتْ اِلٰی اَبِیْ بَکْرِنِ الصِّدِّیْقِ وارد ہوا ہے۔ جس کے معنی قاصد بھیجنے کے ہیں۔ اور بخاری، جلد دوم، صفحہ ۶۰۹۔ نیز بخاری۔ جلد اول، صفحہ ۵۲۶ پر بھی قاصد بھیجنے کی تصریح ہے۔ پس جن روایات میں ایسے صیغے آئے ہیں۔ جن سے بظاہر حضرت سیدہ کا دربار خلافت میں تشریف لے جانا مفہوم ہوتا ہے۔ وہ زیرِ تاویل ہونگی۔ اسی طرح جہاں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں۔ وہ روایت بھی زیرِ تاویل ہوں گی۔ حضرت عباسؓ کو آپ نے قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ اس لئے بعض راویوں نے دونوں کو مطالبہ میں جمع کر دیا۔ جیسا کہ ازواجِ مطہرات نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو مطالبۂ میراث کے واسطے قاصد بنایا تھا۔ اگر حضرت عباس قاصد نہیں ہیں تو کسی دوسرے قاصد کا نام بتاؤ۔ میری اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ روایات کتب اہل سنت اس بات پر گواہ ہیں کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بذاتِ خود دربارِ خلافت میں تشریف نہیں لے گئیں لیکن روایات کتب شیعہ اس کے برعکس شہادت دیتی ہیں۔ وہ اول سے آخر تک اور چھوٹی سے بڑی تک اور معتبر سے غیر معتبر تک اس بات پر زور دیتی ہیں۔ کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا دربارِ خلافت میں بذاتِ مقدسہ خود تشریف لے گئی تھیں انصاف اور عدالت سے بہرہ مند حضرات غور کریں کہ آیا روایات اہل سنت اس

باب میں درایت اور عقل کے مطابق ہیں؟ یا شیعی روایات عقل صریح کے تقاضا کو پورا کرتی ہیں؟ ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالےٰ عنہن، نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو پیغامبر بنا لیا۔ جیسا کہ خود منظور حسین صاحب اپنی رفیق توثیق فدک بجواب تحقیق فدک کے صفحہ ۱۲۹ سطر ۹ و سطر ۱۰ پر اقرار کر چکے ہیں مگر حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حسبِ اعتقاداتِ شیعہ کوئی شخص اس خدمت کے انجام دینے کے لئے ہاتھ نہیں آیا۔ اگر حسنین شریفین رضی اللہ تعالےٰ عنہما اس وقت کم سن تھے۔ تو حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شیرِ خدا کے لئے اس خدمت سے کیا چیز مانع تھی؟ میرے نزدیک شیعہ مصنفین نے اس موقع پر حضرت سیدہ اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وہ توہین کی ہے جو کسی دشمن سے بھی ممکن نہیں ہے۔ آپ قیامت کے دن یقیناً ان مدعیانِ محبت پر استغاثہ دائر کریں گی۔ جو کہ محبت کے پردے میں دشمنی کر رہے ہیں۔ میں نے غلط کہا حضرت سیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو استغاثہ کی کیا ضرورت ہے؟ خود خداوند تبارک و تعالیٰ ایسے مدعیانِ تشیع کو پکڑ لیں گے۔ جنہوں نے اہل بیت کرام نبی علیہ السلام کے حق میں ایسی روایات تصنیف کر ڈالیں جو سراسر توہین پر مشتمل ہیں۔

خلافت کے مسئلے پر جو کتاب زیر تجویز ہے۔ اس میں مشتمل بر توہین روایات شیعہ کی مکمل فہرست پیش کی جائے گی۔ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالیٰ

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۸۷

بخاری شریف کی جس روایت کی بنا پر ناراضگی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ اس کے جوابات تحقیق فدک صفحہ ۸۷ تا ۹۵ پر تحریر کئے گئے

ہیں۔ جن کو عوام و خواص نے بے حد پسند فرمایا ہے۔ باقی رہ گئے شیعہ لوگ وہ تو ہماری کسی بات کو بھی پسند کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں ہمارے کلمۂ اسلام پر بھی اطمینان نہیں ہے۔ اس لئے ان کی پسند اور ناپسند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جناب ماسٹر منظور حسین صاحب بخاری جن کا نصب العین ہی حق بات کی تردید ہے۔ وہ اپنی کتاب رفیق توثیق فدک "جواب "تحقیق فدک" میں بیسیوں نہیں سینکڑوں دفعہ لکھ چکے ہیں کہ مسلم اور بخاری کی روایات سے حضرت سیدہ رضی اللہ تعالے عنہا کی ناراضگی تادم مرگ ثابت ہے۔ اسیواسطے بارہا تحریر کرتے ہیں۔ کہ سیدہ کونین حضرت ابوبکر صدیق سے مرتے دم تک ناراض رہیں۔ زیر قلم مضمون میں صحیحین کی اس روایت کی تشریح مقصود ہے۔ اگر اس مضمون کو سکون توجہ سے پڑھا گیا۔ جس کا یہ حق دار ہے تو یقین کامل ہے۔ کہ بہت سے شکوک اور شبہات طالبان حق کے قلوب سے زائل ہو جائیں گے۔ اور اس مسئلہ میں شاہراہ حق صاف نظر آجائے گی۔ میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ سب کچھ خدا تعالےٰ کے اختیار میں ہے۔ وہی گمراہوں کو راہ ہدایت پر لگا دینے والا ہے۔ وہی اندھیروں میں بھٹکنے والوں کو صراط مستقیم کی تجلیات سے منور کرنے والا ہے۔

بخاری شریف کی روایت

صحیح بخاری میں یہ روایت پانچ مقامات پر درج ہے:

(۱) کتاب الجہاد، باب فرض الخمس صفحہ ۴۳۵

(۲) کتاب المناقب، باب مناقب قرابت رسول اللہ، صفحہ ۵۲۶ یہ دونوں مقام جلد اوّل میں ہیں۔

(۳) باب حدیث بنی نضیر، جلد دوم، صفحہ ۵۷۶

(۴) کتاب المغازی، باب غزوۂ خیبر، جلد دوم، صفحہ ۶۰۹

(۵) کتاب الفرائض، باب لانورث ماترکناہ صدقۃ، جلد دوم صفحہ ۹۹۵۔

ان پانچوں مقامات میں کوئی فقرہ ایسا نہیں ہے جس کا ترجمہ تادم مرگ ناراضگی ہو۔ شرح اس کی یہ ہے کہ یہ روایت صحیح بخاری میں پہلے پہل جلد اوّل کتاب الجہاد، باب فرض الخمس، صفحہ ۴۳۵ پر درج ہے۔ جس کے الفاظ یوں ہیں۔ فَغَضِبَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَجَرَتْ اَبَابَكْرٍ فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتَهُ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں جملے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے فرمودات میں سے ہیں۔ کیونکہ حضرت عروہ بن زبیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت کر رہے ہیں۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ دیکھو یہی صحیح بخاری، جلد دوم، کتاب الفرائض، صفحہ ۹۹۶ پر حدیث فدک کے آخر میں بجائے غَضِبَتْ کے قَالَ فَهَجَرَتْهُ، فَلَمْ تُكَلِّمْهُ، حَتّٰى مَاتَتْ موجود ہے۔ اس عبارت کے سرے پر جو لفظ قَالَ آیا ہے وہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ فقرہ حضرت عائشہ صدیقہ کے فرمودات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ اس فقرے کو ذکر کرنے والا کوئی مرد ہے۔ کیونکہ قال صیغہ واحد مذکر ہے۔ پس کوئی شبہ نہ رہا کہ اس حدیث میں جو ترک گفتگو اور ناراضگی کا فقرہ ہے۔ وہ اس اسناد کے راویوں میں سے کسی مرد راوی کا کہا ہوا ہے، خواہ ابن شہاب زہری نے کہا ہے خواہ آپ کے شاگردوں میں سے کسی صاحب نے کہا ہے۔ یہی فدک والی روایت ابن جریر طبری کی تاریخ الملوک والامم، جلد دوم، صفحہ ۴۴۸ پر موجود ہے۔ وہاں بھی لفظ قَالَ مذکور ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ترک گفتگو اور ناراضگی کی راوی حضرت ام المومنین نہیں ہیں۔ بلکہ کوئی مرد ہے جو اس روایت کے اسناد میں موجود ہے۔ اور بالکل ظاہر

ہے کہ اس روایت کے مرد راویوں میں سے کوئی بھی اس واقعہ کا چشم دید گواہ نہیں ہوسکتا۔ ان میں سے جو سب سے مقدم ہے وہ حضرت عروہ بن زبیرؓ ہیں جن کی ولادت ۲۲ھ میں ہے اور فدک کا قصہ ۱۱ھ ہجری کا ہے۔

جیسا کہ تحقیق فدک ص۸۷ تا ص۹۱ میں واضح کیا گیا کہ بسا اوقات راوی اپنے قیاس اور ظن سے ایک بات کہتا ہے۔ جو روایت کا جز تصور کر لی جاتی ہے۔ مگر تفتیش اور جستجو اس چیز کو الگ کر دیتی ہے۔ اسی طرح کا معاملہ یہاں بھی پیش آیا کہ ترک گفتگو راوی کا اپنا قیاس تھا۔ جس کو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا قول قرار دے دیا گیا۔ اور پھر ترک گفتگو کی وجہ ناراضگی تصور کر کے ناراضگی کا فقرہ بھی کسی راوی کا مرہون منت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاری میں پانچ مقامات پر حدیث فدک درج ہے۔ مگر ناراضگی کا فقرہ صرف دو مقامات پر آیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے ترک گفتگو اور ناراضگی کو لازم ملزوم یا علت معلول تصور کیا ہے حالانکہ ترک گفتگو عدم ضرورت کی بنا پر بھی ہوسکتی ہے۔ اور اطمینان کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے۔

عدم کلام عام نہیں بلکہ خاص ہے

جب خود صحیح بخاری کی دوسری روایت سے ثابت ہوگیا۔ کہ عدم کلام کا فقرہ اصل روایت میں داخل نہیں ہے۔ بلکہ اضافہ ہے تو اب قابل غور بات یہ ہے کہ آیا یہ ترک گفتگو یا عدم کلام عام ہے یا خاص ہے؟ دوسرے لفظوں میں مطلق ہے یا مقید ہے۔ شیعہ واعظین و مبلغین عموماً اور ماسٹر منظور حسین صاحب بخاری اجنالوی خصوصاً کہتے رہتے ہیں۔ کہ اس کے بعد حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ

عنہا نے خلیفۂ اول سے کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔ اور اس قصہ کے بعد کسی قسم کی کلام درمیان میں نہیں آئی۔ مگر حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ شرح اس معمہ کی یہ ہے کہ اسی حدیث فدک کو امام محمد بن جریر طبری نے زہری سے روایت کیا ہے۔ جس کے الفاظ یوں ہیں۔ قَالَ فَهَجَرَتْهُ فَاطِمَةُ فَلَمْ تُكَلِّمْهُ فِي ذٰلِكَ حَتّٰى مَاتَتْ۔ (دیکھو تاریخ الملوک والامم، جلد دوم صفحہ ۴۴۸)

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، جلد ششم صفحہ ۱۵۱ پر لکھتے ہیں کہ عمر بن شیبہ کی کتاب میں بھی فَلَمْ تُكَلِّمْهُ فِي ذٰلِكَ الْمَالِ آیا ہے۔

ترجمہ:۔ راوی نے کہا، کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صدیق اکبرؓ کو چھوڑ دیا اور آخری دم تک اس معاملہ میں کلام نہ کی۔

یہ روایت ببانگ دہل اعلان کرتی ہے کہ ہر قسم کی کلام اور گفتگو کی نفی مقصود نہیں ہے۔ بلکہ خاص مسئلہ فدک یا میراث حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں سکوت اختیار فرمایا، اور ظاہر ہے کہ خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوجاتی یا یوں کہو کہ مقید کی نفی کو مطلق کی نفی لازم نہیں ہے۔ راقم الحروف نے مذکورہ فقرہ کا جو ترجمہ کیا ہے۔ اس میں معمولی غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ دوسرا جملہ پہلے جملے کی تشریح یا تفسیر ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ حضرت سیدہ کے خلیفہ اول کو چھوڑ دینے کے معنی یہ ہیں کہ آئندہ اس مسئلے میں سوال وجواب چھوڑ دئے گئے اس تفسیر کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ چھوڑ دینے سے کوئی شخص بیزاری کے معنی نہ لے لے کیونکہ صدیق صدیقوں سے بیزار نہیں ہوا کرتے۔

ایک نکتہ ابن جریر طبری کی حدیث فدک نے جب واضح کر دیا کہ یہ خاموشی عام نہیں ہے بلکہ خاص ہے۔ تو ناراضگی کے فقرے کا ظن راوی ہونا زیادہ روشن ہوگیا۔ کیونکہ ناراض ہونا ہر قسم کی گفتگو کو روک دیتا ہے۔

نوٹ :۔ یہاں تک جواب اول مندرجہ تحقیق فدک کی وضاحت مقصود تھی۔ سو بحمد اللہ تعالیٰ کتب حدیث کی روایات سے ثابت ہو گیا کہ ترک کلام اور ہجران کا راوی واقعہ کی حکایت نہیں کر رہا۔ کیونکہ وہ واقعہ کے دیکھنے والوں میں سے نہیں ہے اور ناراضگی راوی کا اپنا قیاس ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہو چکا کہ ہر قسم کی کلام سے سکوت نہیں ہے۔ بلکہ خاص فدک کے معاملہ میں سکوت اختیار فرمایا گیا ہے۔ اب تحقیق فدک کے جوابات پر ایک جواب کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ وہاں تین جوابات مذکور ہیں۔ اس لئے مندرجہ ذیل جواب کا نمبر چہارم درست ہوگا۔

جواب چہارم

اگر مندرجہ حدیث فدک فقرہ ناراضگی کو ظن راوی قرار نہ دیا جائے اور اس فقرہ کو اصلی متن کا ایک فقرہ تسلیم کیا جائے تو بھی رضامندی سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ناراضگی کی ہر دو روایات میں کوئی تعارض اور کسی قسم کا تدافع نہیں ہے کیونکہ حَتّٰی مَاتَتْ یا حَتّٰی تُوُفِّیَتْ جس کے معنی ہیں آخری دم تک۔ کسی روایت میں بھی ناراضگی کے فقرے کے ساتھ متصل نہیں ہے۔ بلکہ جہاں بھی ملاحظہ کرو گے یہ لفظ ترکِ کلام یا عدم گفتگو کے ساتھ متصل ہے۔ جس کا صحیح اور بامسند ترجمہ ابھی عرض کر دیا گیا ہے۔ کہ عام کلام کی نفی مراد نہیں ہے۔ بلکہ خاص مسئلہ فدک میں گفتگو کی نفی مقصود ہے۔ پس اس کا ترجمہ صرف اسی قدر ہوگا کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس مسئلہ فدک میں آخری دم تک گفتگو نہیں فرمائی۔ آخری دم تک ناراضگی تو کسی کلمہ سے اخذ نہیں جا سکتی۔ خدا جانے شیعہ مبلغین اور مصنفین نے آخری دم تک ناراضگی صحیح بخاری کے کون سے فقرہ سے وصولی کی ہے

جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی تو صاف واضح ہو گیا کہ ناراضگی اور رضامندی کی روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ پہلے ناراضگی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد رضامندی نے اس کی جگہ لے لی۔ تناقض اور تعارض وقت کی وحدت پر موقوف ہوتا ہے جب اوقات مختلف ہیں تو تعارض بھی نہیں۔ اگر ان دونوں قسم کی روایات میں تناقض ہوتا تو صحیحین کی متفق علیہ روایات ضرور ترجیح کی حقدار ہوتی۔ جب تعارض ہی نہیں۔ تو ترجیح کی کہانی بے وقت کی راگنی ہے جس کو دُہرا دُہرا کر ماسٹر منظور حسین صاحب نے اپنی کتاب کے حجم کو زیادہ کیا ہے اور مطالعہ کرنے والوں کے اوقات کو بری طرح سے ضائع کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جائے گا کہ کچھ وقت ناراضگی میں گزرا۔ مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ اعمال کی مدار خاتمہ پر ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ۔

جب آخر میں رضامندی حاصل ہو گئی تو ناراضگی کا کچھ اثر باقی نہ رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی حضرت ہارون علیہ السلام پر غضبناک ہوئے تھے مگر بعد میں راضی ہو گئے تھے۔ اس واسطے پہلی ناراضگی اور غصہ نے حضرت ہارون علیہ السلام کا کچھ نقصان نہ کیا۔ کیا آج کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام پر چونکہ ایک اولوالعزم رسول غضب ناک ہو گئے تھے۔ اس لئے ان پر خدا تعالیٰ بھی ناراض اور غضبناک ہو گیا تھا؟ ہاں اگر بالفرض والتقدیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو نہ ہو جاتا، تو حضرت ہارون علیہ السلام سے متعلق اس قسم کا خیال کیا جا سکتا تھا۔ مگر جس پر آپ غضبناک ہوئے وہ بھی برگزیدہ خدا تھے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غصے کا تادم واپسیں قائم رہنا محالات میں سے تھا۔ اور اس کا فرض کرنا بھی فرض محالات کی ایک کڑی ہے۔ اسی طرح قصۂ فدک میں حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جس ہستی پر غضبناک فرض کیا جا رہا ہے

وہ اگرچہ رسول نہیں ہے۔ مگر دین اسلام کی حفاظت کے سلسلے میں جب آپ نے مرتدوں کی سرکوبی فرمائی۔ تو صحابہ کرام کی زبان سے بے ساختہ صادر ہوا لَقَدْ قَامَ اَبُوْبَکْرٍ مَقَامَ الْاَنْبِیَآءِ۔ یعنی خدا کی قسم حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسولوں کے مقام پر کھڑے ہو گئے۔ پس اگر حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر غضبناک ہوئی تھیں۔ تو اس حالت کا قائم دائم رہنا محالات میں سے تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ بہت جلد ہی حسب روایات مصباح السالکین صدیق اکبر سے راضی خوشی ہو گئیں ——— یہ مصباح السالکین شیعوں کی بڑی معتبر کتاب ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جس کو تحفۂ اثنا عشریہ میں مجاج السالکین کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ مصباح اور مجاج کی کتابت قریب قریب ہے اس لئے تصحیف کاتب سے مصباح کی جگہ پر مجاج لکھا گیا۔

الزامیات

مناظرہ تحریری ہو یا تقریری اس میں الزامی دلائل کا استعمال بین الفریقین ہے۔ جیسا کہ خیالی شرح عقائد میں ہے۔

وَالْحُجَجُ الْاِلْزَامِیَۃُ شَائِعَۃٌ فِی الْکُتُبِ۔ یعنی علم عقائد کی سب سے بڑی کتابوں میں الزامی دلائل موجود ہیں۔ راقم الحروف نے صحیح بخاری کی حدیث فدک کے جواب سوم میں ابن شہاب زہری کا شیعہ ہونا کتب اہل تشیع سے ثابت کیا تھا، اور مقصود شیعی متکلمین پر الزام دھرنا تھا۔ قاعدہ کی رو سے اس دلیل کا جواب شیعہ مسلمات سے واجب تھا۔ مگر ماسٹر منظور حسین صاحب اجنالوی نے اپنی رفیق توثیق فدک بجواب تحقیق فدک میں صفحہ ۱۴۰ تا ۱۵۲ اسارازور قلم اس بات پر خرچ کیا ہے کہ ابن شہاب زہری اہل سنت کے نزدیک سنی ہے۔ اور زمانۂ حال

کے سنی مفتیان کرام سے اس بارہ میں فتوے حاصل کر کے شائع کئے ہیں۔

خدا کے بندے! یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ حضرت ابن شہاب زہری اہل سنت کے نزدیک سنی ہیں۔ اگر اس بات کا استفسار مجھ سے کیا جاتا تو بھی یہی جواب ہوتا۔ ماسٹر صاحب اور ان کے استاذ صاحب گوجردی نے عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لئے یہ کارروائی کی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ ہماری یہ کارروائی اصول مناظرہ کے خلاف ہے۔ مگر جب وہ اپنے مسلمات سے جواب پر قادر نہ تھے تو خاموش کیسے بیٹھ جاتے؟ ——— مقدمہ میں اس کی تفصیل ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

دعوت عام

صحیح بخاری کی حدیث فدک کی صحیح تشریح ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہے کہ اس حدیث کے کسی فقرہ سے آخری دم تک ناراضگی ثابت نہیں ہوتی۔

اب ہم ماسٹر منظور حسین صاحب اجنالوی اور اس کے معاونین علماء کو دعوت دیتے ہیں۔ کہ میدان میں اتریں۔ اور صحاح ستہ کی حدیث فدک کے کسی فقرہ سے آخری دم تک ناراضگی نکال کر پیش کریں۔ اور توثیق فدک بجواب تحقیق فدک صفحات ۱۱۵ تا ۱۴۰ پورے ۲۵ صفحات پر جو آخری دم تک ناراضگی کا ڈھنڈورا پیٹا ہے اس کو سچا کر دکھائیں۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ۔

ضمیمۂ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۹۶

کتب شیعہ کی وہ پانچ روایات جن سے حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ناراض ہونا ثابت ہے۔ ان کے جواب لکھنے کی ماسٹر صاحب نے بہت سعی کی ہے مگر گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ سچ ہے

؎ تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اپنی کتاب "توثیق فدک" یہ جواب "تحقیق فدک" صفحات ۱۵۲ تا ۱۶۰ میں جو کچھ آپ نے ہرزہ سرائی فرمائی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تو ہم ان پانچ روایات کو صحیح تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ عقل کے خلاف ہے۔ دوسرے اگر ہم ان پانچ روایات کو صحیح تسلیم کر لیں تو ناراض ہو جانے کے بعد حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراض ہو گئی تھیں۔ پورے نو عدد صفحات کا یہ خلاصہ ہے۔

ناظرین کرام! راقم الحروف احمد شاہ بخاری عرض کرتا ہے۔ کہ شیعہ علماء عظام اور ماسٹر صاحبان کے اس جواب نے صحیح بخاری کی حدیث فدک کے جوابات مذکورہ من جانب اہل سنت کی حرف بحرف تصدیق کر دی ہے۔ شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت علیؓ پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ناراضگی کی ان پانچ روایات کو آپ اس لئے غلط قرار دے رہے ہیں کہ از روئے عقل حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت علیؓ پر ناراض ہو جانا ممکن نہیں ہے۔ تو اگر سنی خدام اہل بیت کرام عرض کر دیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جگر گوشۂ رسولؐ کا ناراض ہونا ممکن نہیں۔ فلہذا احادیث فدک قابل تاویل ہے تو اس جواب کو کیوں نظر انداز کیا جائے؟ اس جواب میں کونسی قباحت موجود ہے۔

اسی طرح آپ ان روایات خمسہ کو صحیح تسلیم کر لینے کی صورت میں فرماتے ہیں کہ ناراضگی کے بعد رضامندی واقع ہو گئی تھی اس لئے وہ ناراضگی ضرر رساں نہیں

رہی تو اگر سنی غلامان اہل بیت کرام حدیث فدک کو غیر مؤول قرار دے کر عرض کرتے ہیں کہ ناراضگی کے بعد رضامندی جلوہ گر ہو گئی تھی اور ناراضگی کی وعید کا کوئی موقعہ نہ رہا تو اس جواب کو قابل سماعت کیوں نہ سمجھا جائے؟

ایک منڈی اور دو نرخ؟

اس مضمون میں ماسٹر صاحب نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بڑے تلخ فقرے استعمال کئے ہیں۔ اس موقعہ پر آپ کی بوکھلاہٹ اور بے حواسی بے معنی نہیں ہے۔ ماسٹر صاحب ان پانچ روایات منقولہ از کتب شیعہ کے جوابات لکھتے ہوئے صاف دیکھ رہے ہیں کہ ناراضگی سیدہ کے شیعی جوابات ہو بہو حدیث فدک کے سنی جوابات ہیں۔ اور انہیں صاف نظر آ رہا ہے کہ ہمارے جوابات اور اہل سنت کے جوابات میں کچھ فرق نہیں ہے بلکہ سوچنے والے کہہ سکتے ہیں کہ شیعی جوابات سنی جوابات کا چربہ ہیں۔ اس اعتبار سے شیعہ متکلمین سنی متکلمین سے استفادہ کا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ یہ خیالات ہیں جو ماسٹر صاحب کے دماغ میں گھوم رہے ہیں۔ اور آپ اپنے آپے سے باہر ہو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ علیؓ اور فاطمہؓ کے واقعات کو موسیٰ و ہارون علیہم السلام کے واقعہ سے مشابہ گردانا ہے۔ مگر حضرت سیدہؓ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے واقعہ کو اس سے مختلف بنانے کے لئے صدیق اکبر پر ناراضگی کو قائم و دائم بنایا ہے۔ اور ماسٹر صاحب کی نظر اس طرف نہیں گئی کہ حضرت علیؓ مرتضیٰ اور حضرت حسنؓ مجتبیٰ اور حضرت شہیدؓ کربلا رضوان اللہ علیہم نے دو سال اس بزرگ کی اقتدا میں نمازیں ادا کی ہیں۔ اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے تھے جیسا کہ ماسٹر صاحب کے تصور باطل میں

ہیں۔ تو بزرگانِ اہل بیت نبوت نے اپنی نمازیں کیوں برباد کیں؟

میری تحقیق یہ ہے کہ جو شخص صدیق اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُرا جانتا ہے اور ان سے بغض رکھتا ہے وہ بزرگان اہل بیت نبوت سے ہرگز محبت اور عقیدت کے تعلقات نہیں رکھ سکتا۔ جو شخص حضرت خلیفۂ اول کو مومن نہیں جانتا وہ ان کی اقتدا میں فرائض خداوندی ادا کرنے والوں کو کس طرح مومن یقین کر سکتا ہے۔ سچ ہے۔ ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہیں مرغ قبلہ نما آشیانے میں

صاحب فلک نجات نے روایات خمسہ کے جواب سے پہلو تہی اسی لئے کی تھی کہ ان کے جوابات سے حدیث فدک کا جواب آجاتا ہے۔ مگر ماسٹر صاحب کی رسائی ایسے نکات تک ممکن نہیں۔ کتب شیعہ میں بھی آیا ہے اَلْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ یعنی حق حضرت علیؓ کے ساتھ ہے۔ تھوڑا سا غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث شریف کے ذریعے صدیق اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفاقت اور بیعت کی ترغیب دلا رہے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ خلیفۂ اول کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں جو تحریکیں چلائیں ہیں۔ حضرت مرتضیٰ ہر ایک تحریک میں ساتھ رہے ہیں۔ پس واضح ہو گیا کہ حق حضرت خلیفۂ اول کے ساتھ تھا۔ اگر حضرت خلیفۂ اول کے تمام کام برحق نہ ہوتے تو حضرت علیؓ ان کا ساتھ ہرگز نہ دیتے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سے دشمنی اور حضرت علیؓ سے محبت یہ دونوں جذبات ایک ہی دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

صدیق اکبرؓ اور نماز جنازہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا

جناب ماسٹر منظور حسین صاحب اجنالوی نے اپنی برائے نام توثیق فدک بجواب "تحقیق فدک" میں بے شمار مقامات پر لکھا ہے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو جو رنجش حضرت ابوبکر سے تھی۔ اسی کی وجہ سے وصیت فرمائی تھی کہ میری نماز جنازہ میں وہ شریک نہ ہونے پائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے وفات سیدہ کی اطلاع ہی نہ دی اور وہ نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

اب وقت آگیا ہے کہ اس باطل پراپیگنڈہ اور سنہری جھوٹ اور بے نظیر بہتان کو اپنے اصلی روپ میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ پس آنے والی چند سطور کو پورے دھیان سے پڑھیئے۔

شیعہ و سنی ارباب تصنیف متفق ہیں کہ حضرت سیدہ کی بیماری میں تیمارداری کے فرائض حضرت اسماء دختر عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیئے تھے۔ اور یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ خاتون مذکورہ حضرت صدیق اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ اور بے فرمانی کی بدگمانی عقل و خرد سے بہرہ ور آدمی کی زبانی ممکن نہیں ہے۔

بالکل بدیہی اور واضح ہے کہ حضرت اسماء دختر عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تیمارداری سیدہؓ کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دی تھیں وہ صدیق اکبر امیر المومنین حضرت ابوبکرؓ کے حکم اور اذن سے تھیں۔ اگر خلیفۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کچھ رنجش ہوتی تو وہ اپنی بیوی کو خدمت کے لئے کیوں مقرر فرماتے؟ اور اگر حضرت سیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا حسب زعم شیعہ آپ سے ناراض تھیں۔ اور ناراضگی بھی ایسی کہ ہر وقت مصروف بد دعا تھیں۔ تو اس خدمتگار کو واپس کیوں نہ کر دیا

گیا۔ جو ایسے دشمن کی جانب سے مقرر کیا جا رہا تھا۔ جو شیعہ اعتقادات کے مطابق اہل بیت نبوی کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر حضرت سیدہؓ کے قلب مبارک میں ذرہ بھر بھی رنجش ہوتی تو زوجۂ محترمہ صدیق اکبرؓ کو اس تیمارداری کا موقع میسر نہ آتا۔ اگر کسی کے پاس دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان اور سمجھنے والا دل ہو تو حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے خدمت سیدہؓ کے لئے اپنی بیوی کا تقرر اور خاندانِ نبوت کی جانب سے حسن قبول ایک ایسا ہائیڈروجن بم ہے جو تمام شیعی پروپیگنڈے کو خاکِ سیاہ کر دینے والا ہے۔ جب صورت حال یہ ہے جو اوپر مذکور ہے تو کیا یہ ممکن بھی ہے کہ حضرت سیدہؓ کے حالات کی چلو نگی حضرت خلیفۂ اول سے مخفی رہے؟ صدیق اکبر کی زوجۂ محترمہ کی خدمت گاری تو خانگی وحدت کو ظاہر کرتی ہے۔ جس میں اطلاع دینے کی نوبت ہی نہیں آیا کرتی۔ کیا اس دنیا کی آنکھ نے کبھی یہ منظر بھی دیکھا ہے کہ پاس بیٹھنے والوں کو مرض یا موت کی اطلاع دی گئی ہو ——— وہ جو مسلم اور بخاری میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ نے وفاتِ سیدہؓ کی اطلاع حضرت ابوبکرؓ کو نہ دی تو اس کی وجہ یہی علم یقینی ہے جو صدیق اکبر کو ساعت بساعت پہنچ رہا تھا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اطلاع دیتے تو تحصیلِ حاصل لازم آتی جو عقلمندوں کے نزدیک کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی لازم آجاتا کہ اس سے پہلے یگانگت نہیں بلکہ بیگانگی ہے۔ پس ماسٹر منظور حسین صاحب یا ہمچو قسم لوگ جو وَلَمْ يُؤْذِنْ بِهَا اَبَابَكْرٍ سے نماز جنازہ میں عدم شمول یا وفات سیدہؓ سے متعلق عدم اطلاع پر استدلال کرتے ہیں۔ نہایت مضحکہ خیز اور بہت ہی تعجب انگیز ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالےٰ "فتح الباری" میں لکھتے ہیں۔

وَلَعَلَّهٗ لَمْ يُعْلِمْ اَبَابَكْرٍ بِمَوْتِهَا لِاَنَّهٗ ظَنَّ اَنَّ ذٰلِكَ لَا يَخْفٰى عَنْهُ وَلَيْسَ فِي الْخَبَرِ مَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ اَبَابَكْرٍ لَمْ يَعْلَمْ بِمَوْتِهَا وَلَا صَلّٰى عَلَيْهَا.

اور حضرت علیؓ یوں سمجھے کہ وفاتِ فاطمہؓ ابوبکرؓ سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ اس لئے آپ کو اطلاع نہ دی۔ اور اس روایت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ ابوبکرؓ کو وفاتِ فاطمہؓ کی اطلاع نہ ہوئی۔ اور نہ اس میں کوئی ایسا کلمہ ہی ہے جس سے معلوم ہو کہ آپ نماز جنازہ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ (فتح الباری، جلد ۷، صفحہ ۳۹۰ مطبوعہ مصر)

میرے نزدیک صحیحین کا فقرہ مذکورہ قرب اور اتحاد کے اظہار کے واسطے تھا۔ مگر یار لوگوں نے اس کو نماز جنازہ نہ پڑھنے کی دلیل بنا لیا۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

نمازِ جنازہ کا دستور

۴۹ھ میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت امام حسینؓ نماز جنازہ کی امامت کے لئے سعید بن عاص اموی کو آگے کر دیا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ لَوْلَا اَنَّهَا سُنَّةٌ مَّا قَدَّمْتُهٗ۔ یعنی اگر نماز جنازہ میں حاکم کی امامت کا دستور نہ ہوتا تو میں اس کو آگے نہ کرتا۔

(البدایہ جلد ہشتم، صفحہ ۴۴)

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول اور فعل دونوں سے معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس زمانہ سے لے کر اس وقت تک دستور یہی

چلا آتا تھا کہ نماز جنازہ کی امامت حاکم شہر کے سپرد ہوتی تھی۔ حضرت امام حسینؓ سعید بن عاص کو دل سے نہیں چاہتے تھے۔ اس کے بعض کاموں پر آپ کو اعتراض تھا۔ وہ امام موصوف کے معیار تقویٰ اور معیار عدالت سے متصف نہیں تھا۔ مگر باوجود اس کے والیٔ مدینہ (حاکم شہر) تھا۔ اس لئے حضرت شہید کربلا رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے بڑے بھائی حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ میں سعید مذکور کو امام بنایا۔ معلوم ہوا کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ اگر شرعی دستور کے مطابق پڑھی گئی تھی تو ضرور حضرت صدیق اکبر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی تھی۔ عقل و خرد کا تقاضا تو یہی ہے کہ حضرت صدیق اکبر حاکم شہر تھے۔ اس لئے جنازہ کی نماز کی امامت ان ہی کا حصہ تھی۔ ہاں اگر وہ سخت بیمار ہوتے یا غیر حاضر ہوتے تو جس شخص کو ان کا حکم ہوتا وہ پڑھا دیتا۔ ان دونوں باتوں میں سے جب کوئی بات نہ تھی اور آپ کو علم بھی یقینی تھا تو پھر نماز جنازہ میں شریک نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے یہاں تک تو عقلی بحث تھی۔ اب ہم اس باب میں روایات پیش کرتے ہیں۔ سنئے اور داد دیجئے۔

دیکھو "طبقات ابن سعد" مطبوعہ بیروت، جلد ہشتم، جزو ۲۹، صفحہ ۲۹،

(۱) اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ الرَّبِيْعِ عَنْ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ صَلّٰى عَلَيْهَا اَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَنْهَا۔

صاحب طبقات کہتا ہے کہ ہم کو محمد بن عمر نے خبر دی۔ وہ کہتا ہے کہ ہمیں قیس بن ربیع نے حدیث بیان کی۔ وہ مجالد سے اور مجالد امام شعبی سے روایت کرتا ہے کہ حضرت سیدہؓ پر حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھی تھی۔

(۲) اَخْبَرَنَا شَبَابَةُ بْنُ سَوَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى بْنُ اَبِي

الْمُسَاوِرِ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ صَلّٰى اَبُوْبَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ عَلٰى فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ عَلَيْهَا اَرْبَعًا

ہم کو شبابہ بن سوار نے خبر دی وہ کہتا ہے کہ ہمیں عبد الاعلیٰ بن ابو مساور نے بتلایا۔ وہ حماد سے اور حضرت حماد حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت سیدہ فاطمہ دختر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھی۔ اور چار تکبیریں کہی تھیں۔

ابن سعد کی مذکورہ روایت کو "سیرت حلبیہ" جلد سوم، صفحہ ۳۹۹ پر بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

ناظرین کرام! معلوم ہوگیا کہ صدیق اکبرؓ کا نماز جنازہ حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں شامل ہونا بلکہ ان کا امام ہونا ایسی روایات سے ثابت ہوا جو درایت کی کسوٹی پر رگڑنے سے بھی خالص سونا ثابت ہوئی ہیں۔

بُہتانات

جناب ماسٹر منظور حسین صاحب اجنالوی نے اپنی کتاب برائے نام "توثیق فدک" بہ جواب "تحقیق فدک" صفحہ ۱۸۹ پر عدم شمول جنازہ کے دعویٰ کے لئے جو کچھ لکھا ہے اس کو بہتان عظیم یا وسوسہ شیطان رجیم کہنا بہت مناسب ہوگا۔ آپ نے سیرت حلبیہ اور صحیح مسلم اور صحیح بخاری اور ازالۃ الخفاء کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی ہیں۔ ان میں کوئی عبارت بھی ایسی نہیں جو عدم حاضری شیخین بر جنازۂ بتولؓ کو ثابت کرتی ہو۔ اور یہی عنوان ہے جس کو جلی قلم سے لکھا ہے۔ عقلمند لوگ اسی چیز کو بہتان کا نام دیتے ہیں ——— ہاں! شیخ عبد الحق صاحب کی "اشعۃ اللمعات" جلد سوم صفحہ ۴۲۳، اور یہی روایت کتاب ہذا

طبع بمبئی کارخانہ محمدی ص۲۴۶ پر موجود ہے (قاسم شاہ) سے جو عبارت نقل کی ہے۔ وہ مندرجۂ عنوان دعوے کے نصف حصہ کو ثابت [illegible]تی ہے۔ مگر یہاں ایک عجیب قسم کی کارروائی فرمائی ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق صاحب نے وہ روایت درج کر کے فی الفور بلافصل اس کی تردید لکھ دی ہے۔ اور جناب ماسٹر صاحب ہیں کہ اس تردید بلافصل کو پی گئے ہیں۔ پس میرا فرض ہے کہ حضرت شیخ کی تردید بلافصل کو صفحۂ قرطاس پر رکھ دوں تاکہ خلافت بلافصل پر ایمان رکھنے والے تردید بلافصل کے مطالعہ سے محروم نہ رہ جائیں —— حضرت شیخ موصوف لکھتے ہیں۔

وگفتہ اند کہ ایں سخن غلط است وافتراست، وچگونہ وصیت کند وی رضی اللہ تعالیٰ عنہا باآں باوجود آنکہ [illegible] باما[illegible]ت نماز جنازہ سلطان است ولہذا اگذاشت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سعید بن عاص راکہ حاکم مدینہ بود از جانب معاویہ رضہ کہ نماز کند بر جنازہ امام حسن رضی اللہ عنہ وگفت اگر حکم شریعت نمی بود گذاشتم ترا کہ نماز می کردی رضی اللہ عنہا۔

اس روایت کے جواب میں علماء نے کہا کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اور بہتان عظیم۔ حضرت سیدہؓ اس قسم کی وصیت کس طرح کر سکتی ہیں؟ اور حال یہ ہے کہ نماز جنازہ کی امامت کا سب سے زیادہ حق دار بادشاہ ہوتا ہے۔ اسی واسطے حضرت امام حسنؓ کی نماز جنازہ کے موقع پر حضرت امام حسینؓ نے سعید بن عاص کو امام بنایا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا، کہ اگر شریعت کا حکم نہ ہوتا تو میں تجھے اس نماز جنازہ کا امام ہرگز نہ بناتا۔ واضح ہو کہ سعید ابن عاص ان دنوں حضرت امیر المومنین معاویہؓ کی جانب سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا۔ اور مروان بن حکم اس سے پہلے معزول ہو چکا تھا۔ نوٹ: حضرۃ امام حسن مجتبیٰ کا جنازہ سعید بن العاص نے بحکم حضرۃ امام حسینؓ پڑھایا۔ شیعہ کی کتاب [illegible]

پس "اشعۃ اللمعات" کے موجودہ نسخہ میں یہاں مروان بن الحکم کا نام حضرت شیخ کی غلطی ہے یا کاتب کی۔ اس کے صحیح ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے جیسا کہ اوپر البدایہ والنہایہ، ابن کثیر کے حوالہ سے تحریر کر چکا ہوں۔

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے جو عبارت ہم نے نقل کی ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ ابن کثیر کی عبارت میں جو سنت کا لفظ موجود ہے۔ اس سے مراد شرعی دستور ہے۔ اگر اس سے یہی مراد نہ ہوتی تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اس موقع پر کوئی مجبوری درپیش نہیں تھی۔ اپنے بڑے بھائی کی نماز جنازہ خود ہی پڑھا دیتے تو کون سی قیامت برپا ہو جاتی؟

ناظرین کرام! آپ نے حضرت شیخ عبدالحق صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وہ روایت بھی دیکھ لی۔ جس سے ماسٹر صاحب موصوف عدم حاضری شیخین بر جنازہ بتولؓ ثابت کر چکے ہیں۔ اور آج حضرت شیخ کی تردید بلافصل کی روایت بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب انصاف خود ہی کر لیں۔ کیا یہ بھی بہتانِ عظیم نہیں ہے؟ جب حضرت شیخ نے ایک روایت لکھ کر اس کی تردید کر دی اور اس کو باطل قرار دیا تو کیا اس مردود روایات کو حضرت شیخ کی رائے قرار دیا جا سکتا ہے؟ جناب ماسٹر صاحب نے یہاں بڑے تماشہ کی خیانت فرمائی ہے۔ اپنے مطلب کی روایات کا ترجمہ لکھ دیا، اور درمیان سے روایات کی تردید بلافصل کو چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے اس کو سہو یا وہم نہیں بنایا جا سکتا۔ بلکہ اس کو چوری کہنا چاہئے۔ ایک طرح سے آپ لائق آفریں بھی ہیں۔ کیونکہ یہ جرأت اپنی نظیر آپ ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں۔

"چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد"

نوٹ:۔ نماز جنازہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بعض روایات میں حضرت

علیؓ مرتضیٰ کا اسم شریف آیا ہے۔ اور بعض روایات میں حضرت عباس کا نام نامی آیا ہے۔ اور مندرجہ بالا روایت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اسم گرامی ہے پس ان روایات میں کوئی تعارض اور جھگڑے کی بات نہیں ہے۔ ایک ہستی کے نام کی صراحت دوسروں کے شمول کی نفی نہیں کرتی۔ عدم ذکر اور ذکر عدم میں جو فرق ہے وہ طالب علم بھی جانتے ہیں۔ صَلّٰے عَلَیْهَا عَلِیٌّ کے یہ معنی تو ہماری سمجھ میں آجاتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت سیدہؓ کی نماز جنازہ پڑھی۔ لیکن مذکورہ فقرہ کے یہ معنی لینا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت سیدہؓ کی نماز جنازہ میں شرکت نہیں فرمائی۔ کون سے نحوی قاعدہ کی رو سے درست ہو سکتے ہیں۔

صدیق اکبرؓ اور نماز جنازہ رسولِ خدا ﷺ

گو موقع نہ تھا اور موضوع سخن سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر صاحب "توثیق رقیق" نے یہاں شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نماز جنازہ میں شامل نہ ہونے کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اس اعتراض کے جواب میں بھی کچھ گزارش پیش کر دوں۔

اہل سنت والجماعت کی کتب حدیث و سیرت میں جب مستند اور صحیح روایات اس مسئلہ میں موجود ہیں تو پھر "کنز العمال" کی ایک بے سند بلکہ بے سر پا روایت کی بنا پر مطاعن کی دیوار قائم کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ کنز العمال کی روایت کو مستند ثابت کرنا جوئے شیر لانے سے زیادہ مشکل ہے۔ اگر کسی شیعی مدعی علم میں ہمت ہے تو میدان اور چوگان دونوں حاضر ہیں۔ ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند،
کس بمیدان در نمی آید سواراں راچہ شد

طبقات الکبریٰ لابن سعد، مطبوعہ بیروت، جزو ہفتم، صفحہ ۲۹۰ پر وہ مستند اور صحیح روایت ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ جس میں حضرات شیخین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ میں شامل ہونا مذکور ہے۔ اسی روایت کو صاحب سیرت حلبیہ نے جلد سوم صفحہ ۳۹۴ پر درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ پر چار تکبیریں کہی تھیں۔ اسی طرح حضرت عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پر چار تکبیریں کہی تھیں ——— کبیری شرح منیۃ المصلیٰ ص۵۳۸ پر ہے

وَاِنَّ اَبَا بَکْرِنِ الصِّدِّیْقَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ صَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکَبَّرَ اَرْبَعًا ——— اور یقینی بات ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر نماز جنازہ پڑھی اور چار تکبیریں کہی تھیں۔

اسی طرح شرح ہدایہ از علامہ بدرالدین عینی جلد اول جزو دوم ص۱۱۰۲ پر ہے

ناظرین کرام معلوم کر گئے ہوں گے کہ آنحضورؐ کے جنازہ کی نماز میں صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا شامل ہونا متواترات میں سے ہے۔ اور اگر کتب شیعہ میں انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ مسئلہ دستیاب ہو سکتا ہے ——— (حیات القلوب جلد دوم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ صفحہ ۸۶۶)

اور یہی حوالہ اسی کتاب جلد دوم ص۹۷۵ طبع مشہد پر موجود ہے۔ (قاسم شاہ)

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۱۱۱

"تحقیق فدک" طبع قدیم صفحات ۱۱۱ تا ۱۲۱، نیز طبع جدید صفحات ۱۱ تا ہبۂ فدک کی روایت کے من گھڑت اور بناوٹی ہونے پر ایسے دلائل قائم کئے گئے ہیں۔ کہ ان کے جوابات اس گھڑی تک شیعوں کی جانب سے ہمیں موصول نہیں ہوئے۔

ماسٹر صاحب نے بھی اپنے رسالہ نامی "توثیق فدک" میں زمانۂ حاضرہ کے شیعہ علمائے عظام کی امداد سے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ مگر گوہر مقصود سے واصل نہیں ہو سکے ——— باب سوم میں "تحقیق فدک" کے جو کچھ اس روایت کے بارے میں لکھا جا چکا ہے۔ وہ ایک طالب انصاف کے لئے تو کافی ہے۔ اس پر مزید لکھنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ مگر چونکہ ماسٹر صاحب نے اس باب میں بھی کچھ شبہات کے جالے تنے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان تارِ عنکبوت سے کمزور شبہات کی بھی مزاج پرسی کر لی جائے ———

پس سنئے اور سوچئے اور جس قدر ہو سکے انصاف کے ساتھ غور کیجئے۔

اصولِ حدیث کے علمائے کرام سب کے سب اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ جو روایت طعنِ صحابہ پر مشتمل ہو اور اس کا راوی صحابہ کرام سے بغض رکھنے والا ہو، وہ بلاشبہ موضوع ہے ——— دیکھو "عجالہ نافعہ" صفحہ ۳۰، عجالہ نافعہ طبع جدید کراچی، صـ۲۴ (قاسم شاہ)

"دوم آنکہ راوی رافضی باشد وحدیث در طعن صحابہ روایت کند"

اسی طرح حافظ شمس الدین ذہبی میزان الاعتدال کے ابتدا میں لکھتے ہیں۔

ثُمَّ بِدْعَةٌ كُبْرٰى كَالرَّفْضِ الْكَامِلِ وَالْغُلُوِّ فِيْهِ وَالْحَطِّ عَلٰى اَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَالدُّعَاءِ اِلٰى ذٰلِكَ فَهٰذَا النَّوْعُ لَا يُحْتَجُّ بِهِمْ وَلَا كَرَامَةَ وَاَيْضًا فَمَا اَسْتَحْضِرُ الْاٰنَ فِيْ هٰذَا الضَّرْبِ

رَجُلًا صَادِقًا وَّلَا مَاْمُوْنًا بَلِ الْكَذِبُ شِعَارُهُمْ وَالتَّقِيَّةُ وَالنِّفَاقُ دِثَارُهُمْ فَكَيْفَ يُقْبَلُ نَقْلُ مَنْ هٰذَا حَالُهٗ حَاشَا وَكَلَّا۔

پھر بدعت کی دوسری قسم ہے۔ بدعت کبریٰ جیسا کہ پورا پورا رافضی ہونا۔ اور اس میں حد سے بڑھ جانا، اور ابوبکرؓ و عمرؓ کی شان کو گرا دینا، اور لوگوں کو بھی اس طرف بلانا، پس اس قسم کے لوگوں کی روایت لائق حجت نہیں ہے۔ اور نہ ہی قابلِ احترام ہے۔ اور اس وقت مجھے اس قسم کے لوگوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا یاد نہیں جو سچ بولتا ہو۔ اور قابلِ اعتبار ہو۔ بلکہ جھوٹ بولنا ان کا لباس ہے۔ اور باہر سے کچھ اور اندر سے کچھ اور ہونا ہی ان کی پوشاک ہے پس جس کا یہ حال ہے اس کی نقل کیسے قبول کی جا سکتی ہے؟ ہم اس سے بہت دور ہیں اور ہرگز تسلیم نہیں کریں گے۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ مطبوعہ مصر صـ۴، طبع جدید، جلد ۱، صـ۶، (قاسم شاہ)

اسی طرح کتاب مذکور، صفحہ ۱۵ پر رافضی کی روایت قبول کرنے اور مردود ٹھہرانے میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ جب یہ بات واضح ہو چکی کہ ان رافضیوں کی روایت قابلِ قبول نہیں جو حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخی کرتے ہوں۔ اور دوسرے لوگوں کو اس طرف دعوت دیتے ہوں۔ بلکہ ان کی اس قسم کی روایت موضوع ہوا کرتی ہے۔ تو ہمارا فرض ہے کہ ہبۂ فدک کی روایت کے رجال کی جستجو اور تفتیش کریں۔ کہیں اس روایت کے راوی بھی مذکور قسم کے رافضی نہ ہوں۔

چنانچہ "تحقیق فدک" صفحات ۱۲۴ پر "در منثور" اور "لباب النقول" سے نقل شدہ حدیث فدک کے راویوں کے رافضی اور داعی ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔

کنز العمال کی حیثیت

ماسٹر منظور حسین صاحب نے اپنی برائے نام "توثیق فدک" بجواب "تحقیق فدک" کے صفحہ ۱۶۴ پر "کنز العمال" جلد دوم ص۱۵۸ سے بھی ہبۂ فدک کی روایت کو نقل کیا ہے کہ خود "کنز العمال" میں اس کے بعد وَقَالَ تَفَرَّدَ بِهِ إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبَّاسٍ رَوَاهُ ابْنُ النَّجَّارِ. یعنی ابن عساکر نے کہا کہ اس حدیث کو علی بن عباس سے روایت کرتے ہیں۔ ابراہیم بن محمد بن میمون اکیلا ہے۔ ابن عساکر کہتے ہیں کہ اس سند کو ابن نجار نے روایت کیا ہے ——— اب دیکھنا چاہیئے کہ ابراہیم بن محمد بن میمون اور ان کے استاذ علی بن عباس کے حالات کیسے ہیں؟ سو...... "میزان الاعتدال" جلد اول، صفحہ ۳۰، مطبوعہ مصر میں ہے کہ آپ سخت چالاک اور متعصب شیعہ میں سے تھے۔ اسی طرح "لسان المیزان" جلد اول صفحہ ۱۰۷ پر ان کا ہمچوں قسم کے شیعوں میں سے ہونا تحریر ہے۔ اور علی بن عباس یا علی بن عابس کے متعلق بھی "میزان الاعتدال" جلد دوم، صفحہ ۲۲۸ پر واضح حدیث ہبۂ فدک لکھا ہے ——— علامہ شمس الدین ذہبی نے صاف لکھ دیا ہے کہ ہبۂ فدک والی حدیث علی مذکور نے گھڑ کر تیار کی ہے۔ "میزان الاعتدال" سے معلوم ہوا کہ علی بن عباس نے یہ روایت فضیل بن مرزوق سے اور اس نے عطیہ عوفی سے، اور اس نے ابو سعید سے لی ہے۔

جب صورت حال یہ ہے تو پھر یہ سند میں وہی لوگ آ گئے جن پر تحقیق فدک میں تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اب ہم شیعوں کی بڑی معتبر کتاب رجال مامقانی سے ابراہیم مذکور اور علی مذکور کا رافضی ہونا دکھلاتے ہیں۔ شیخ عبداللہ مامقانی اپنی کتاب "تنقیح المقال" کے رجال کی فہرست صفحہ، پر ابراہیم بن

محمد بن میمون کا اسم گرامی لکھ کر حسنٌ لکھتے ہیں۔ جس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ یہ بزرگ شیعہ امامیہ اثنا عشریہ ہے۔ اسی طرح علی بن عباس کو بھی فہرست مذکورہ کے صفحہ ۱۰۷ پر امامی لکھ دیا ہے۔ اور کتاب مذکور کی جلد دوم، صفحہ ۲۹۴ پر ان کا معروف ہونا بھی تحریر کیا ہے۔ دیکھو ن۸۳۴، بلکہ ان کی ایک تصنیف کا بھی ذکر کیا ہے جس کا نام "فضل الشیعہ" ہے۔

کیا اب بھی کسی کو ابراہیم اور علی بن عابس کے شیعہ ہونے میں شبہ رہ سکتا ہے؟ اور اس روایت کے مشتمل بر طعن صحابہ ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے ——— حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث فدک کا بھی انشاء اللہ تعالیٰ یہی حال ہوگا۔ اگر کسی شیعی اہل علم میں ہمت ہے تو ابن عباس کی حدیث ہبہ فدک کی سند پیش کرے اور قدرت خداوندی کا تماشا دیکھے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی مشہور و معروف تفسیر مظہری، جلد پنجم، بابت سورہ بنی اسرائیل صفحہ ۴۳۸ پر لکھتے ہیں

وَأَيْضًا الْمَشْهُورُ الْمُعْتَمَدُ عَلَيْهِ أَنَّ فَاطِمَةَ سَأَلَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَكَ وَلَمْ يُعْطِهَا كَذَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَلَوْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهَا فَاطِمَةَ لَمَا مَنَعَهَا عَنْهَا الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ لَا سِيَّمَا عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ فِي خِلَافَتِهِ۔ (تفسیر مظہری ج ۵ ص۴۳۸)

اور مشہور اور معتمد علیہ بات یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خدا کے رسول سے فدک طلب کیا تھا۔ پس آپ نے نہیں دیا تھا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ اس چیز کے راوی ہیں۔ اور اگر خدا کے رسول

فدک آپ کو دے دیا ہوتا تو خلفائے راشدین ہرگز ممانعت نہ کرتے۔ خاص کر کے حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا تو اپنی خلافت کے زمانہ میں فدک کو آپ کی اولاد سے نہ روکتے۔

حضرت قاضی صاحب کے استدلال کی مدار حضرت عمر بن عبد العزیز کی روایت کے صحیح ہونے پر ہے۔ اور چونکہ وہ مسلمات بین الفریقین میں سے ہے۔ اس لئے ہبہ فدک کی حدیث کے موضوع ہونے پر برہان عظیم ہے۔

صاحب تفسیر علامہ ابن کثیر رح لکھتے ہیں کہ یہ حدیث رافضیوں کی گھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ فضیل بن مرزدق سے ابو یحییٰ التیمی اور حمید بن حماد کے علاوہ کوئی روایت کرنے والا نہیں پایا گیا، اور یہ دونوں بلکہ تینوں رافضی ہیں۔ فضیل بن مرزدق اور ابو یحییٰ التیمی کا مذہب "تحقیق فدک" ص۲۳۱ پر واضح کر دیا گیا ہے۔ باقی رہ گئے حمید بن حماد تو ان کے مذہب کی تحقیق کے واسطے دیکھو "تنقیح المقال" جلد اول ص۳۷۶ شیعی محقق علامہ شیخ عبد اللہ مامقانی نے حمید بن حماد کو رافضی تسلیم کیا ہے۔

معارج النبوت، رکن چہارم میں ملا معین کاشفی نے ص۲۲۷ پر ہبہ فدک کی روایت کو درج کیا ہے۔ مگر پوری عبارت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ وہی حدیث ہے۔ جس کو ملا کلینی نے "اصول کافی" مطبوعہ تہران، باب الفیٔ والانفال ص۵۳۱ پر لکھا ہے۔ اور میں نے اسی شیعی روایت کو تحقیق فدک ص۱۱۱ پر نقل کیا ہے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ "اصول کافی" کی روایت میں وثیقہ لکھ دینے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ملا معین نے یہ ٹکڑا شیعوں کی دوسری روایات سے لے لیا ہے۔ بہرحال ملا معین کاشفی نے حدیث ہبہ فدک اور وثیقہ فدک کتب شیعہ سے نقل کی ہے۔ اس لئے اہل سنت کے یہاں جو حکم شیعی روایت کا ہے

وہی ملا معین کی روایت کا ہے۔

ملا معین کی اس کتاب میں جو روش ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تحقیق کی تکلیف برداشت کئے بغیر صحیح اور سقیم روایات کو جمع کر دیا ہے۔ جیسا کہ علامہ عبد الحی فرنگی محلی لکھنوی اپنی کتاب **آثار مرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ**، مطبوعہ مطبع یوسفی، لکھنؤ صفحہ ۲۷۵ پر تصریح کر چکے ہیں۔ کہ معارج النبوت، ان کتابوں میں سے ہے۔ جو رطب و یابس کے جمع کرنے والے ہیں۔ فَلَا یَسْتَنِدُ بِکُلِّ مَا فِیْہَا اِلَّا النَّائِمُ وَالنَّاعِسُ۔ یعنی جو کچھ معارج میں لکھا ہے اس کے تمام مندرجات سے وہی استدلال کرے گا۔ جو سو رہا ہے یا اونگھ رہا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ بسلامتی ہوش و حواس کوئی شخص اس کے تمام مندرجات کو قبول نہیں کر سکتا ہے

عجالہ نافعہ میں "معارج النبوت" کی کوئی تعریف موجود نہیں ہے۔ خدا جانے ماسٹر منظور حسین صاحب کے ساتھ کس نے تمسخر اڑایا ہے۔

دیکھو "توثیق فدک" بجواب "تحقیق فدک" صفحہ ۱۶۵ پر ماسٹر صاحب نے لکھا ہے کہ "معارج النبوت" کوئی معمولی کتاب نہ خیال کریں۔ اس کتاب کی تصدیق شاہ عبد العزیز دہلوی نے "عجالہ نافعہ" میں کی ہے۔

شرح مواقف میں شیعی اعتراض کے ضمن میں ہبہ فدک کا دعویٰ از جانب سیدہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا مذکور ہے۔ اس چیز کو صاحب کتاب کے نزدیک محقق جاننا اور اس کی واقعیت کا خیال کرنا بڑی ناسمجھی کی دلیل ہے۔ اس شیعی اعتراض کے جواب میں صاحب مواقف نے جو راستہ اختیار فرمایا ہے۔ وہ بالکل شرعی قوانین عدالت کے مطابق ہے۔ اور بر سبیل تنزل ہے۔ مراد آپ کی

یہ ہے کہ اگر اس روایت کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی جواب موجود ہے۔ اس جواب کے ذکر کرنے سے دوسرے جوابات کی نفی کہاں ہو سکتی ہے؟ قصہ مختصر یہ ہے کہ علامہ ابن کثیر نے ہبۂ فدک کی روایت کی سند دیکھ کر اس کے موضوع ہونے کا حکم دے دیا ہے۔ اور صاحب مواقف نے سند کی جستجو نہیں فرمائی۔ اگر وہ بھی اس حدیث کی سند کی تلاش کر لیتے تو اسی نتیجے پر پہنچتے، جس پر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ پہنچے ہیں۔

صواعق محرقہ کے مصنف کا حال صاحب مواقف کے حال سے مختلف نہیں ہے۔ آپ نے بھی حدیث ہبۂ فدک کا وہی جواب لکھا ہے جو صاحب مواقف نے لکھا ہے اور سند کی جانب توجہ نہیں فرمائی۔

فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۳۸ پر ہبۂ فدک کی حدیث کو باسند تحریر کیا گیا ہے۔ اور یہ چیز ہزار شکریہ کی مستحق ہے۔ خدا تعالیٰ احمد بن یحییٰ بلاذری کو عالی شان اور عظیم الشان جزا عطا کرے کہ اس نے ہمیں تحقیق کا موقعہ فراہم کر دیا۔

پہلی سند کے رجال ترتیب وار یوں ہیں۔

عبد اللہ[۱] بن میمون مکتب، فضیل[۲] بن عیاض، مالک[۳] بن جعونہ، جعونہ[۴]

دوسری سند کے رجال کی ترکیب یہ ہے۔

روح[۱] کرابیسی، زید بن حباب[۲]، خالد بن طہمان[۳]، جعفر[۴] بن محمد،

ان دونوں سندوں سے متعلق جو کچھ دستیاب ہوا ہے وہ پیش خدمت ہے

پہلی سند میں جو پہلا راوی نامی عبد اللہ بن میمون مکتب ہے۔ وہ ایسا مجہول الحال ہے کہ اس کا تذکرہ نہ سنی علمائے رجال نے کیا ہے۔ اور نہ ہی شیعی فضلائے علم رجال نے اس کا ذکر کیا ہے۔

دوسرا راوی فضیل بن عیاض ہے۔ جس کے متعلق علامہ شیخ عبد اللہ مامقانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔ ثِقَةٌ بِلَا خِلَافٍ اِمَامِيٌّ عَلَى الْاَظْهَرِ۔ یعنی، یہ شخص معتبر تو ہے بلا خلاف، لیکن اس کے شیعی ہونے میں اختلاف ہے۔ میرے نزدیک اس کے امامی ہونے کے دلائل زیادہ واضح ہیں۔

تیسرا راوی مالک بن جعونہ ہے۔ اور چوتھا راوی خود جعونہ ہے ——— ان دونوں راویوں کا ذکر کسی سنی مورخ اور فاضل رجال نے نہیں کیا۔ سخت مجہول ہیں اور شیعہ علمائے رجال نے مالک پسر جعونہ کا تذکرہ نہیں کیا۔ ہاں شیخ عبد اللہ مامقانی شیعی نے چوتھے راوی جعونہ کا ذکر کیا ہے۔ مگر ساتھ ہی ان کے مجہول ہونے کا اقرار فرمایا ہے۔

دوسری سند میں پہلا راوی روح کرابیسی ہے۔ جس کے ذکر مبارک سے شیعی سنی کتب اسمائے رواۃ خالی ہیں۔ یہ شخص مجہول ہونے میں کمال رکھتا ہے

دوسرا زید بن حباب ہے۔ یہ بزرگ اگرچہ مجہول تو نہیں ہے۔ مگر علمائے رجال ان کے شیعی ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔

تیسرا راوی خالد بن طہمان ہے۔ ان کو حافظ شمس الدین ذہبی نے شیعہ لکھا ہے۔ اور شیعہ محقق ملا عبد اللہ مامقانی بھی ان کے امامی ہونے کا اقرار کر رہے ہیں

چوتھے راوی اس روایت کے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھے ہیں۔ مگر سند میں واضح کر دیا گیا ہے کہ خالد بن طہمان ایک مرد سے روایت کرتے ہیں۔ جس کے بارے میں روح کرابیسی کا خیال یہ ہے کہ وہ امام جعفر صادق ہوں گے۔ پس خالد بن طہمان جس شخص سے روایت کرتے ہیں۔ اس کی تعیین میں شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ کیونکہ خالد تو ایک مرد سے تعبیر کرتے ہیں اور

روح کرابیسی کہتے ہیں۔ کہ میرا گمان یہ ہے کہ اس مرد سے مراد امام جعفر صادق ہوں گے۔ اس لئے خالد بن طہمان جس بزرگ سے روایت لے رہے ہیں۔ اس کی تعیین اور تشخیص میں اشکال پیدا ہو گیا ہے۔

ناظرین کرام! اب خود ہی انصاف فرمالیں کہ آیا ایسی روایت پر اعتماد کر کے حضرت صدیق اکبر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو محل طعن قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور کیا یہ روایت اس قابل ہے کہ اس کو مدِنظر رکھ کر کہہ دیا جائے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہبۂ فدک کا دعوےٰ کیا تھا؟

معجم البلدان میں یاقوت حموی نے ہبۂ فدک کی اس روایت کو اصح روایت کا لقب دیا ہے۔ جس کو احمد بن جابر بلاذری نے اپنی کتاب فتوح البلدان میں اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور جس کے اسناد کے راویوں کا حال ابھی ہم نے معتبر کتب رجال سے نقل کیا ہے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ یاقوت حموی نے اس روایت کو اصح روایت کیسے لکھ دیا ہے۔ سچ ہے۔ ہر کسے را بہر کارے ساختند،

یاقوت حموی کو تاجر اور سیاح تو تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر جہاں تک میرا علم ہے اس شخص کو محدث یا متکلم یا فقیہہ کوئی نہیں جانتا، چونکہ آپ سیاح ہیں اس لئے جغرافیہ سے متعلق آپ کی بات قابلِ اعتبار ہوگی۔ لیکن آپ محدث نہیں ہیں۔ اس لئے کسی حدیث کے بارے میں آپ کا کوئی فتویٰ قابل سماعت نہیں ہوگا۔ فتوح البلدان میں جب سند موجود ہے اور شیعہ سنی علمائے رجال اس سند کے راویوں کے تذکرے سے خاموش ہیں۔ بلکہ ان کے مجہول الحال ہونے کا اقرار کرتے ہیں تو یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح کیسے بن گئی؟ ممکن ہے کہ یاقوت حموی کے نزدیک وہ روایت صحیح کہلاتی ہو جس کے راوی مجہول حضرات ہوں اور

راویوں کی مجہولیت میں جس قدر اضافہ ہوتا جائے اسی قدر وہ روایت اصح روایات ہوتی جاتی ہو۔

زراعتی امور میں زراعت پیشہ لوگوں کی بات کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ یہاں کسی محدث یا فقیہہ کا فتویٰ کام نہیں دیتا۔ اسی طرح شرعی امور میں فقیہہ اور محدث کی بات معتبر ہے۔ یہاں کسی زراعت پیشہ کو مجال گفتگو نہیں ہوگی۔ تعجب بالائے تعجب ہے کہ ایک تاجر اور سیاح شخص کو حدیث سے متعلق فتوے دینے کا حق کہاں سے حاصل ہو گیا؟ اور اگر اس نے ناروا کارروائی کی ہے تو اس کو معتبر کیوں تسلیم کر لیا گیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ توثیق فدک کے مصنف پہلے سے اس مرض میں مبتلا ہیں۔ وہ ایک پرائمری سکول کے ماسٹر ہیں۔ قرآن و حدیث سے بالکل ناواقف ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن ناظرہ طور پر کسی استاد سے نہیں پڑھا۔ صرف و نحو سے پوری طرح بے خبر ہیں۔ مگر شوق پیدا ہو گیا ہے تحقیق فدک کا جواب لکھنے کا۔ پس وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے جاتے ہیں۔ اور لاعلمی کی وجہ سے اس چیز کو سمجھ نہیں سکتے۔ آپ کے لئے مناسب تھا کہ تعلیم اطفال کے تجربے کی بنا پر کوئی قاعدہ تیار کرتے۔ جو بچوں کی تعلیم کے واسطے بہ نسبت پرانے قاعدوں کے زیادہ مفید ثابت ہو جاتا۔ انسان کو چاہیئے کہ جس فن میں مہارت رکھتا ہو اسی میں گفتگو کرے۔ جو شخص بھی دائرہ مہارت سے قدم باہر رکھے گا وہ ٹھوکر کھائے گا۔

اعلان عام

برائے نام "توثیقِ فدک" کے صفحہ ۱۹۶ پر فتوح البلدان کی روایت کے راوی کا نام مالک بن جعونہ آپ نے درج فرمایا ہے۔ پس راقم الحروف احمد شاہ بخاری کی درخواست ہے کہ اس شخص کے حالات رجالِ فریقین میں سے نکال کر پیش کریں۔ اور منہ مانگا انعام حاصل

کریں۔ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔

ایک محدث کا فتوےٰ پیش کیا جاتا ہے کون ہے جو علامہ بدرالدین عینی کے علم حدیث وفقہ میں ماہر ہونے میں شبہ کرے؟ آپ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں

فَاِنْ قُلْتَ رَوَوْا اَنَّ فَاطِمَةَ طَلَبَتْ فَدَكَ وَذَكَرَتْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَهَا اِيَّاهَا وَشَهِدَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَلٰى ذٰلِكَ فَلَمْ يَقْبَلْ اَبَابَكْرٍ شَهَادَتَهٗ لِاَنَّهٗ زَوْجُهَا قُلْتُ هٰذَا لَا اَصْلَ لَهٗ وَلَا يَثْبُتُ بِهٖ رِوَايَةٌ اَنَّهَا اِدَّعَتْ ذٰلِكَ وَاِنَّمَا هُوَ اَمْرٌ مُفْتَعَلٌ لَا يَثْبُتُ۔۔

"پس اگر اے مخاطب! تو کہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فدک کا مطالبہ کیا تھا۔ اور ذکر کیا تھا کہ خدا کے رسولؐ نے فدک آپ کو دے دیا تھا اور حضرت علیؓ نے اس بات پر گواہی دی تھی۔ پس ابوبکرؓ نے اس شہادت کو قبول نہیں کیا تھا، اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاوند تھے۔ تو جواب میں گزارش کرتا ہوں اس روایت کی بنیاد کوئی نہیں ہے۔ اور کوئی باسند روایت ایسی نہیں جس سے دعویٰ ہبہ فدک ثابت ہو سکے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ روایت من گھڑت ہے جو کبھی ثابت نہ ہو سکے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۵، ص۲۰ مطبوعہ مصر)

قاعدہ ۱ کسی حدیث کا بداہت عقل اور صراحت دانش کے خلاف ہونا بھی اس کے موضوع ہونے کا نشان ہے۔ جیسا کہ شیعہ کی معتبر کتاب "مقباس الہدایہ" از شیخ عبداللہ مامقانی ص۵۲ پر اور اہل سنت والجماعت کی کتاب مشہور "تدریب الراوی" ص۹۹ پر اس قاعدہ کی وضاحت

موجود ہے۔ اور ہبۂ فدک کی روایت بھی صریح عقل کے خلاف ہے۔ عقل باور نہیں کرتی کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دعویٰ میراث میں ناکامی کی صورت میں ہبۂ فدک کا دعویٰ کر دیا ہوگا، اور پھر اس میں ناکامی کی صورت میں دعوائے وصیت کر دیا ہوگا۔ جیسا کہ ماسٹر منظور حسین صاحب نے اپنی مزعومی "توثیق فدک" کے صفحہ ۱۶۱ پر ان تینوں دعاوی کا ذکر کیا ہے۔ اگر فدک حاصل کرنے کے لئے تین وجوہ موجود تھیں، تو ایک ہی دفعہ تینوں وجوہ کو کیوں پیش نہ کر دیا گیا؟ بار بار ناکامی مدعی کے وقار پر اثر انداز ہوتی ہے۔ کوئی باعزت آدمی یکے بعد دیگرے ناکامیوں سے دوچار ہونے کو پسند نہیں کرتا۔

دعوئے فدک کی از راہ عقل وعادت بہترین صورت یہ تھی کہ اس مطالبہ کو تینوں وجوہ پر استوار کیا جاتا، اگر حسب مزعومات شیعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اراضی فدک کے نہ دینے کا پختہ ارادہ کر چکے تھے تو بھی ناکامی صرف ایک دفعہ پیش آتی۔ اس بار بار کی ناکامی کی خواہش کس کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے؟ میرے شیعہ حضرات یوں تو ہر ایک بات کو عقل کی کسوٹی پر رگڑنے کے دعویدار ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد بن یعقوب کلینی نے اصول کافی کے آغاز میں عقل کے قطب شریعت ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ہبۂ فدک اور وصیت فدک کی روایات کو عقل کی روشنی میں دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی اپنی تفسیر "روح المعانی" ص۶۲، جلد ۱۵، مطبوعہ مصر میں تحریر فرماتے ہیں۔ بَلْ طَلَبُهَا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا ذٰلِكَ اِرْثًا بَعْدَ وَفَاتِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كَمَا هُوَ الْمَشْهُوْرُ يَاْبَى الْقَوْلَ بِالصِّحَّةِ كَمَا لَا يَخْفٰى۔

"بلکہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

کے بعد زمین فدک کا از راہ وراثت طلب کرنا جیسا کہ مشہور ہے ہبۂ فدک کی روایت کے صحیح ہونے کی نفی کرتا ہے۔ اس بات میں کوئی خفا نہیں ہے"

ناظرین کرام! اگر تفسیر "روح المعانی" کی عبارت میں غور کریں گے تو صاف نظر آئے گا کہ سید صاحب موصوف کے نزدیک ہبۂ فدک کی حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل وہی خلافِ عقل ہونا ہے جو راقم الحروف نے اوپر تحریر کیا ہے۔

قاعدہ ۲ کسی حدیث کا صحیح حدیث کے خلاف ہونا بھی اس کے موضوع اور من گھڑت ہونے کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ دیکھو "تدریب الراوی" صفحہ ۱۰۰۔

اِذَا رَاَیْتَ الْحَدِیْثَ یُبَایِنُ الْمَعْقُوْلَ اَوْ یُخَالِفُ الْمَنْقُوْلَ اَوْ یُنَاقِضُ الْاُصُوْلَ فَاعْلَمْ اَنَّہٗ مَوْضُوْعٌ۔

"جس وقت تو دیکھ لے ایک حدیث جو کہ عقل کے خلاف ہے یا کہ وہ صحیح نقل کے خلاف ہے یا کہ وہ مسلم شرعی قاعدوں کے خلاف ہے تو جان لے کہ وہ من گھڑت ہے۔"

ہبۂ فدک کی حدیث اس صحیح اور مشہور حدیث کے خلاف ہے۔ جس کو عمر بن عبدالعزیز سے صحاح ستہ میں روایت کیا گیا ہے۔ دیکھو "مشکوٰۃ شریف" جلد دوم، صفحہ ۳۵۶، و "ابوداؤد" جلد ۲، صفحہ ۱۴۴ میں نے اس حدیث کو "تحقیق فدک" صفحہ ۱۶۷۔ و صفحہ ۱۶۸ پر مع ترجمہ لکھ دیا ہے جس میں صراحت موجود ہے۔ کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فدک کی زمین کا مطالبہ کیا تھا۔ لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دینے سے انکار فرما دیا تھا۔ یہ مطالبہ ہبہ کی راہ سے تھا جس کا حضورِ نبوی

کی جانب سے انکار ہوا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو صرف اہل سنت ہی نہیں بلکہ شیعہ مصنفین نے بھی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے عزیز ماسٹر منظور حسین صاحب نے اپنی برائے نام "توثیق فدک" ص ۱۲۶ پر خلیفہ موصوف کے عمل در بارۂ فدک سے تمسک فرمایا ہے۔ پس جب حدیث صحیح روایت کردہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ثابت ہو گیا، کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہِ ہبہ زمین مذکورہ دینے سے انکار فرما دیا تھا تو وہ روایت جس میں بحق سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فدک کی زمین کے ہبہ کا ثبوت موجود ہے موضوع اور من گھڑت ثابت ہو گئی۔

عمر بن عبدالعزیز اموی و مامون بن ہارون رشید عباسی

اس موقعہ پر "توثیق فدک" صفحات ۱۶۶، ۱۶۷ پر مذکورہ بالا دونوں بادشاہوں کا فدک کے بارے میں طرزِ عمل پیش کر کے بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا ہے اور یوں سمجھے کہ میدان مار لیا۔ مگر ابھی آپ نے اس میدان کی خاک تک کو بھی چھوا نہیں ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وہ روایت ابھی پیش کی جا چکی ہے۔ جس میں آپ نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے مطالبۂ فدک اور حضور نبوی کی جانب سے انکار کا اقرار کیا ہے۔ اور جس کو مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۵۶، اور ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۴۴ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ تعجب پر تعجب تو یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت کو یاقوت حموی نے بھی "معجم البلدان" صفحہ ۲۴۰ پر درج کر دیا ہے۔ لیکن ماسٹر صاحب موصوف نے ادھر دیکھا ہی نہیں یا متعمداً ہضم کر گئے ہیں۔ یا پھر سنی سنائی ہانک رہے ہیں۔ چنانچہ معجم البلدان" صفحہ ۲۴۰ پر ذیل کی عبارت موجود ہے۔

فَلَمَّا وَلِيَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ خَطَبَ النَّاسَ وَقَصَّ قِصَّةَ فَدَكَ وَخُلُوْصَهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَّهُ كَانَ يُنْفِقُ مِنْهَا وَيَضَعُ فَضْلَهَا فِيْ اَبْنَآءِ السَّبِيْلِ وَذَكَرَ اَنَّ فَاطِمَةَ سَاَلَتْهُ اَنْ يَهَبَهَا لَهَا فَاَبٰى وَقَالَ مَا كَانَ لَكِ اَنْ تَسْئَلِيْنِيْ وَكَانَ لِيْ اَنْ اُعْطِيَكِ وَكَانَ يَضَعُ مَا يَاْتِيْهِ فِيْ اَبْنَآءِ السَّبِيْلِ وَاَنَّهُ لَمَّا قُبِضَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَعَلَ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ مِثْلَهُ...

"جب کہ عمر بن عبدالعزیزؒ بادشاہ ہوئے تو ایک خطبہ میں فدک کا قصہ اور اس کا خالص خدا کے رسول کے لئے ہونے کا بیان فرمایا اور یہ بھی کہا کہ آنحضورؐ اس میں سے اپنے گھروں کا خرچ الگ کر لیتے تھے اور باقی ماندہ مسافروں کے واسطے رکھ دیتے تھے۔ اور یہ بھی ذکر کیا کہ فاطمہؓ نے آنحضورؐ سے اس کے ہبہ کر دینے کا سوال کیا تھا اور آپ نے دینے سے انکار کرتے ہوئے ارشاد کیا تھا کہ اے فاطمہؓ اس کے ہبہ کا سوال تیرے لئے مناسب نہ تھا اور نہ ہی میرے لئے جائز ہے کہ تجھے ہبہ کر دوں اور عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے یہ بھی اس خطبہ میں بیان کیا کہ آں حضورؐ اس کی آمدنی کو مسافروں کے لئے رکھا کرتے تھے۔ جب کہ آنحضورؐ اس جہان فانی سے روانہ ہو گئے تو ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ نے بھی آنحضورؐ ہی کی طرح عمل کیا۔

امید ہے کہ اب تو حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کے عقیدہ اور عمل میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہا ہوگا۔ ہاں اتنی بات دوبارہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ صاحب معجم البلدان ایک سیاح اور تاجر ضرور ہوئے ہیں۔ نہ محدث ہوئے ہیں نہ مفسر اور نہ ہی فقیہہ اس لئے اگر انہوں نے مذکورہ بالا روایت کے خلاف کوئی فقرہ لکھا ہے اور ضرور

لکھا ہے تو لائق تمسک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہی صاحب معجم البلدان مذکورہ بالا روایت کے آخر میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے کہا،

وَاِنِّيْ اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ رَدَدْتُهَا عَلٰى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ فِيْ اَيَّامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ.

یعنی اے لوگو! تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے ارض فدک کو اس حالت پر لوٹا دیا ہے جس حالت پر وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایام میں تھی۔

ناظرین کرام! فتوح البلدان میں بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی کارروائی کو اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ جو فقرہ ماسٹر صاحب نے معجم البلدان سے نقل فرمایا ہے۔ وہ خود صاحب معجم البلدان کے اقرار سے مردود ہے۔ اور صحیح روایات کے خلاف ہے۔ اس لئے بھی قابل قبول نہیں ہے۔ ہاں مامون رشید عباسی کے طرز عمل سے بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے زمین فدک اولاد فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر لوٹا دی تھی۔ مگر یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طرز عمل کے برخلاف طریق عمل کیا کسی صورت میں قابل سند ہو سکتا ہے؟ مامون رشید عباسی نے جو کارروائی کی ہے یہ سراسر بنی امیہ کے بادشاہوں کی مخالفت کے واسطے کی ہے۔ سیاسیات کا مطالعہ کرنیوالوں کے لئے یہ چیز کوئی انوکھی نہیں ہے۔ اس عباسی بادشاہ کی یہ کارروائی صرف خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف نہیں ہے بلکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھی خلاف ہے۔ اب شیعوں کے واسطے دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا ضروری ہوگا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کارروائی دربارہ فدک کو صحیح تسلیم کریں یا مامون رشید عباسی کے طرز عمل کو صحیح یقین کریں۔ اگر پہلی

راہ پر گامزن ہوتے ہیں تو خلفائے ثلاثہ کی تصدیق لازم آتی ہے۔ اور ہبہ فدک کی روایت موضوع قرار پاتی ہے۔ اگر دوسرے راستہ پر قدم رکھتے ہیں تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی تردید اور مخالفت لازم آتی ہے۔ اور مامون رشید عباسی کی امامت تسلیم کرنا پڑتی ہے۔ جس سے امامت کا بارہ[۱۲] کے عدد میں منحصر ہونا باطل ہو جاتا ہے۔ اور یہ بادشاہ تیرھواں امام قرار پاتا ہے۔ اب صاحب توثیق فدک کا فرض ہے کہ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے ایک صورت کے اختیار کرنے کا اخبارات میں اعلان کر دیں

الزامیات کا سہارا یہاں بے کار ہوگا۔ کیونکہ اہل سنت کے یہاں قرآن حجت ہے اس کے بعد صحیح حدیث حجت ہے۔ اس کے بعد خلفائے اربعہ راشدین کا تعامل حجت ہے۔ اس کے بعد قیاس کا نمبر آتا ہے جو مذکورہ بالا تینوں چیزوں سے لیا گیا ہو۔ کیا اصول مذکورہ میں مامون عباسی کے لئے بھی کوئی گنجائش ہے

زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ماسٹر منظور حسین صاحب شیعی نے اپنی توثیق فدک، صفحہ ۱۷۰ پر حضرت امام زین العابدینؓ کے فرزند ارجمند حضرت زید شہیدؒ کے حوالہ سے ہبہ فدک کے ساتھ قبضہ زمین فدک بھی ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ حافظ عمر بن شیبہ نے کہا کہ زید امام سے کہا گیا کہ فدک ابا بکرؓ نے جناب فاطمہ سے چھین لیا تھا۔ صواعق محرقہ کی عبارت کا ترجمہ پیش کرنے کے بعد یوں تبصرہ کرتے ہیں۔ چھینی چیز وہ ہی جاتی ہے جو پہلے قبضہ میں ہو۔ اگر فدک جناب زہراؓ کے قبضہ میں نہیں تھا۔ تو روایت بالا میں چھیننے سے کیا مراد ہے؟ جواب میں

گزارش یہ ہے کہ صواعق محرقہ کی عبارت میں ایک سوال مذکور ہے جو کسی شخص حضرت زید شہید سے کیا۔ اس کے بعد وہ جواب مذکور ہے جو حضرت زید شہید کی جانب سے پیش کیا گیا۔ سوال کی عبارت میں چھین لینے کا مضمون موجود ہے۔ مگر سوال میں درج شدہ چیز سے استدلال کرنا اور جواب کی طرف التفات نہ کرنا ایک ایسی نئی قسم کی خیانت ہے۔ جس سے منظور حسین صاحب کے سوا کوئی متکلم واقف نہیں ہو سکا۔ عوام الناس کو گمراہ کرنے کی یہ جرأت اور جسارت بھی قابل داد ہے۔ کسی غیر معروف سائل کی عبارت کو حجت بنا لینا، اور حضرت زید شہید کے جواب باصواب کو نظر انداز کر دینا صرف اور صرف جناب ماسٹر صاحب موصوف کا حصہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید شہیدؒ سے آپ کو عقیدت نہیں ہے۔ بلکہ دل میں کچھ رنجش ہے۔ ایک تو اس لئے کہ حضرت زید شہید کے جواب کو پسند نہیں کیا۔ دوسرے اس واسطے کہ سوال میں حضرت زید شہید کو جلیل القدر امام ظاہر کیا گیا، اور ماسٹر صاحب اس چیز کو ترجمہ میں درج کرنے سے کترا گئے ہیں۔ سوال کی باقی عبارت کو ترجمہ میں لے لیا ہے مگر امامت کے ساتھ جو جلالت قدر کا اقرار تھا وہ موجب خلش خار ہو گیا ہے۔ ماسٹر صاحب کی قلم نے اس کا ترجمہ کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اب میرا فرض ہے کہ حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب کو بھی نقل کر دوں جو صواعق محرقہ میں موجود ہے۔

ثُمَّ قَالَ زَيْدٌ وَاللّٰهِ لَوْ رَجَعَ الْاَمْرُ فِيْهَا اِلَيَّ لَقَضَيْتُ بِقَضَاءِ اَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ۔ پھر حضرت زید شہید نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اگر یہ مقدمہ میرے پاس لوٹ کر آتا، تو میں بھی اس کا وہی فیصلہ دیتا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا۔

ناظرین کرام! سوچیئے اور انصاف کیجیئے۔ حضرت زید شہیدؒ نے کس

صفائی اور جرأت سے حضرت صدیق اکبرؓ کی تصدیق فرمائی، اور خدا کی قسم کھا کر تقیہ کے احتمال کا قلع قمع کر دیا ہے۔ اگر حضرت زید شہید ہبہ کے ساتھ قبضہ کو بھی تسلیم کرتے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فیصلہ کی تصدیق ناممکن تھی۔ کیونکہ قبضہ کا دلیل ملک ہونا مسلمات عالم میں سے ہے۔ صاحب قبضہ کو گواہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ صاحب قبضہ مدعا علیہ ہوتا ہے؟ اور گواہوں کا مہیا کرنا مدعی کا کام ہے۔ مدعا علیہ کی قسم کافی شافی اور امر فیصل ہوا کرتی ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے ہبۂ فدک کی روایت کو گھڑا ہے وہ اس بات کے اقراری ہیں کہ زمین فدک حضرت سیّدہ کے قبضہ میں نہیں تھی۔ اگر قبضۂ زمین فدک ان کے خیال کے کسی گوشہ میں موجود ہوتا تو گواہوں کے گورکھ دھندے کی انہیں ضرورت پیش نہ آتی۔ بلکہ حضرت سیّدہ کے قبضہ کی صورت میں چونکہ حضرت صدیق اکبر مدعی ہوتے ہیں۔ اس لئے گواہوں کا فراہم کرنا ان کے فرائض میں داخل تھا۔ پس روایت کے گھڑنے والوں کے لئے مناسب تھا کہ روایت میں ایسے فقرے درج کرتے جن سے معلوم ہوتا کہ حضرت سیّدہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے گواہ طلب کئے۔ جن کی گواہی سے یہ قبضہ ناجائز اور خلاف شرع ثابت ہوتا ہو مگر خلیفۂ اول کے پاس اس قبضہ کے ناجائز ثابت کرنے کے لئے کوئی گواہ نہ تھا یا اس نے گواہ پیش کئے جو اصول شریعت کے مطابق اس قبضہ کو ناجائز نہیں ثابت کر سکتے تھے۔ روایت کے تیار کرنے والوں نے جو گواہوں کی لائن اختیار کی ہے یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اراضی فدک پر حضرت سیّدہ کا کوئی قبضہ نہ تھا۔
اگر حضرت زید شہیدؒ کے جواب میں غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی ہبہ فدک کی روایت موضوع اور من گھڑت ہے اور ساختہ پرداختہ ہے
اب ناظرین کرام کو بخوبی معلوم ہو چکا ہو گا کہ توثیق فدک بجواب تحقیق فدک

کے مؤلف نے حضرت زید شہید کے جواب باصواب سے کیوں منہ موڑا؟ اور ساتھ ساتھ تمسک بالثقلین کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی۔ کیونکہ حضرت زید شہید حضرت امام زین العابدین کے فرزند مکرم ہیں کون ہے جو ان کو ثقلین سے خارج کر سکے؟ کس کی مجال ہے کہ آپ کو اہل بیت نبویؐ ہونے سے محروم کر سکے؟ حضرت امام محمد باقرؒ نے حضرت زید شہید کی بہت تعریف کی ہے۔ جیسا کہ شیعوں کی معتبر تصنیفات شاہد ہیں۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۱۱۵

ماسٹر صاحب نے اپنی کتاب "توثیق فدک" بجواب "تحقیق فدک" ص۱۷۸ پر مشہور و معروف حدیث لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَاهُ فَهُوَ صَدَقَةٌ کو ایک یتیم حدیث کا لقب دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سوائے ابوبکر صدیقؓ کے اس کا کوئی راوی نہیں ہے۔ اور خدا کے رسول کے فرمودات میں سے نہیں ہے تحقیق فدک کے پہلے باب میں ہم دلائل قاہرہ سے ثابت کر آئے ہیں۔ کہ اس حدیث کو حضرت علیؓ اور حضرت محمد بن حنفیہ اور حضرت امام محمد باقر امام جعفر صادق امام حسینؓ اور امام حسن رضی اللہ عنہم نے آنحضورؐ سے روایت کیا ہے۔ الفاظ میں اگرچہ تفاوت ہے، مگر معانی میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اور روایت بالمعنی کے معتبر اور صحیح ہونے کو شیعہ و سنی اصولی تسلیم کر چکے ہیں۔ باوجود اس کے میراث پیغمبرؐ کی نفی کی حدیث کو صرف صدیق اکبرؓ کی مرویہ کہتے چلے جانا ڈھیٹ پنے کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟ جبکہ ہم براہین قاطعہ و استدلالات ساطعہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ ہبہ فدک کی حدیث من گھڑت ہے تو حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ، حضرت ام ایمن اور حضرت حسنین کریمین کی تکذیب کا سوال ہی نہیں پیدا

ہوتا۔ جناب ماسٹر صاحب نے مذکورہ بالا ہستیوں کی تکذیب کو اپنی برائے نام "توثیق فدک" میں بہت اچھالا ہے کیوں نہ ہو؟ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مشہور عالم محاورات میں سے ہے۔

خدا کے بندے! حضرت زید شہید اپنے جد امجد حضرت علیؓ کو جھوٹا تصور کریں گے۔ کیا کسی عقلمند کے زاویۂ دماغ میں یہ بات سما سکتی ہے کہ حضرت زید شہید اپنی جدہ مقدسہ حضرت سیدہ کو غلط گو جانتے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت زید شہید کا یہ ارشاد شیعہ نظریات اور رافضی معتقدات کے واسطے زہر قاتل کا حکم رکھتا ہے، اور ان کی تمام من گھڑت روایات کے لئے ایٹم بم سے کچھ کم نہیں اسی واسطے توثیق فدک کے ماسٹر صاحب مؤلف صواعق محرقہ میں درج شدہ جواب کو پی گئے ہیں

وثیقۂ فدک

جب ثابت ہو چکا کہ ہبہ فدک کی روایت منگھڑت ہے تو اس پر بنا شدہ نوشتۂ فدک کی روایت خود بخود موضوع ثابت ہو گئی۔ ماسٹر صاحب نے اپنی توثیق فدک منہ ۱۷، صفحہ ۱۸۳ پر سبط ابن جوزی کے حوالہ سے نوشتۂ فدک کو پھاڑ دینے کی نسبت حضرت فاروق اعظمؓ کی طرف کی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ابن جوزی کے اس نواسے کے بارے میں بھی ایک مختصر سا نوٹ حوالہ قلم کر دیا جائے۔ سو خدمت میں ناظرین کتاب ہذا کی گزارش ہے کہ علمائے رجال نے اس ہستی کا نام یوسف اور کنیت ابو المظفر اور لقب شمس الدین تحریر کیا ہے۔ علامہ حافظ محدث شمس الدین ذہبی اپنی مشہور کتاب میزان الاعتدال، جلد سوم، مطبوعہ مصر، صفحہ ۳۳۳؛ میزان الاعتدال، جلد ۴، صفحہ ۴۷۱، طبع جدید، (قاسم شاہ)

وَاَلَّفَ كِتَابَ مِرْاٰةِ الزَّمَانِ، فَتَرَاهُ يَاْتِيْ فِيْهِ بِمَنَاكِيْرِ الْحِكَايَاتِ وَمَا اَظُنُّهُ

بِثِقَةٍ فِيْمَا يَنْقُلُهُ بَلْ يَجْنِفُ وَيُجَازِفُ ثُمَّ اِنَّهُ يَتَرَفَّضُ وَلَهُ مُؤَلَّفٌ فِيْ ذٰلِكَ نَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ.

ابن جوزی کے اس نواسے نے ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ جس کا نام مراۃ الزمان ہے۔ پس اس کتاب میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایسی حکایات لے آتا ہے جو قابل انکار ہوتی ہے۔ یہ شخص جو کچھ بھی نقل کرتا ہے میں اس کو اس میں قابل اعتبار نہیں جانتا۔ بلکہ یہ شخص تو حق سے ہٹی ہوئی باتیں اور وہ باتیں جو قاعدہ کے خلاف ہوں۔ بغیر سوچے سمجھے لکھ جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ بھی ہے کہ وہ رافضیوں کی سی باتیں لکھتا ہے۔ اس نے رافضی مذہب کے حق میں ایک کتاب بھی تالیف کی ہے۔ ہم خدا تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں اس بیماری سے عافیت میں رکھے

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی واعظ موصوف سے متعلق لسان المیزان جلد ۶، صفحہ ۳۲۸ پر تحریر فرماتے ہیں۔

رَوٰى عَنْ جَدِّهٖ وَطَائِفَةٍ وَاَلَّفَ كِتَابَ مِرْاٰةِ الزَّمَانِ" فَتَرَاهُ يَاْتِيْ فِيْهِ بِمَنَاكِيْرِ الْحِكَايَاتِ وَمَا اَظُنُّهُ بِثِقَةٍ فِيْمَا يَنْقُلُهُ بَلْ يَجْنِفُ وَيُجَازِفُ ثُمَّ اِنَّهُ يَتَرَفَّضُ وَلَهُ مُؤَلَّفٌ فِيْ ذٰلِكَ نَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ مَاتَ سَنَةَ اَرْبَعٍ وَخَمْسِيْنَ وَسِتَّةِ مِائَةٍ بِدَمِشْقَ قَالَ الشَّيْخُ مُحْيِ الدِّيْنِ السُّوْسِيْ لَمَّا بَلَغَ جَدِّيْ مَوْتُ سِبْطِ ابْنِ الْجَوْزِيِّ قَالَ لَا رَحِمَهُ اللّٰهُ كَانَ رَافِضِيًّا.

سبط ابن جوزی نے اپنے نانا سے روایت لی ہے۔ اور دوسرے علماء سے بھی روایت کی ہے۔ اور ایک کتاب تاریخ کی بنام "مراۃ الزمان" بھی تصنیف کی ہے اس کتاب میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ناپسندیدہ حکایات درج کرتا ہے اور میں اس شخص کو اس کی نقل میں لائق اعتبار نہیں جانتا۔ بلکہ یہ شخص تو حق سے دور باتیں

لکھتا ہے اور کہیں ہانکتا ہے۔ پھر یہ بات بھی تحقیقی ہے کہ رافضی ہوگیا تھا، اور اس کی ایک کتاب رافضہ کی تائید میں ہے۔ خدا تعالے ہمیں اس بیماری سے عافیت میں رکھے۔ ۶۵۴ھ میں دمشق شہر میں وفات پائی۔ حضرت شیخ محی الدین سوسی نے فرمایا کہ جب میرے جد امجد کو سبط صاحب کی موت کی اطلاع ملی تو ان کی زبان سے بے ساختہ صادر ہوا۔ خدا اس پر اپنی رحمت نازل نہ کرے وہ تو رافضی تھا۔

لسان المیزان کی عبارت میں "میزان الاعتدال" کی عبارت قدرے تکرار پائی گئی ہے۔ مگر اس تکرار کو ایک خاص فائدہ کے لئے گوارا کر لیا گیا ہے اسی طرح جواہر مضیہ جلد ۲، صہ ۲۳۱ پر حافظ شمس الدین ذہبی کی تائید کی ہے۔ اور "میزان الاعتدال" کی مذکورہ بالا عبارت کو من و عن نقل کیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح کشف الظنون جلد ۲ صہ ۱۶۴۷ پر بھی میزان الاعتدال کی تحقیق کی تائید موجود ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ لسان المیزان اور میزان الاعتدال اور جواہر مضیہ کا خیر مقام حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب کی نگاہوں سے اوجھل رہ گیا ہو حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ شمس الدین ذہبی دونوں نے سبط صاحب کی جس تصنیف کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تذکرہ خواص الآئمہ ہے جو اول سے آخر تک رفض و تشیع کی ترجمانی کرتا ہے "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" سبط صاحب کا حنبلی مذہب سے حنفی مذہب کی طرف منتقل ہونا بھی عجیب ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں۔

وَعِنْدِیْ اَنَّہٗ لَمْ یَنْتَقِلْ عَنْ مَذْھَبِہٖ اِلَّا فِی الصُّوْرَۃِ الظَّاھِرَۃِ۔

یعنی میرے نزدیک پختہ بات یہ ہے کہ وہ ظاہری طور پر اپنے مذہب کہنہ سے منتقل ہوا تھا۔ دل سے پرانے مذہب ہی کا معتقد تھا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ جو شخص ظاہر و باطن کے لحاظ سے دو مذہب رکھ سکتا

ہے ظاہر میں حنفی اور باطن میں حنبلی ہو سکتا ہے۔ کیا اس سے یہ بات ممکن نہ ہوگی، کہ ظاہر میں حنفی اور باطن میں رافضی ہو؟ مذکورہ بالا عربی فقرہ لسان المیزان جلد ۶ صہ ۳۲۸ پر دیکھا جا سکتا ہے۔

عجیب فریب کاری

توثیق فدک صفحہ ۱۷۰ پر لکھتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے کچھ نرم ہو کر عطائیگی فدک کا پروانہ بعد تسلیم ہبہ حضرت جناب زہراؑ کو دے دیا تھا۔

اس عبارت میں ہبہ فدک کے تسلیم کر لینے کو حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اس چیز کے ثبوت کے لئے سیرت حلبیہ، جلد سوم سے ابن جوزی کے نواسے کا کلام نقل کر دیا ہے۔ جس میں ہبہ فدک کا نام و نشان نہیں ہے۔ بلکہ اس فرضی مکتوب میں میراث کا اعادہ کیا گیا ہے کسی شخص کو دعوے اور دلیل میں مطابقت کا فن سیکھنا ہو تو ماسٹر صاحب کی خدمات سے فائدہ اٹھائے شیعہ کے مبلغ اعظم اسماعیل گوجروی جنہوں نے اس کتاب میں اعجاز حسینی کا نظارہ کیا تھا تو بالکل بجا اور درست تھا۔ کس کی مجال ہے کہ آپ کے نظارہ کو مبالغہ بلکہ صریح غلط بیانی قرار دے؟ ہمارے ضمیمہ تحقیق فدک کے مطالعہ سے ناظرین کو اس چیز کی بے شمار مثالیں مل سکتی ہیں۔ اگر اضطراب خوف اطناب نہ ہو جاتا تو ہم توثیق فدک کے ہر صفحہ و ہر سطر کا احتساب کرتے۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۱۱۱

ماسٹر صاحب نے توثیق فدک صہ ۱۹۱ پر بڑے نازو شنجی کے ساتھ حضرت استاذ البریہ صاحب تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز محدث کے ذمہ لگایا ہے کہ آپ نے حضرت سیدہؑ کا دعوی ہبہ فدک کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور تحفہ اثنا عشریہ صہ ۲۸۰، صہ ۲۸۱

سے عبارت نقل کر دی ہے۔ جب ہم نے اصل کتاب دیکھی تو معلوم ہوا کہ ماسٹر جی مصنف کا مطلب ہی نہ سمجھ سکے۔ حضرت شاہ صاحب کا وہ جواب مندرجہ صفحات برسبیل فرض و بطریق تنزل ہے۔ ہبۂ فدک کے دعوے کا آپ تحفہ کے صـ۲۷۷ پر بوضاحت لکھ آئے ہیں۔ اس واسطے تکرار سے پرہیز فرمایا۔ دیکھو صـ۲۷۷ پر صاف لکھا ہے۔

"جواب ازیں طعن آنکہ دعوئے ہبہ فدک از حضرت زہراؓ و شہادت دادن حضرت علیؓ و ام ایمنؓ یا حسنینؓ علیٰ اختلاف الروایات در کتب اہل سنت اصلاً موجود نیست محض از مفتریات شیعہ است"

اس طعن کا جواب یہ ہے کہ حضرت سیدہ زہراؓ کی جانب سے دعوئے فدک ہونا اور حضرت علیؓ و ام ایمنؓ یا حضرت امام حسنؓ اور حسینؓ کا شہادت دینا اہل سنت کی کتابوں میں بالکل نہیں ہے۔ یہ تو صرف شیعہ کی تیار کردہ روایات میں سے ہے۔

جو شخص ہبۂ فدک کے دعوئے کو شیعہ کے من گھڑیات کے سلسلہ میں داخل کر رہا ہے چند صفحات گزرنے پر اس کی کسی عبارت سے ہبۂ فدک کو تسلیم کر لینے کا نتیجہ نکالنا بھی زمانۂ حال کے جدید قسم کے جاہل مصنفین ہی کا حصہ ہو سکتا ہے۔

ضمیمہ ختم شد

ماسٹر منظور حسین بخاری نے توثیق فدک میں میری تالیف تحقیق فدک پر جو اعتراضات کئے تھے بحمد اللہ میں نے اس ضمیمے میں ان سب کا جواب لکھ دیا ہے۔ ہاں غیر متعلقہ ابحاث نظر انداز کر دی ہیں۔ واقعی توثیق فدک میں بہت سی ایسی بحثیں آگئی ہیں جنکا اراضی فدک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔۔ احمد شاہ بخاری مدرسہ عربیہ الہدیٰ چوکیرہ
ضلع سرگودھا،

تقاریظ

غواص بحر حقیقت فیاض علوم طریقت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

خطیب جامع مسجد سرگودھا و مہتمم مدرسۂ عربیہ سراج العلوم سرگودھا مغربی پاکستان

الحمد للہ رب العلمین، والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین وعلیٰ
الہٖ واصحابہٖ اجمعین

امابعد۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو مکلف بنا کر اسباب و علل کا عالم بنایا۔ چونکہ عقول مختلفہ ہیں۔ اس لئے مذاہب کا اختلاف لازمی ہوا۔ و لا یزالون مختلفین۔ نیز بعض ارباب تحقیق کو نیک توفیق عطا فرما کر راہ راست کی ہدایت فرمائی۔ دیکھو الا من رحم ربك ان مرحومین حضرات کی جماعت میں حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب کا نام بھی درج فرمایا کہ ایسے معرکۃ الآراء مسئلہ کی تحقیق کی توفیق بخشی جو ہر دور میں فی مابین اہل سنت اور شیعہ حضرات کے بڑا بھاری نزاع کا باعث رہا۔ زیادہ لطف کی بات یہ ہے کہ مصنف ممدوح نے شیعہ کی کتب معتبرہ سے تمام حوالہ جات دئے ہیں۔ جو منصف مزاج کو راہ راست پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس عرق ریزی اور محنت کا اجر حضرت مصنف ممدوح کو اللہ تعالیٰ دارین کی سعادت میں بخشے۔ امید کہ اس جامع کتاب سے ہر مطالعہ کرنے والا انصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ صحیح نتیجہ اخذ کرے گا۔ اور اس مسئلہ فدک کے اختلاف کو محض تعصب سمجھے گا۔

اللہ تعالےٰ حضرت مصنف کے باقیات صالحات میں اس کو درج

فرمادیں ۔ اور اہل اسلام کیلئے مشعل ہدایت ثابت ہو۔

احقر ابو سعید محمد شفیع عفی عنہ

ماہر علوم شرعیہ محقق فنون عقلیہ

مولانا مولوی قاضی شمس الدین صاحب ساکن گوجرانوالہ

الحمد للہ وسلم علی عبادہ الذین اصطفیٰ

رسالہ "تحقیق فدک" کے بعض مقامات کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جس کے متعلق مختصر عرض یہ ہے کہ آفتاب آمد دلیل آفتاب نہایت مدلل اور مستحکم طریق سے مسئلہ وراثت انبیاء علیہم السلام کو واضح کیا گیا۔ اور کما ینبغی تائید حق کی گئی۔

العبد شمس الدین ابن شیر محمد عفی عنہ

مفسر قرآن حکیم ماہر حکمت ولی اللہی امام طریقت حضرت مولانا احمد علی صاحب

امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلم علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد: حضرت مولانا احمد شاہ صاحب نے مسئلہ فدک کو شیعہ حضرات کی مسلمہ کتب سے مسلک اہل سنت والجماعت کے مطابق ثابت کرنے میں اپنا

کمال دکھایا ہے۔ شیعہ حضرات اگر انصاف کی نظر سے مولانا کے پیش کردہ دلائل نقلیہ (جو ان کی کتابوں سے نقل کئے گئے ہیں) اور عقلیہ کو ملاحظہ فرمائیں تو انہیں مسلک اہل سنت والجماعت کے ساتھ اتفاق کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا۔ اور اگر شیعہ حضرات اس مسئلہ میں اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ متفق ہو جائیں تو باقی مسائل میں بھی ایک دوسرے کے قریب ہو سکتے ہیں۔ اور اگر مسلمانوں میں شیعہ اور سنی دونوں متفق اور متحد ہو جائیں تو حمایت اسلام کے لئے یہ ایک بے نظیر طاقت بن سکتی ہے۔

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ اس عرق ریزی اور محنت شاقہ کی جزاء خیر عطا فرمائے اور شیعہ حضرات کو نظر انصاف سے مطالعہ کرنے کی ہدایت عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

العارض احقر الانام

احمد علی عفی عنہ

جامع علوم شرعیہ ماہر علوم عقلیہ شیخ الحدیث والادب حضرت مولانا مولوی محمد ادریس صاحب

صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد، لاہور،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

امابعد۔ رسالہ "تحقیق فدک" مصنفہ مولانا احمد شاہ صاحب مدظلہم کہیں کہیں سے دیکھا، دیکھ کر دل مسرور ہوا۔ بحمدہ تعالیٰ مفید اور محقق دلائل پر مشتمل ہے امید ہے کہ طالبان حق کے لئے موجب ہدایت اور واقفان حقیقت کے لئے موجب طمانیت

ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرمائے اور مصنف کو مقبولین میں سے بنائے

آمین یارب العلمین۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ وصلی اللہ وسلم و نبیہ الکریم وعلیٰ آلہ وازواجہ واصحابہ اجمعین۰

۹ شوال المکرم ۱۳۷۴ھ — محمد ادریس کان اللہ لہ

جامع معقول و منقول محقق فروع و اصول مولانا مولوی شمس الحق صاحب

ساکن ترنگ زئی ضلع پشاور صوبہ سرحد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ "تحقیق فدک" مؤلفہ مولانا مولوی احمد شاہ صاحب کے اہم مواضعات کو میں نے ملاحظہ کیا۔ فلک نجات کے جواب میں مذکورہ رسالہ فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ بقیہ مضامین بھی امید ہے کہ اسی شان کے ہوں گے۔ شیعہ حضرات کے لئے بھی رسالہ مذکورہ مشعل ہدایت ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ خشیۃ اللہ اور انصاف کے جذبہ کے ماتحت اس کا مطالعہ کریں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ مصنف کی یہ خدمت بارگاہ ایزدی میں مقبول ہو۔ اور مزید خدمات دینیہ میں اللہ ان کا معین و ناصر ہو۔

شمس الحق عفا اللہ عنہ

۱۰ ذوالقعدہ ۱۳۷۴ ہجری

مناظر اہل سنت حضرت مولانا علامہ دوست محمد قریشی رحمہ اللہ

حق و باطل کے درمیان ٹکر روز اول سے جاری ہے۔ حقانیت سے انحراف کبھی دیدہ دانستہ ہوتا ہے اور کبھی غلط فہمی سے ہر باطل پرست گروہ کے عوام کچھ تو غلط تقلید کی بنا پر ضلالت کا شکار ہوتے ہیں اور کچھ دنیاوی طمع و لالچ کی غرض سے۔

لیکن خواص کی لغزشوں میں جہاں کج روی، کج بینی، کج اندیشی اور کج فہمی کو دخل ہے۔ اس سے کہیں زیادہ دنیاوی آرائش پرستی اور جاہ طلبی کو۔

میرے خیال میں مذکورہ امراض میں سے کوئی بھی مرض قابل الا ماشاء اللہ۔

اہل حق ہمیشہ سے حسبۃ للہ باطل کی حقیقت کو بے نقاب کرتے چلے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ باطل حقیقت میں ایک موم کا پہاڑ ہوتا ہے۔ جسے دیکھنے والا انسان دیکھ کر متحیر و مبہوت سا رہ جاتا ہے۔ لیکن اہل حق کی حقانیت نما برق جب اپنی پوری لمعانیت، درخشانیت اور تابانیت کے ساتھ آتی ہے وہ پگھل کر پانی پانی ہو جاتا ہے۔

انفرادیت سے نہ کبھی کفر و طغیان اور ظلم و عدوان پر غلبہ نصیب ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

۰ اعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل

۰ واصبروا وصابروا ورابطوا

○ ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر

○ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

جیسے قرآنی ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ ظلمت ضلالت کو اگر ختم کیا جا سکتا ہے تو نور جمیعت سے اور بحمد اللہ یہ حصہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں تنظیم اہلسنت کے خدام کو نصیب فرمایا ہے اور اُن ہی میں سے ایک مرد کامل ضیغم اسلام فخر اہلسنت حضرت مولانا سید **احمد شاہ** صاحب چوکیرہ صدر مدرس مدرسہ دار الہدیٰ چوکیرہ ضلع سرگودھا ہی ہیں جنہوں نے حقانیت کی علمبرداری کرتے ہوئے "**فلک النجات**" کے صرف ایک باب کی تردید میں ایک علمی تحقیقی مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے اہلسنت علماء نہ صرف لطف اندوز ہو سکتے ہیں بلکہ ان دلائل عقلیہ و نقلیہ اور براہین قاطعہ کو ازبر کر کے خصم کا منہ بھی بند کر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ کتاب علماء کے لئے نافع ہے تو مقررین و مبلغین کے لئے حرز جان سے کم نہیں۔

اہل سنت کی کوئی لائبریری خطباء کا کوئی کتب خانہ اور مدارس اسلامیہ میں سے کوئی مکتب اس فقید المثال تصنیف سے خالی نہ رہنا چاہیئے۔

آپ کا خیر اندیش خادم تحریک تنظیم اہلسنت یوسف محمد قریشی ہاشمی، احمد پور شرقیہ، ریاست بہاولپور

۱۶/۴/۵۵